

مطبوعات مجلس اديب کراچي  
پانچ سٹرايٽ کرسٽي، لاہور



۳

# خطوطِ غالبؔ

## جلد دوم



خطوطِ غالب  
جلد دوم



مطبوعات مجلس اديكار غالب  
پنجاب يونيورسٲٲ لاہور



۳

# خطوطِ غالب

## جلد دوم

باہتمام

غلام رسول مٲر

۱۹۶۷



# مجلس یادِ کارِ غالب

☆

صدر مجلس:

پروفیسر حمید محمد خان ستارہ پاکستان وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ارکان

جناب عبد الرحمن چغتائی لاہور

مولانا غلام رسول مہر لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ سابق صدر شعبہ فلسفہ اسلامیہ کالج بھول لائبر لاہور

سید امتیاز علی تاج، سیکرٹری مجلس ترقی ادب لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر موشسہ مطبوعات فریملکن لاہور

کمپین عبد الواحد موشسہ مطبوعات فریملکن لاہور

ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمن، سابق چیف جسٹس پاکستان لاہور

پروفیسر ڈاکٹر قاضی عبداللہ بن احمد صدر شعبہ امور طلباء پنجاب یونیورسٹی لاہور

گرو کپٹن سید فیاض محمود ناظم شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ محمد دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ناظم ادارۃ ثقافت اسلامیہ لاہور



پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل نیورسٹی اور نیشنل کالج، صدر شعبہ فارسی پنجاب نیورسٹی لاہور  
سید وقار عظیم، غالب، فیئر اردو پنجاب نیورسٹی لاہور

سید وزیر احسن، عابدی، ریڈر شعبہ فارسی پنجاب نیورسٹی لاہور  
جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلہ رفون لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی، صدر شعبہ اردو پنجاب نیورسٹی لاہور  
جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل، صدر شعبہ نفسیات، گورنمنٹ کالج لاہور

پروفیسر اختر اقبال، کمالی، شعبہ انگریزی، اسلامیہ کالج رسول لاہور  
ڈاکٹر وحید قریشی، ریڈر شعبہ اردو پنجاب نیورسٹی لاہور

جناب انتظار حسین، روزنامہ مشرق لاہور

جناب اقبال حسین، شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب نیورسٹی لاہور

مستند

ڈاکٹر افتاب محمد خان، جوائنٹ سیکرٹری وزارت اطلاعات و نشریات پاکستان کالج

ڈاکٹر عبد الشکور احسن، ریڈر شعبہ فارسی پنجاب نیورسٹی لاہور

نائب مستند

سید سجاد باقر ضوی، لیکچرار انگریزی، نیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور



# پیش لفظ

مجلس یادگار غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب اس کے صدر مقرر ہوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہیں میں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

یونیورسٹی کے ایک اور فیصلے کی رُو سے شعبہ اردو میں کرسی غالب قائم ہوئی۔ میں مسرت کے ساتھ اعلان کر رہا ہوں کہ اس اسامی پر پروفیسر سید وقار عظیم کا تقرر کیا جا چکا ہے۔

(پروفیسر) علامہ الدین صدیقی

وائس چانسلر، جامعہ پنجاب

لاہور

سینٹ ال

مارچ ۱۹۶۹ء



# اعتراف



فروری ۱۹۶۶ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہوئے ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبہ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسامی (کرسی) قائم کی ہے، بلکہ مجلسِ یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلہٴ مطبوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلسِ یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے معتمد اور سید سجاد باقر رضوی شریک معتمد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہونے پر ڈاکٹر محمد ایشکور احسن مجلس کے دوسرے معتمد قرار پائے۔

اواخر ۱۹۶۷ء میں جب ہمارا سلسلہٴ کتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدر مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر نصیر رہا۔ جن اربابِ فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اس سلسلہٴ کتب کی ترتیب تالیف یا تصنیف میں حصہ لیا ان میں سے ہر ایک کا نام متعلقہ کتاب کے سرورق



کی زینت ہے۔ مجلسِ یادگار غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست  
اس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جا رہی ہے۔

مجلس کے سلسلہ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی  
ہیں جو اردو اور فارسی نظم و شعر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت  
سے یا موزونیِ ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔  
ان سب کتابوں پر موصوفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا  
اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے  
ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں  
سے کوئی کتاب رُذہ جائے چنانچہ اُن کی بعض نگارشات جو مرورِ زمانہ  
سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہل نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں  
دیوانِ غالب کا نسخہ تجدید، جسے صدرِ مجلس نے مرتب کیا ہے، ایک پہلے  
فیصلے کے مطابق مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔  
غالب کی صرف یہی ایک کتاب مجلسِ یادگار غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں  
مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں  
بھی شامل ہیں جن میں اس بگائے روزگار کے شخصی، فنی اور فکری کمال کا اظہار  
کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی دان لوگ اردو نہیں جانتے انہیں



غالب کے فکرو فن سے متعارف کرنے کے لئے ایک مفصل کتاب انجمنی زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ ”میں نے غالب سے کیا پایا“ ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس میں متعدد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثرات جمع کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور محبوبے میں گذشتہ ایک سو برس کی تنقید غالب کا خاکہ اقبالیات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا ان کی تاریخ اشاعت سے مرزا غالب کی حیات بعد ممات کی دوسری صدی شروع ہوتی ہے مجلس کو یقین ہے کہ اس دوسری صدی میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دنیا کو ہندوستانی تمدن کے آخری ترجمان سے روشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی راجگانش جائے

حمید احمد خاں  
صدر مجلس یادگار غالب  
جامعہ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال  
فروری ۱۹۶۹ء



# فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	لمبر شمار
۵۱۹	خطوط بنام چودھری عبدالغفور خان - رور	۱
۵۷۷	حضرت صاحب عالم مارہروی	۲
۵۹۳	حسین میرزا اور متعلقین	۳
۶۳۴	نواب میر غلام بابا خان	۴
۶۴۴	میر ابراہیم علی خان	۵
۶۴۹	حکیم سید احمد حسن مودودی	۶
۶۵۹	میان داد خان سیاح	۷
۶۹۴	میر حبیب اللہ ذکا	۸
۷۱۸	قاضی عبدالجلیل جنون	۹
۷۴۶	محمد عبدالرزاق شاہر	۱۰
۷۶۳	میر غلام حسین قندلہ لکرامی	۱۱
۷۹۱	سید فرزند احمد لکرامی	۱۲
۷۹۸	شہزادہ بشیر الدین میسوری	۱۳
۸۰۶	جواہر سنگھ جوہر اور ہیرا سنگھ درد	۱۴
۸۱۳	سید بدرالدین کاشف	۱۵
۸۲۰	پیارے لال آشوب	۱۶
۸۲۵	فرمانروایان رام پور	۱۷



نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸	خطوط بنام مولوی نعمان احمد	۸۳۲
۱۹	سید احمد حسن عرشی قنوجی	۸۳۹
۲۰	عباس بیگ اور محمود بیگ	۸۴۳
۲۱	میر احمد حسین میکش	۸۵۰
۲۲	یوسف علی خان عزیز	۸۵۴
۲۳	مولوی ضیاء الدین خان ضیاء دہلوی	۸۶۰
۲۴	مولوی کرامت علی	۸۶۷
۲۵	ہرگوپند سپائے نشاط	۸۷۳
۲۶	کیول رام پوشیار دہلوی	۸۷۵
۲۷	شاہ کرامت حسین ہمدانی بہاری	۸۷۸
۲۸	عبدالغفور بساخ	۸۸۱
۲۹	منشی نول کشور	۸۸۴
۳۰	سید محمد زکریا خان زکی دہلوی	۸۸۷
۳۱	حکیم غلام رضا خان	۸۹۰
۳۲	عبدالحق	۸۹۳
۳۳	سید احمد حسین کنا سرزا پوری	۸۹۵
۳۴	مصطفیٰ خان شیفتہ	۹۰۰
۳۵	مفتی سید محمد عباس	۹۰۳
۳۶	صدرالصدور مراد آباد	۹۰۶
۳۷	محمد حسین خان	۹۰۹



صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۹۱۲	مردان علی خان رعنا	۳۸
۹۱۳	منشی ثبی بخش حقیر اور عبداللطیف	۳۹
۹۱۸	شیخ لطیف احمد پلگراسی	۴۰
۹۲۰	صوفی منیری	۴۱
۹۲۳	محمد سخاوت مدهوش انصاری	۴۲
۹۲۵	مولوی عزیزالدین	۴۳
۹۲۷	غلام ہسم اللہ	۴۴
۹۲۹	قاضی نورالدین حسین خان	۴۵
۹۳۱	میر ولایت علی	۴۶
۹۳۲	حکیم غلام مرتضیٰ خان	۴۷
۹۳۳	حکیم محب علی نیر کاکوروی	۴۸
۹۳۵	محمد حسین خان	۴۹
۹۳۷	تفضل حسین خان	۵۰
۹۳۸	میر ہندہ علی خان	۵۱
۹۴۱	سہاراجہ سردار سنگھ والی بیکانیر	۵۲
۹۴۳	نامعلوم	۵۳
۹۴۶	" "	۵۴
۹۴۹	" "	۵۵
۹۵۰	" "	۵۶
۹۵۱	" "	۵۷



نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۸	خطوط بنام نامعلوم	۹۵۲
۵۹	دیباچہ سراج المعرفت	۹۵۶
۶۰	تقریظ پر کتاب جہادر شاہ ثانی	۹۶۱
۶۱	دیباچہ "حدائق انظار"	۹۶۵
۶۲	تقریظ پر گلزار سرور	۹۶۸
۶۳	دیباچہ قصائد میرزا کلب حسین خاں	۹۷۰
۶۴	دیباچہ رسالہ "تذکیر و تالیث"	۹۷۲
۶۵	تقریظ مثنوی "شعاع مہر"	۹۷۴
۶۶	دیباچہ دیوان ذکا	۹۷۶
۶۷	دیباچہ دیوان سخن	۹۷۷
۶۸	دیباچہ انتخاب غالب	۹۷۹
۶۹	خاتمہ انتخاب غالب	۹۸۱
۷۰	دیباچہ نکات و رفعات	۹۸۲
۷۱	صوفی منیری کی مثنوی لواء الحمد	۹۸۴
۷۲	میرزا غالب کی ایک تحریر	۹۸۶
۷۳	میرزا غالب کے خود نوشت سوانح	۹۸۹
۷۴	نامہ "غالب بنام میرزا رحیم بیگ"	۹۹۳



## چودھری عبدالغفور خان سرور

چودھری عبدالغفور خان سرور، میرزا غالب کے خاصی ناز مندوں میں اس اعتبار سے بطور خاص ممتاز ہیں کہ انہیں سب سے پہلے اردو مکاتیب کی جمع و ترتیب کا خیال آیا اور میرزا رفیع یا سیو نرائن آرام کی طرح سرور سے اجازت لینے کے تکلف میں نہ پڑے، بلکہ اپنے نام کے زیر حضرت صاحب عالم مارہروی اور حضرت شاہ عالم کے نام کے خطوط مرتب کر کے ان کا نام ”سپر غالب“ رکھا اور اس پر ایک دیباچہ بھی لکھ دیا۔ یہ مجموعہ صرف ”عود ہندی“ ہی کا جوہر نہ بنا بلکہ حقیقتاً اسی آغاز کے نتیجے میں مکاتیب غالب کے مختلف مجموعے مرتب کرنے کی طرف توجہ منعطف ہوئی۔ ”عود ہندی“، ”اردوئے معلیٰ“، ”مکاتیب غالب“، ”نادرۃ غالب“ وغیرہ ”سپر غالب“ ہی کی وجہ سے منظر عام پر آئے۔

چودھری صاحب مارہرہ (خلع ایٹھ، بو پی) کے رئیس اور قوم کے کبروہ تھے۔ علاوہ بریں خاندانہ، مرکاتیب، مارہرہ کے مجاہدہ نشین حضرت صاحب عالم سے چودھری صاحب کے روابط بہت گہرے تھے اس مجموعے میں سے بعض خط یقیناً تلف ہو گئے جیسا کہ میں نے مختلف مواقع پر اشارہ کیا ہے، لیکن جو کچھ بھی محفوظ رہ گیا، اس کے لیے ہم سرور ہی کے ممنون احسان ہیں۔

یہی مجموعہ مزید خطوط کی فراہمی اور ترتیب کے سلسلے میں کئی سال خواجہ غلام غوث خان کے خبر کی تحویل میں رہا اور ۱۸۶۶ء کے وسط میں منشی ممتاز علی خان میرٹھی کے حوالے ہوا جو بذول خود اس کے محرک اول تھے۔ میرزا کی وفات سے تریباً چار مہینے پیشتر، ”عود ہندی“ کے نام سے شائع ہوا۔



سرور دیباچے میں لکھتے ہیں :

جب کلام بلاغت نظام رشک صائب ، نضر طالب جناب اسد اللہ  
خان صاحب غالب کا دیکھا، دل کو بھایا ، یکتا پایا۔ مرصع  
مراسلات میں قدم بڑھایا۔ ہر کائنات کا جواب آیا۔ سبحان اللہ !  
وہ زبان کہاں ماؤں کہ ان کے خلق کا بیان لب پر لائیں  
.... کبھی جواب مرسلہ میں نساہل و درنگ اور اصلاح شعر و  
عبادت میں دریغ و تنگ نہ فرمایا۔ .... پس نہایت متلذذ ہونا  
اور آہ ہی مزا اٹھانا خلاف انصاف جاننا، دل مائل تمام بہ شہرت  
عام ہوا۔

بھر لکھتے ہیں کہ اسی اتنا معنای علی میرٹھی مارہرہ آئے۔ انہوں  
نے انطباع خطوط کا پڑا اٹھایا ، میں نے خطوط مرصع کر دیے :  
چونکہ محبت جناب غالب کی مجھ پر بہت غالب ہے ، لہذا نام اس  
الشع کا ”مہر غالب“ بہ کسر مہم مناسب ہے۔ سال ختم  
تالیف بھی اسی نام سے پایا۔

تاریخ تالیف کا قطعہ یہ تھا :

انشا مطلوبہ سید مطالب لکھی یعنی اپنے دوستان طالب لکھی  
موسوم کیا جو ”مہر غالب“ سے سرور تاریخ بھی اس کی ”مہر غالب“ لکھی

۱۹۷۸ء

کہتے ہیں سرور فارسی بیت انھوں جاتے تھے اور صرف فارسی شعر کہتے  
تھے۔ اردو میں حسب بیان ”نظامۃ غالب“ ان کا ایک نعتیہ قصیدہ  
ملا ہے اور ایک قطعہ جو سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے بیٹے کی  
ولادت پر لکھا تھا (ص ۱۰۱) سنا ہے سرور کا انتقال بیسویں صدی کے  
اوائل میں ہوا۔

## (۱)

چودھری صاحب شفیق مکرم کی خدمت میں یہد ارسال سلام مستحق  
عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ذوق بروہی اور درویش قوازی کی ، ورنہ میں  
سزاوار ستائش نہیں ہوں۔ ایک مباحی زادہ عیچمدان اور دل افسردہ و روان



فرسودہ، مان، ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوں اور یہ  
 یہی یاد رہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشعار کے معنی کے  
 پرداز میں میرا دل اکثر خلاف جمہور پانیے کا اور حق بجانب میرے ہوگا۔  
 پہلے میں حضرب سے پوچھتا ہوں کہ یہ صاحب جو شرحیں لکھتے ہیں،  
 کیا یہ سب ایزدی سروش (۱) ہیں اور ان کا کلام وحی ہے؟ اپنے اپنے  
 لباس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر جگہ ان کا  
 قیاس غلط ہے، مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ فرماتے ہیں،  
 وہ صحیح ہے۔

اسی جہانے میں آپ جس کا حوالہ دیتے ہیں :

منکہ ہلسم عقل کل الذ (۲)

اس شعر کی شرح کو ملاحظہ کیجیے۔ عبارت وہ تعقید سے لبریز کہ  
 مقصود شارح کا سمجھا بھی نہیں جاتا اور جب غور و تأمل کے بعد سمجھ  
 اچھے تو وہ معنی ہر گز لائق اس کے نہیں ہیں کہ فکر سلیم اس کو  
 قبول کرے۔

پھر :

”احسان تو بشکاتہ الذ (۳)“

اس مصرع کی توجیہ کنسی نے مزہ اور لے نفع ہے؟ عرفی کو کہاں سے  
 لاؤں جو اس سے بوجھوں کہ بھائی بونے اس شعر کے کہا معنی رکھے  
 ہیں؟

قصیدہ کوہاد :

(۱) خبر خیر لانے والے خدا کے سچے فرشتے جن سے کسی شعلی اور خطا کا  
 امکان ہی نہیں۔

(۲) عرفی کا مشہور شعر ہے، جو قصیدہ حمدیہ میں آیا ہے۔

منکہ ہلسم عقل کل را تاوک انداز ادب

مرغ اوصاف تو از اوج ہای انداختہ

(۳) یہ بھی عرفی کے نعتیہ قصیدے کا شعر ہے :

العام تو پردوختہ چشم و دھن از

احسان تو بشکاتہ ہر فطرۃ ہم را



دیوان گری محبت نو فی کامروز مسلم سے مارا  
یگانہ ز ناچ کرد تارک آوارہ ز کفن کرد بار (۱)

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ "دیوانگی" میں یہ حالت بعد نہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی کہے منصب "دیوانی" سے یہ بات بعد ہے، تو پھر شارح کیا جواب دے گا؟ ہاں یہ کہے گا کہ غلبہ "محبت" میں پاس وضع نہ رہا اور دیوان جی صاحب کچھری سے نکلے سر اور نکلے پاؤں نکل بھاگے۔

ہم نے مانا، مگر ہم یہ بوجھے ہیں کہ "دیوانگی"، کیوں نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنی بے تکلف منطقی ہو جائیں اور توجیبات درمیان نہ آئیں؟

تغیر کے نزدیک "دیوانگی محبت" نو صبیح اور بے تکلف ہے اور "دیوانگی و محبت تو" غلط محض اور "دیوانگری محبت تو" تکلف محض۔ دیوانگی اور محبت دو صفیں کیوں جمع کریں؟ غور کیجیے، عطف واؤ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اسی حالت میں اس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں ناچ و کفن بے جا ہے، محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔ کیا ہے مرزہ بوجہ!

ہاں "دیوانگی محبت"، یعنی وہ جنوں جو فرط محبت میں بہم پہنچا، اس نے اس احوال کو پہنچایا۔ تغیر "دیوانگی محبت"، کہے گا اور "دیوانگی و محبت"، کہنے کو منع کرے گا اور "دیوانگری محبت"، کہنے کو نہ مانع آئے گا، نہ تسلیم کریگا۔ زیادہ اس سے کیا عرض کروں۔ یاد آوری اور مہر گسٹری کا تکرر بجا لاتا ہوں اور اس۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم صاحب کی طرف ہے۔ اسے محمود و مطام حضرت صاحب کی خلعت میں ہندگی عرض کرتا ہوں اور

(۱) یہ نہیں غری کے تعبہ قصیدے کے شعر ہیں۔

(۲) صاحب عالم مار ہروی سجادہ نشین درگاہ ترکاہہ جن کے ساتھ "رور" کے خاص گہرے تعلقات تھے۔



حیران ہوں کہ اور کیا کہوں۔ یہ مدعا جو دہری صاحب کی تحریر سے معلوم ہو گیا تھا، اس کا جواب لکھا گیا۔ حضرت کے دستخط خاص کی لکھی ہوئی عبارت سے جو سمجھنا ہوں اس کا جواب لکھتا ہوں اور جو مجھ سے نہیں پڑھا گیا وہ تعویذ بازو کر رکھتا ہوں۔ اگر بذر محال کبھی ملاقات ہوگی تو آپ سے دریافت کر کے پاسخ گزار ہوں گا۔

ہاں حضرت سچ ہے میرا ابن حسن خان میرے دوست ہیں اور مرزا عباس میرا بیانا تھا۔ فتنہ و فساد کے زمانے میں بلگرام میں رہا، اب وہ فرخ آباد میں ڈپٹی کلکٹر ہے۔ آپ کی اور بیانی منشی ابی بخش صاحب کی ملاقات سے میرا دل بہت خوش ہوا۔۔۔ یاد رہے منشی قہمی اس بزرگوار کا حق ہے۔ اب آگرہ میں بے کار اور پنسن کے اسبنوار ہیں۔

مصرع :

نا ہر چہ گفتے از تو مکرر شنودے

”شنودے“ کی رعایت سے کہ وہ بیائے بھول ہے بمعنی ”می شد“، انکار صاحب ”گفتے“ کو بیائے بھول پڑھتے ہیں تا کہ می گفت کے معنی پیدا ہوں۔ اس صورت میں خطاب سے بطرف غیب کے رجوع کرتے ہیں اور ”گفتی“ بیائے معروف سے صنف ”واحد حاضر“ ہے، از منہ میں سے اشعار (۱) زمانہ ماضی رکھتا ہے اور ”شدن“، ”شود“، یہ سب استقبال کے مقتضی ہیں اور معروف گفتی ماضی ہے۔ پس اگر ”گفتے“ بیائے معروف کہیے تو اوپر کے مصرع میں بدلے کہنا ہوگا، بدلے کا عطف۔ خلاصہ یہ کہ اگر وہاں ”بدے“ کہیے تو یہاں ”گفتی“، بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے بھول غلط ہے اور وہاں ”شدے“ کہیے تو یہاں ”گفتے“ بیائے بھول کہیے۔ عیث اور خطاب کا تعلق مٹا دیجئے۔ گفتے بیائے بھول میں خطاب حاضر مقرر رہتا ہے اور نو کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ لفظ اس کے فارسی میں بہت ہیں۔ رعایت کے باب کی پرستی ہرگز نہ رہے،

(۱) اشعار (الف مکسور) آکھی دیتا۔



نہیں کہی (۱) - زیادہ حد ادب -

۱۸۵۷ء (خار سے پیشتر)

## (۲)

ہندہ پرور،

مہربانی نامہ آیا، آنکھوں سے لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تنوع کلام اہل زبان، لیکن نہ اشعار قلیل و واقف و شعراے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کی موزونی طبع کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایان نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی، نہ معنی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ و عامیانہ جو اطفال دبستان جانتے ہیں اور جو مستعدی نثر میں درج کرتے ہیں، وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشید و طوطا اور ان کے امثال و نظائر کا کلام بالا ستیحاب دیکھا جائے اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے اور ذہن اعوجاج (۲) کی طرف نہ لے جائے، تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے۔

”منکہ باشم“ (۳) اس کی جو شرح چھانے میں لکھی ہے اس کو ملاحظہ کیجیے اور معنی میرے خاطر نشان کیجیے تو میں سلام کروں۔

پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیئے کہ ”از اوج بیان انداختہ“ کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے؟ اگر ”غلل کل“ کو ”انداختہ“ کا مفعول اور ”منکہ“ کے کاف کو کدافیہ لہہراؤ گئے تو یہ شبہ ”انداختہ“ کے فاعل دو ٹھہریں گئے۔ ایک ”ناوک انداز ادب“ اور ایک ”مرغ اوصاف ثوہ“ ایک فعل اور دو فاعل، یہ کیا طریق اور کیسی تخلیق ہے؟

(۱) اس سے ظاہر ہے کہ یہ پہلا خط نہیں۔ سرور نے خط محفوظ کرنے کا ہورا اہتمام کیا تاہم بعض خط یقیناً نقص ہو گئے۔ کم از کم حضرت عالم مارہروی کے نام کے خط۔ رہائی کا تعلق انہی سے ہے۔

(۲) کہی۔ ٹیٹراہا بن۔

(۳) وہی عرفی کا شعر جس کا ذکر پہلے مکتوب میں آچکا ہے۔



اب فقیر سے اس کے معنی سنئے۔ ”من“، انداختہ کا مفعول۔ ”راہ، مقرر،  
 ”بتکہ“، کا کلف توصیفی، نلوک انداز ”ادب آروز، یعنی استاد، ”مرغ اوصاف  
 نو، فاعل یعنی مجھ کو کہ عقل کل کا استاد ہوں، میرے مرغ اوصاف نے اوج بیان  
 سے گرا دیا۔ عقل کل تک کہ وہ علویوں میں اعلیٰ ہے، اس کا نلوک  
 پہنچ سکتا تھا، مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے کہ جہاں اس نلوک انداز کو  
 نلوک پہنچانے کی گنجائش نہیں۔ اوج بیان سے گرنا عاجز آ جاتا ہے۔ قدرت  
 وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ اچھا مبالغہ  
 ہے مرغ اوصاف کی ہندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز کا، باوجود  
 دعوئے قدرت :

ایثار تو پر دوختہ جسم و دھن آز

اس کے تو معنی وہی ہیں جو جہاں میں لکھے ہیں۔ مصرع ثانی کی توجہ میں  
 کمرہ ہو گیا :

احسان تو ہنگامہ ہر قطرہ یم را

یعنی احسان تو ہر قطرہ ذریہ ہنگامت ناہم بلند حساب نماید، یہ ہیچمدان اس  
 معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے مگر خیال میں جب آئے گی کہ  
 اماثلہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار و عطا میں سرورید و بالقوت و  
 ہر معدن کی کم بختی آئی ہے۔ لعل و در کا معلوم ہو جاتا اور پھر کان کا  
 خالی وہ جاتا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ حنظلہ میں نے کسی زمانے میں اسی  
 زمین میں افسیدہ لکھ کر وزیرالدولہ (۱) والی ٹونک کو بھیجا تھا، اس میں کے  
 دو سر آب کو لکھتا ہوں۔

ناموس نہ کہ دانستی از جود بکسی جز برد گیان حرم معدن یم را  
 وقت اس کہ این قوم بہ ہر کوچہ و بازار پر سند زہم منشاء رسوائی ہم را  
 ”برد گیان حرم معدن و یم“، یعنی لعل و گوہر جو کثرت ایثار سے کوچہ و  
 بازار میں خاک آلودہ بنے ہوئے ہیں، وہ ناہمد گر درد مندانه یہ گفتگو کرتے  
 ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروبیں بچائیں۔  
 ہم کو اس قدر سے حرمت اور ذلیل کیوں رکھا ہے ؟

(۱) وزیرالدولہ محمد وزیر خان (بن امیرالدولہ محمد امیر خان) والد کے انتقال پر  
 ۱۸۳۳ء میں مسند نشین ہوئے اور ۱۸۶۳ء جون ۱۸ کو وفات پائی۔



قطرہ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا بے حساب ہے۔ بقولہ عربی کا یہ ہے کہ جتنے موقی دریا میں عات آئے وہ بغلیں دے اور بغلیں کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرے میں بالقوہ استعداد موقی ہو جانے کی ہے، تو اس احتمال سے ہر قطرہ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر موقی عات آویں تو وہ سانلوں کو دے جاویں۔ پہلے مصرع میں حرص کا سیر کر دینا موافق مسلمات شعرا منہج اور اس کا وقوع میں آنا اغراق (۱)۔ دوسرے مصرع میں یہ احتمال استعداد بالقوہ قطرے کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرے کو، یہ اغراق سے گزر کر تبلیغ و غلو (۲) ہے۔

یہاں سے خطاب حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ مخدوم مکرم و مطاع معظم، قبلہ دہمہ و دل کہ جو میرے اور اپنے ملتے کو از قسم فرض حال نہیں مانتے ہیں، خدا کرے ایسا ہی ہو، جیسا وہ جانتے ہیں۔ تقصیر معاف ہو اگر دنیا میں ظہور امر، بحسب مساعدت اسباب ہے، تو اس تمنا کا حصول مانند اعادۂ تعاقب (۳) ہے۔ کوئی وجہ نہیں پاتا آپ کے یہاں تشویف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی میرے وہاں آنے کی۔ اگرچہ حیز اسکاں سے باہر نہیں مگر وقوع میں شامل ہے۔

اب جو بیانی لہی بغلیں صاحب کو خط لکھوں گا تو آپ کا سلام ضرور لکھ دوں گا۔ آپ نے احباب اہماء کی خیر و عافیت عموماً لکھی، بالتخصیص حضرت شاہ عالم صاحب کا سلام نہ لکھا، کیا وہ وہاں نہیں ہیں؟ اور اگر اور کہیں ہیں تو ان کا حال مجھ کو لکھیے اور اگر وہاں ہیں تو میرا سلام ان کو کہیے۔

(۱) اغراق، لفظی معنی غرق کرنا۔ اصطلاح میں ایسے مبالغے کو کہتے ہیں جو از روئے عقل ممکن معلوم ہو لیکن یہ اعتبار عادت محال ہو۔

(۲) از روئے لغت حد سے گزر جانا۔ اصطلاح میں مبالغے کو کہتے ہیں جو عقل و عادت دونوں کے اعتبار سے محال نظر آئے۔

(۳) یعنی جس طرح جوانی واپس نہیں آسکی اسی طرح اس تمنا کا پورا ہونا بھی ممکن نہیں۔



رباعی کے باب میں بیان مختصر یہ ہے کہ اس کا ایک وزن معین ہے۔ عرب نہیں دستور نہ تھا سوائے ہجَم۔ کے یہ بحر ہزج میں سے نکلا ہے۔ ”المفعول مفاعیل فَعُولن“ ہزج مسدس اُخرب مَبْهُوض مَقْصُور، اس وزن پر فعلن پڑھا دیا ہے، ”المفعول مفاعیل فَعُولن فعلن“، زحافات اس میں بعض کے نزدیک اٹھارہ اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں اور وہ سب جائز اور روا ہیں اور اس بحر کا نام ”بحر رباعی“ ہے۔ رباعی سچ ہے کہ سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی اور یہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں، اس راہ سے ہے کہ مصرعے چار ہیں، ورنہ رباعی نہیں ہے، نظم ہے۔ قد ما کو بیشتر اس کا التزام تھا کہ ہر مصرع میں قافیہ رکھتے تھے۔ خالقان رعایت صنعت ذوقانیین کہتا ہے۔

من بودم و آن نگار روحانی روئے افکندہ دران دو زلف چو کئی گوئے  
خلطے بدر استادہ خالقانی جوئے من درحرم وصال ”سبحانی“ گوئے  
میں پانچ سات برس سے بھرا ہو گیا ہوں۔ ایک رباعی چار قافیے کی  
اس مضمون خاص کی میں نے لکھی ہے، بے رعایت صنعت ذوقانیین :  
دارم دل شاد و دیدہ بینایے وز کبری گویشم نبود پروایے  
خوب است کہ نشنوم زہر خود رایے گلیانک ”اٹا رنگم الاعلائے“  
ظہر اس باب میں متعصب ہے، اور (۱) وزن کے دو بیت میں قافیہ والی کو  
رباعی نہ کہے گا۔

نثر عاری، نہ قافیہ نہ وزن، - نثر مسجع، قافیہ موجود، وزن مفلوہ،  
مگر اس میں ترجیع کی رعایت ضرور ہے۔

یعنی قلم سے جس کے الفاظ مائل اور ملائم ہند گر ہوں اور اگر یہ بات نہ ہوگی اور  
صرف قافیہ ہوگا تو اس کو مقبول کہیں گے، نہ مسجع۔ نثر مرجز وہ ہے کہ وزن ہو  
اور قافیہ نہ ہو۔ جب آپ لائے تہل کے گھڑے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو  
مجھ کو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں؟ زمانہ گزشتہ میں بھائی  
شیوالدین خان صاحب نیر انجلی ایک مختصر سا دیوان حضرت نظامی کا

(۱) یہاں ”اور“ یہ معنی ”کسی اور“ ہے یعنی میں بحر رباعی کے سوا  
دوسرے وزن کے چار مصرعوں کو رباعی نہ کہوں گا۔



مجھ کو دکھلانے لائے تھے۔ اوس میں نثر مرجز نہیں۔ میں اوس دن نواب مصطفیٰ خان حسرتی و شیفتہ کو خط لکھا چاہتا تھا۔ اوسی وضع پر خط لکھا اور وہ خط پنج آہنگ میں ہے۔ مگر میں نے اس طرز میں بمقتضایہ شوخی طبع یہ بات کی ہے کہ ایک جگہ جو فقرے مقلبی ہو گئے ہیں اور وہ لفظ مجھ کو پسند آئے ہیں، میں نے اون کو یوں ہی رہنے دیا ہے۔ اوس کو دستور میں تصویر نہ کیجیے گا۔ وہ رقمہ یہ ہے :

ہاں ، خواجہؒ نے پروا ، من بندہ کہ لغتاکم و زلخصہ جگر چاکم ،  
خواہم سخن گفتن ۔ آن روز کہ مے رفتند، آن نامہ فرستادند، کز دیدن  
آن خون شد، دل تا جگر از اندوہ۔ گفتیم چکنم خالب، چون کار دگرگون  
شد۔ می بایدم اینک وقت تا عذر سخن خواہم ، چون گرد و غبارے  
بود ، رفتی نتوانستم ۔ آن روز بشام آمد ، لا ہلکہ سید تر شد ۔ سمرانہ  
بیابن بر ، چون غم زدگان ختم ۔ ہے ہے چہ تواند خفت ، آن  
خستہ کہ غمخوارش ، بر زخم نمک ریزدہ وز دیدہ بیدارش ، شورا بہ روان  
باشد ۔ چون از افق شرق ، خورشید درخشندہ ناگہ سرے برزد ، آتش  
بہ جہاں درزد ، مرغ سعری برزد ۔ رقم بہ جگر کلوی، وان راز نہالی  
را، از دل بہ زبان دادم، و ز صورت تنہائی ، بے پردہ چون ہیرا زان  
نے آمد و ہمدم شد (۱) ۔ چنداںکہ دم اندر نے از سہر دمہم من، چون  
من بشو آمد ، زان نالہ کہ لب بر بود ، از باطن نے سرزد ۔ آن دم کہ  
نفس با نے ، زینگونہ کشاکش کرد ، یک کاغذ نوشتہ ، بود است  
ہستم دو۔ چون نالہ نمودے داشت ، زان شعلہ کہ دودے داشت،  
بر صفحہ نشانہ ماند۔ گفتیم مگر این صفحہ، غننامہؒ رازستے، فہرست  
نیازستے ۔ باید کہ فرو بیچم ، وانکہ بہ نشانمندی، زی خواجہؒ روان سازم ۔  
کوتاہ کنم گفتن ، آن نامہ کہ من گفتم ۔ حجاب در دالا ، بردند و روان  
کردند ۔ ہر چند در اندیشہؒ پیداست کہ خوشی باشد، یا خواجگی استغناء  
یا اینہمہ خوش نبود ، ہوش نہ بزی رفتن ۔ امروز سحرگاہاں ، روشن گہر  
آن نیر کش روح و روان دایم ، بل خوشتر ازان دایم ، دیوان نظامی راہ

(۱) یہاں ”نے“ سے مراد حرفہ ہے ۔



آورد بسے من، زینگو لہ نواھا بود، در پردہ گفتارش، کز ذوق پتجارش،  
 این زمزمہ سر کردم : والا گھر اکبر خان، خواند سلام از من (۱)  
 (۱۸۵۷ء)

### (۴)

جناب چودھری صاحب کی یاد آوری اور سہر گستری کا شکر بجا لاتا  
 ہوں۔ آپ کا خط مع قصیدہ و مثنوی پہنچا۔ مثنوی کو جداگانہ بطریق  
 پمپلٹ بھیجا ہوں اور یہ خط جداگانہ ارسال کرتا ہوں۔ اللہ اس کا  
 بھی آپ کے نام کا ہے۔

آپ کے خواب کا ماجرا اور صبح کو ادھر کا قصد اور پھر اچھے چچا  
 صاحب کے کہنے سے نظر تابستان پر اس عزم کا مثنوی رکھنا  
 معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب نے کرامت کی کہ جو آپ کو منع کیا۔  
 ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں میرے مکان تک آجائے تو  
 ممکن تھا، مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احوال ضرور  
 رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو، تو نہ ہو، اگر خبر ہو جائے تو البتہ  
 قیامت ہے۔ زہار کبھی یہ گان نہ کیجیے گا کہ دل کی عملداری  
 میراث اور آگرہ اور بلاد شریفہ کی مثل ہے یہ پنجاب احاطہ میں شامل ہے، نہ  
 قانون، نہ آئین۔ جس حاکم کی جو رائے میں آئے وہ ویسا ہی کرے  
 یہ ہر حال :

اے وائے ز محرومی دیدار و دگر هیچ

ابن شافع العنایم دو تین مہینے میں یہاں بھی صورت امن و امان کی  
 ہو جائے گی، مگر میری آرزو یہ اسبقاً اس صورت میں بھی بر نہ آنے کی۔  
 میں یہ ناکہ ہوئے ہوں کہ میری اور تمہاری ملاقات اس طرح سے ہو کہ  
 ہم تم ہوں اور حضرت صاحب عالم صاحب ہوں اور باہم حرف و حکایت  
 کریں۔ اگر زمانہ میری خواہش کے موافق قش قبول کرتا ہے تو میں  
 مارہرہ کو آتا ہوں۔ حضرت پیر و مرشد کا اشتیاق اور اسی جلسہ میں تمہارے  
 دیدار کا شوق ایسا نہیں ہے کہ مجھ کو آرام سے بیٹھا رہنے دے گا۔

(۱) کلیات نثر غالب (فارسی) طبع سوم (۱۳۰۱/۱۸۸۸ء) ص ۲۰۳۔



صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہو گئی ہے (۱)۔ اس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گہاؤ پڑے ہوں گئے، تب یہ تراوش خونابہ ظہور میں آئی ہوگی۔ مزہ یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انہی کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میری نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجھول ہے، اس واسطے انجام و آغاز، اندازہ و انداز کچھ نہیں سمجھا۔ حکم و اصلاح کو آپ بہ نظر امعان ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے بحسب دستور ہر جگہ منشاء اصلاح لکھ دیا ہے۔ شیخ صاحب (۲) سے میرا سلام کہجے گا اور کہجے گا کہ کیا کروں، دور ہوں، معذور ہوں۔ مدد نہیں کر سکتا۔ اعانت کے مراسم تقدیم کو نہیں پہنچا سکتا۔ خلا بھارا نکمیاں رہے۔ والسلام

(۳) (۱۸۵۸ء)

(۴)

بندہ پرور۔

آپ کا تلذذ نامہ (۴) محرمہ ۱۵۔ نومبر آج پنجشنبہ کے دن ۱۸۔ نومبر کو پہاں پہنچا۔ مارہرہ کا خط ذلی چوتھے دن آیا ہے، ذلی کا خط مارہرہ دیر میں کیوں پہنچتا ہے؟ لو تمہاری خوشی، اب کے بیرونک بھیجتا ہوں (۵)۔ مگر مجھ کو اطلاع دیجیے گا کہ کسی دن پہنچا۔

(۱) یہ شیخ عطا حسین عطا مارہروی کی مثنوی کا ذکر ہے، جس کا نام مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق ”شکایت سعادت“ تھا اور یہ ۱۲۷۱ھ (مطابق ۱۸۵۵ء) لکھی گئی تھی، اس میں عطا نے اپنے خلاف بعض لوگوں کی سازشوں اور چغلیوں کا ذکر کیا تھا۔

(۲) ان سے مراد شیخ عطا حسین عطا ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

(۳) نظر بقاھر یہ ۱۸۵۸ء کے موسم گرما کا خط ہے، کیونکہ اوائل فروری ”نابستان“ کے پیش نظر عزم دہلی مثنوی کو دینے کا ذکر ہے۔ بعض اصحاب نے اسے فروری ۱۸۵۹ء کا قرار دیا ہے لیکن ”نابستان“ فروری میں نہیں ہوتا۔

(۴) تنقید کے لغوی معنی ہیں، کم شدہ کو ڈھونڈنا، مجازاً پرسش مزاج مہربانی۔

(۵) گویا سرور نے خود لکھا تھا کہ خط بیرونک بھیجے۔



۱۱۔ مئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا۔ میں نے اسی دن گھر کا دروازہ بند اور آنا جانا مولف کر دیا۔ بے شغل زندگی سر نہیں ہوئی۔ اپنی سرگزشت لکھنا شروع کی۔ جو سنا گیا وہ بھی ضمیمہ سرگزشت کرتا گیا۔ مگر بطریق لزوم مالا لزوم اس کا التزام کیا ہے کہ بڑیاں فارسی قدیم، جو دیباچہ کی زبان ہے، اس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اس کے کہ وہ نہیں بدلے جائے، کوئی لغت عربی اس میں نہ آوے۔ چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہوں۔ مگر یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب عالم کی اور چونکہ وہ آپ کے بزرگ ہیں، جرات نہ کر سکا کہ آپ کی نذر کروں اور سیر میں ان کو مشترک رکھوں۔ نذر ان کی ہے اور فیض بابی آپ کے مطالعہ ہے (۱)۔

ہیبت یہ کاتب اسانڈہ کے کلام کو کیا ہکاڑ دیتے ہیں، گویا مسخ کر دیتے ہیں۔ ان سے بعید نہیں، لیکن تم سے اور حضرت صاحب سے بعید ہے سپہ کاتب کا نہ سمجھ لیا۔

من آن دریاے آشوب کہ از نائیر خاصیت (۲)

دو کافوں کا علی التواتر آنا دوسری بات ہے، ”دریاے آشوب“ کیا نکال باہر لفظ ہے۔ استعارہ بالکتابہ صحیح مگر یہ عمل نہیں ہے۔ یہاں تو دریا چاہیے بے شاہد اشعار و کتابہ۔ عیاذ باللہ عرفی اگر ایک بڑا قلع بھنگ کا یا ایک بوتل شراب کی بے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا اس غریب کا مصرع یوں ہے :

من آن دریا بر آشوب کہ از نائیر خاصیت

”دریا، موصوف ”بر آشوب“ صفت دوسرے مصرعے کا کاف صفت کی تفسیر۔

(۱) ”مستبر“ کا ذکر ہے۔

(۲) عرف کے مشہور نعتیہ قصیدے کا شعر ہے جس کا مطلع ہے :

دل من باغبان عشق و حیرانی گلستانش

ازل دروازہ باغ و ابد حد خیابانش

یہ شعر مطبوعہ قصائد کے متن کے مطابق یوں ہے :

من آن دریاے آشوب کہ از نائیر خاصیت

کہ نسکین است موج انگیز و آرام است طوفانش



اب روئے سخن حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ امیدوار ہوں کہ میرے ہم عمر مرشد (۱)، میرے ہم فن مخدوم، میری تصویر معاف کریں گے۔ اگرچہ تریسٹھ برس کی عمر میں پہرا ہو گیا ہوں، پر بینائی میں فتور نہیں، عینک سے اعانت چاہتی منظور نہیں۔ باوجود حدت بصر، بسبب نقص فہم کے دستخطی عبارت مجھ سے بڑھی نہیں جاتے (۲)۔ آگے جو دوبار میں نے جواب لکھا ہے، صرف تراش ملاحظہ رکھئے ہیں، ورنہ عبارت باسٹیفہ مجھ سے نہیں بڑھی گئی۔ آخر چودھری صاحب تو آپ کے معتقدوں میں بمنزلہ عزیزوں کے ہیں۔ جو آپ فرمایا کریں، وہ انہیں الفاظ کو لکھ دیا کریں۔ اب سب عبارت کا جواب جب لکھوں گا کہ کتاب (۳) کی رسید اور اس مطلب کا اعادہ تحریر دستخط چودھری صاحب میرے پاس آ جائے گا۔

۱۸- نومبر ۱۸۵۸ء

### (۵)

جناب چودھری صاحب،

آپ کا عنایت نامہ اس وقت پہنچا اور یہ وقت صبح کا ہے۔ دن بدھ کا، ربیع الثانی کی چوبیسویں (۱۲۷۵ھ) اور دسمبر کی پہلی (۱۸۵۸ء) کتاب (۳) کے پاسل کی رسید معلوم ہوئی۔

(۱) ”ہم عمر، اس لیے کہا کہ صاحب عالم مارہروی کی ولادت ۱۲۱۱ھ میں ہوئی اور میرزا کی ۱۲۱۲ھ میں۔ مشہور لطیفہ ہے کہ صاحب عالم نے میرزا کو لکھا : ”تاریخ“ سے میری تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ میرزا نے جواب تحریر فرمایا :

ان کی ”تاریخ“ میرا ”تاریخ“

یعنی ایک عدد (الف) بڑھانے سے میری تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔  
(۲) دیکھئے شان ادب و احترام کہ یہ نہیں لکھا آپ ایسے انداز میں لکھتے ہیں کہ تحریر کے بعض حصے بڑھے نہیں جاتے۔ لکھا کہ اگرچہ نظر خاصی تیز ہے، تاہم عبارت کا ٹھیک نہ بڑھا جانا میرے نقص فہم کا نتیجہ ہے۔

(۳) یعنی ”دستبہ“۔ (۴) دستنبو۔



حکیم عبدالرحیم خاں کوئی نامی اور نامور نہیں ہیں یہاں کے  
قاضی زادوں میں سے ایک شخص ہیں۔ طبابت کرنے لگے ہیں۔  
میرے بھی آشنا ہیں، صرف سلام علیک، زیادہ ربط نہیں ہے۔ سو ان  
کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔

آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ جو لکھیں  
وہ بتلم چودھری صاحب لکھا جائے۔ حضرت نے نہ مانا اور پھر عبارت  
بستخط خاص لکھی۔ واللہ باللہ مجھ سے نہ اور کسی سے بڑھی گئی۔  
ناچار ان کا خط پھر آپ کو بھیجنا ہوں۔ حضرت سے کچھ نہ فرمائیے گا،  
مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے مجھ کو بھیجائیے گا۔  
ضرور اور جلد۔

شفیق مکرم جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یکم دسمبر ۱۸۵۸ء

## (۶)

جناب چودھری صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں اور شکر  
احسان بجا لاتا ہوں۔ ”حاشاء“ اور ”حاشی اللہ“ کے جواب کو حوالہ ان  
سطور پر رکھتا ہوں، کہ جواب جناب حضرت صاحب کے ارشاد کے  
جواب میں لکھیوں گا۔ آپ کو اتنا لکھنا اور کافی ہے کہ اپنے عم والا قدر  
جناب چودھری غلام رسول صاحب کو فقیر کا سلام نیاز پہنچائیے اور  
جناب شیخ عطاء حسین صاحب عطا (۱) کو بھی سلام کہیے۔

اب خطاب جناب حضرت عالم صاحب کی طرف ہے۔ میر و مرشد  
قلم کا کام زبان سے لینا یعنی تحریر کے مطالب کو پڑھنا اور پڑھا دینا  
آسان ہے اور زبان کا کام قلم سے لینا دشوار ہے، یعنی جو کچھ کہا  
چاہیے اس کو کیوں کر لکھا چاہیے۔ وہ بات کہیں کہ کچھ میں نے  
عرض کیا، کچھ آپ نے فرمایا، دو چار باتوں میں جھکڑے نے انجام پایا۔  
خیر دولت ہمیشہ یہی کہاں میسر؟

(۱) شیخ عطاء حسین عطا (بن حکیم نجف علی) فارسی کی استعداد  
بہت اچھی تھی۔ میرزا غالب سے صرف اپنی مشنوی ”اشکات سعادت“  
دوست کرائی تھی۔ خوش مزاج اور بذلہ سنج تھے۔ اکبر نے صاحبزادے کی  
جوان مرگی نے کمر توڑ دی۔ ۷۔ ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ (۲۲۔ نومبر ۱۸۷۹ء)  
کو انتقال کیا۔ (تلامذہ غالب ص ۲۲۹)۔



آپ کا حکم بجا لانے کو آپ شرف جاسا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ نظامی اب ایسا ہوا کہ جب تک فرید آباد کا کھتری دیوالی سنگھ (۱) ٹم متخلص بہ قلیل ، جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے ، اس کی تصدیق نہ کرے ، آپ تک اس کا کلام قابل استناد نہ ہو؟ قلیل لسانہ سلف کے کلام سے قطعاً آسا ہی نہیں ۔ اس کے علم قاوسی کا ماضی ان لوگوں کی تقریر ہے کہ نواب سعادت علی خان (۲) کے وقت میں ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے اور ہنگامہ آرا ہوئے ۔ بیشتر سادو، کشمیری یا کاپلی و فندھاری و سکرانی ۔ احياناً کوئی عامہ اہل ایران میں سے ہو ۔ مانا کہ عظمائے ایران میں سے بھی کوئی ہوگا۔

تقریر اور ہے ، تحریر اور ہے ۔ اگر تقریر بعینہ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ وطواط (۳) سے اور شرف الدین علی یزدی (۴) اور ملا حسین واعظ کاشفی (۵) اور طاهر وحید (۶) سے ، یہ سب کثر میں کیوں خون چگر کھایا کرتے ؟ وہ سب طرح کی تفری جو لالہ دیوالی سنگھ قلیل متولی نے تقلید اہل ایران لکھی ہیں ، نہ رقم فرمایا کرتے ؟

(۱) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کے نزدیک صحیح نام "دیوالی سنگھ" ہے ، بعض لوگوں نے دیوالی سنگھ لکھا ہے ۔  
(۲) سعادت علی خان نواب وزیر اودہ (۲۱) - جنوری ۱۷۹۸ - ۱۱ - جولائی ۱۸۱۳ء -

(۳) خواجہ رشید الدین محمد معروف بہ وطواط بلفی - خوارزم شاہیوں کا درباری شاعر تھا - ستائیس سال کی عمر پا کر ۱۱۸۳ھ/۱۷۷۸ء میں فوت ہوا۔  
(۴) شرف الدین علی یزدی مصنف "ظفرنامہ" ، تیمور ، وفات ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء۔  
(۵) ملا حسین واعظ کاشفی ، انوار سہیلی ، اخلاق حسنی ، تفسیر حسینی وغیرہ کے مصنف اور مشہور واعظ و خطیب - وفات ۹۱۰ھ/۱۵۰۳ء۔  
(۶) عہد صفوی کا مشہور نثر نگار جس کی کتاب انشا کو پاک و ہند میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ نیز ترکی و قاوسی نظم و نثر کے علاوہ تاریخ شاہ عباس دوم اسی کی تصنیف ہے ، وفات ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء۔



یہ شخص مدعی ہے کہ ”کدہ“ کا لفظ سوائے بانج چار اسم کے اور اسم کے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ ہاں آرزو کدہ اور دیو کدہ اور نشتر کدہ اور امثال اس کے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے وہ نا درست ہے۔ میں اور آپ بیٹھیں اور اس کے خلافات بڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اس پر حضرت غور فرمائیں۔ تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور قاسمی دانی سے کتنا بیگناہ ہے۔

آدم پر سر مدعا۔ نثر ”مرجز“ اس کو کہتے ہیں کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو، مقابل مطلق کے کہ قافیہ ہو اور وزن نہ ہو اور یہاں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وزن میں قید منظور نہیں۔ مثلاً حضرت نظامی علیہ الرحمہ کی نثر کا وزن یہ ہے :

مفعول مفاعیل، مفعول مفاعیل۔

حضرت ظہوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

رائیش سروین گلشن فتح ، شجرش ماہی دریاے ظفر ،

یہ نثر مرجز ہے، وزن اس کا ”فاعلاتن فعاتن فعلن“۔ کاتبوں نے مقفول کرنے کے واسطے صورت بدل دی ہے اور وہ نصرف کیا ہے کہ نثر نہ مرجز رہی، نہ مقفول۔ چنانچہ اساتذہ فن : ”لن نالوالبر حنول تغلوا“۔ اس آیت سراسر ہدایت اثر کو نثر مرجز کہتے ہیں اور اس کا وزن یہ ہے ”فاعلاتن فاعلاتن فاعلن“۔ ”ویروق من حیث لا یحسب“ اس کا وزن ”فعلون فعلون فعلن“۔

بندہ کی تحقیقات یہی ہے کہ نثر تین قسم پر ہے، مقفول، قافیہ ہے اور وزن نہیں، مرجز : وزن ہے اور قافیہ نہیں، عاری : نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ہی مقفول ہے کہ دونوں قسموں میں الفاظ ملائم اور مناسب ہمدگر ہوں۔ نظم میں یہ صنعت آ پڑے تو اس کو مرصع کہتے ہیں اور نثر اس صنعت پر مشتمل ہو تو اس کو مسجع کہتے ہیں۔



اس قاعدے کو عبدالرزاق (۱) بدل سکتا ہے، نہ صاحب فلزم ہنگالہ (۲)۔  
نہ یہ قطرۃ بے سرو پا (۳)۔

”حاشاء، و“حاشائقہ“، کلام اہل عرب میں اسی طرح ہے، جس طرح آپ فرماتے ہیں، مگر پارسیوں نے ازراہ تصرف بمعنی زہار قرار دیا ہے یعنی تائید۔ اگر منفی پر آئے تو ظنی کی تائید اور مثبت پر آئے تو اثبات کی تائید۔ میں کسی کلمہ کا استعمال نہیں کرتا، جب تک اہل زبان کے کلام میں نہیں دیکھتا۔ عیشی (۴) بے چارہ اس کے لائق نہیں کہ مستند علیہ بنے، مگر یہ لفظ غلط نہیں لکھا اس غریب نے۔

حضرت قبلہ، فارسیوں کے تصرفات اگر دیکھو تو حیران رہ جائیے۔ مجھ کو اس وقت کہاں یاد ہے اور کتاب کیا نام کو کوئی ورق لپی لکھا ہوا میرے پاس نہیں۔ حاشا کا کوئی شعر سوکھ نہی اگر یاد آجائے گا تو آپ کو لکھا جائے گا :

ہرزہ مستاب و بے جاہہ شناساں بردار  
اے کہ در راہ سخن جوں تو ہزار تہد و رفت

یہ مثنوی (۵) جس میں یہ مصرع ہے :

(۱) عبدالرزاق مصنف مقدمات بہ نثر ٹھہری۔

(۲) یعنی ہفت فلزم جو مولوی قبول محمد نے غازی الدین حیدر شاہ

اودھ کے نام سے لکھی۔ لغت کی کتاب ہے۔ سات جلدوں میں طبع ہوئی۔

(۳) اپنے آپ کو قطرۃ بے سرو پا۔ غالباً فلزم ”ہفت گانہ“ کی رعایت سے کہا اور خوب کہا۔

(۴) عیشی سے مراد غالباً طالب علی خاں عیشی لکھنوی ہے، جو خواجہ سرا

الاس علی خاں کے متوسلوں میں سے تھا اور قبیل کا شاگرد تھا۔ ۱۸۶۳ء۔

۱۸۶۵ء میں اس نے اور اس کی اہلیہ نے ہضہ وائی میں صرف چار گھنٹے کے فرق سے انتقال کیا۔

(۵) میرزا کی مثنوی ”باد مخالف“۔



”حالی،، نہ کہ بد بھی گوتم۔“

کلکتہ میں میں نے لکھی ہے۔ پانچ ہزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراض بھیجے ہر کچے تھے، ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ ”ہمد عالم،“ غلط ہے، یعنی ”ہمد،“ کا لفظ ”عالم،“ کے لفظ کے ساتھ ربط نہیں ہا سکتا۔ قلیل کا حکم ہوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے :

”ہمد عالم،“ گواہ عصمت اوست

سعدی کہتا ہے :

عالمقم ”بر ہمد عالم،“ کہ ہمد ”عالم،“ ازوست

محرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مقتوی وہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدالقادر رام پوری اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے امثال اور تقاضا کے پاس پہنچی گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ ہائے تو میری کمال ادھیڑ ڈالتے۔ اب ایک نسخہ ہے ”ابطال ضرورت،“ اگرچہ صاحب اس کا ہندی ہے، بلکہ ہندو ہے مگر قابل اچھا ہے۔ دیکھئے اسانڈہ کیا کیا تصرفات نمایاں کر گئے ہیں۔ میں نے آج تک اردو میں ”انتظاری،“ بمعنی ”انتظار،“ نہ آپ لکھا ہے، نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ اسانڈہ مسلم الثبوت کے ہاں فارسی میں موجود ہے۔ حاشا ایسا نہیں کہ ان میں فارسی والوں کو ناممل ہو۔ زیادہ حد ادب۔

۱۸۵۹ء

(۷)

جناب چودھری صاحب،

آپ کو بعد ابلاغ سلام آپ کے خط کے پہنچنے سے آگہی دینا ہوں اور یہ بھی آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے چچا صاحب کے خط کا جواب اس سے آگے بھیج چکا ہوں (۱)۔ میں نہیں آسکا۔

(۱) یہ خط بھی تلف ہو گیا۔



یہاں پنسن کا مقدمہ پیش (۱) ہے۔ کبھی صاحب بہادر کمشنر بہادر کے پاس، کبھی صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے پاس جانا ہوتا ہے۔ خود نہ جاؤں تو خیال رہتا ہے کہ خدا جانے کسی وقت بلا بھیجیں یا کسی وقت کوئی پرسش آجائے۔ ہائیس سمیٹے سے وہ رزق کہ جو مفوم (۲) جسم اور مفرح (۳) روح تھا، مسدود ہے۔ کیا کھاؤں اور کیوں کر جیوں؟ شالحد کہ گنہگار نہیں ٹھہرا۔ پنسن ہاؤں کا، مگر وہ پنسن گورنمنٹ کے پولیٹیکل سرسے سے مقرر کی ہوئی ہے، سو دہلی کی اجتنی کا دفتر فرد فرد لٹ گیا۔ کوئی کاغذ باقی نہیں رہا۔ اب یہ شہر پنجاب احاطہ میں مل گیا۔ پنجاب کا نواب لفٹنٹ گورنر بہادر یہاں کا صدر ٹھہرا۔ اس دفتر میں میری ریاست کا، میری معاشی کا، میری عزت کا نام و نشان نہیں ہے۔ ایسے ایسے بیج بڑ گئے ہیں، کچھ نکل گئے ہیں، کچھ باقی رہے ہیں، یہ بھی نکل جائیں گے :

کارہا آسان شود ابا یہ صبر

یہاں سے روئے سخن صاحب عالم صاحب کی طرف ہے۔ جناب رات منب مولائی و مرشد تسلیم قبول کرتیں۔ اور اس تحریر سے، جواب میرے پاس بھیجی ہے، مجھ کو سادات اور اپنے بہت اور قسب پر نازاں تصور فرماویں۔

(۱) اس سے مراد پنسن کا وہ مقدمہ نہیں جس میں میرزا کئی سال کوشاں رہے اور کلکتہ کا سٹر بھی اسی غرض سے کیا تھا۔ مراد وہ پنسن ہے جو مئی میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے باعث بند ہوئی۔ بعد فتح دہلی انگریزوں کی کوشش یہ بھی کہ حتی الامکان تمام پنشنیں بند کر دیں یا گھٹا دیں، اس لیے مختلف اصحاب کو شرکت ہنگامہ کا مجرم ٹھہرا لیا۔ میرزا کو بھی مئی ۱۸۵۷ء میں بین سال کا جمع شدہ روپہ یکہ مشت ملا۔

(۲) مقوم : قائم رکھنے والا۔ قیام و بقائے جسم کا ذریعہ۔

(۳) فرحت بخشی۔



سب سمجھا اور سب مطالب کا جواب لکھتا ہوں ۔ پہلے اپنا ایک شعر کمال گستاخی کو کارفرما کر لکھتا ہوں اور یہ نہیں لکھتا کہ یہ شعر میں نے کیوں لکھا ہے ۔ شعر یہ ہے :

مرا بغیر ز یک جنس در شہار آورد  
فغان کہ نیست ز پروانہ فرق نا مگش

یہ ہر حال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان کا سرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں۔ جب تک قدما اور متأخرین میں مثل صائب و کلیم و امیر و حزیں کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھتا اس کو نظم اور شعر میں نہیں لکھتا۔ جن لوگوں کے محقق ہونے پر اعلیٰ ہے جمہور کو، ان کا حال کیا گزاونی کروں گا۔ ایک ان میں صاحب ”برہان قاطع“ (۱) ہے اب ان دنوں ”برہان قاطع“ دیکھ رہا ہوں اور اس کے فہم کی غلطیاں نکال رہا ہوں۔ اگر زیست باقی ہے تو ان نکات کو جمع کر کے اس نسخہ کا نام ”قاطع برہان“ رکھوں گا :

کجا بود منزل کجا نام

شعر فردوسی میں ”انگیں و شہد“ اور شعر استاد میں ”حرص و آرز“ واقعی بادی النظر میں زائد معلوم ہوتا ہے ”شیر ناب“ بہتر ہے (۲) ، لیکن

(۱) محمد حسین تبریزی تم دکنی ۔ جو قطب شاہی دربار سے وابستہ تھا۔

۱۰۶۲ء-۱۰۶۵ء میں ”برہان قاطع“ لکھی ۔

(۲) یعنی فردوسی سے منسوب مصرع :

یہ بیش انگیں زیری و شہد ناب

(۳) یعنی ”شہد ناب“ دو ہم معنی الفاظ کی تکرار مناسب نہیں ۔ ”شیر ناب“

بہتر ہے۔ اس طرح دوسرے استاد کے مصرع میں حرص و آرز کی جگہ

”خشم و آرز“ ہونا چاہیے۔ اس کے لیے دلیل اصول الاخلاق سے دی۔



”حرص و آرزو، کو کہا کیجیے گا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ وہاں یہی  
 ”خشم و آرزو ہے، ہر گز ”حرص و آرزو، نہیں ہے۔ حکما اور صوفیہ قوت  
 غضبی اور قوت شہوی کی تبدیل (۱) میں تبدیلیاں کرتے ہیں۔ قوت  
 غضبی کی اصلاح سے فضیلت نہایت اور قوت شہوی کی اصلاح سے فضیلت  
 ہفت حاصل ہے۔ اور یہ مسئلہ علم اخلاق میں بہرمن ہے۔ دویۃ  
 من حرص و آرزو (۲) کے معنی محض۔ استاد کو بدنام کیا۔ ایک اسم سے  
 دو معمول نر ائے۔ واحد حقیقی کا لفظ اس سے علاوہ۔ مرد عارف حکیم  
 نے قوت شہوی کی اصلاح کا ذکر کیا اور قوت غضبی کا مذکور  
 بھی نہ کیا۔ میں نے خود خشم و آرزو دیکھا ہے اور یہی بیا ہے۔  
 ”نہد، کی جگہ ”شیر، اور ”حرص، کی جگہ ”خشم، درست۔ میری  
 رائے آپ کی رائے کے مطابق، مگر گوگرد سرخ اور پیل سفید میں  
 ساکت ہوں۔ یہ تقریر کہ گوگرد سرخ کھلیا اور پیل سفید ناہاب  
 ہے، میرے دل نشیں نہ ہوئی۔ کبریت احمر اور کیمیا اور عقلا ان  
 سب کا ایک حکم ہے۔ نظر اس قاعدے پر لعل سفید بہتر ہے اور  
 کبریت احمر اور پیل سفید کے جوڑ ہے، جیسے امیر خسرو کی اکھیاں۔

ایک قاعدہ اور عرض کرتا ہوں ”کم، کا لفظ اہل فارسی کے  
 منطقی میں کمپوں افتادہ معنی سبب کلی بھی کرتا ہے (۳) جیسے ”کم آواز،  
 یعنی ”نہا زارندہ، نہ یہ کہ ”کم آزارندہ، ”کم ہمتا، یعنی  
 ”کم ہمتا، بلکہ ”اندک، کا لفظ بھی اس طرح آتا ہے جیسا کہ

(۱) اعتدال پر لانا، معتدل بنانا۔

(۲) یہ نہ مصرع ہے اور نہ اس کے معنی بنتے ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسین  
 قاضی نے ”در بندہ من حرص و آرزو، لکھا، معنی اور وزن کے لحاظ سے  
 اس کی کیفیت بھی وہی ہے۔

(۳) قی مطلق کے معنی دیتا ہے جیسا کہ آئندہ مثالوں سے واضح ہے



میرا خداوند نعمت نظامی رحمہ اللہ علیہ فرماتا ہے :

بس و بسنی جوں آفتابم یکے ست

فروغم فراوان فریب اندرے ست

یعنی فریب بالکل نہیں، نہ یہ کہ کچھ ہے۔ کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے۔ نظامی نے ”اہل سید“ کہا ہے۔ کسی صاحب طبع نے اس کو غلط سمجھ کر ”اہل سید“ بنا دیا ہے۔ ”انگبین“ و ”شہد ناب“ شاید مثل غم و اندوہ و سرور و فرحت ہو یا نہ ہو، شیر ناب ہی ہو، بلکہ شیر ناب بہتر ہے، لیکن حرص و آز تو کسی طرح درست نہیں۔ عارف کا دعویٰ ناقص اور لغو رہا جاتا ہے۔ اگر یہ قیاحت لازم نہ آئی تو بھی ہم حرص و آز کو مسلم نہ رکھتے، کسی واسطے کہ غلام کا شبہ بکال وضوح غم و اندوہ و عدل و داد کا نظیر نہیں ہو سکتا۔ ہاں انگبین و شہد کے جواز میں ہم مضائقہ نہ کریں گے، مگر شیر ناب کو اس سے اچھا سمجھیں گے۔ شہد سوئے کی خلوت کے واسطے اور شیر افزائش لطافت کے واسطے۔

”حاشا“ و ”حاشی قد“ کا جواب آغاز تحریر میں لکھ چکا۔ آپ کی اس نظیر لکھنے سے اس کے حواز پر میرا یقین نہ بڑھا۔ لو کشف الغطا لما ازدد بقا (۱)۔

نثر مرجز کے باب میں میر و مرشد کو اتنا مکمل کیوں ہے؟ یہ جو نثریں آپ نے لکھی ہیں، سوائے اس نثر کے کہ جس کو آگے لکھوں گا، یہ تو سب مسجع ہیں۔ یعنی جملے فقرے کا ہر لفظ وزن میں موافق ہے دوسرے فقرے کے ہر لفظ سے، نظام میں یہ صحت آئے تو نظام کو مرصع کہیں گے اور نثر میں واقع ہو تو نثر کو مسجع کہیں گے۔ جو حضرت کی اس نثر کو مرجز کہتے ہیں، وہ نثر

(۱) یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے: اگر حجاب اٹھا دئیے جائیے جب بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔



مسج کی مثال ہم کو دیں۔ ”نہار و نہار یہ نثر مرجز نہیں، مسج ہے۔“

ہاں یہ نثر مرجز ہے :

”مباحیہ مستقلاً شقیں دلی، زیدالطائف الی الاید، بعد تبلیغ بندگی و نیاز، بر صغیر و منیر روشن باد۔“

اگر وہ نثر کہ جس کو میں نے مسج کہا ہے، مرجز ہے تو اس کی بحث نثر کا کیا نام ہے؟ نہیں وہ مسج ہے اور یہ مرجز ہے۔ میں تو بہت مختصر و مفید لکھ چکا ہوں، اب نہ مائیں تو کیا کروں؟

وزن نہ ہو قافیہ ہو، وہ مقفی، وزن ہو قافیہ نہ ہو، وہ مرجز ہے۔ الفاظ و فقرتیں وزن میں برابر ہوں، وہ مسج۔ اس صنعت کو بیشتر نثر مقفی میں صرف کرتے ہیں اور چاہو قافیہ کا التزام نہ کرو۔ یہ ہر رنگ انعام لفظ نثر میں ہے۔ حضرات نے نثر مسج کو مرجز کہا ہے۔ جواب وہی ہے کہ اگر مرجز یہ ہے تو مسج کس نثر کو کہتے ہیں؟ اس سے زیادہ نہ مجھ کو علم، نہ بازارے کلام۔

قتیل لکھنوی اور غیاث الدین ملائے سکئی رام پوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ ہم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتقد سمجھے؟

بعد اتمام خط کی تحریر کے، خیال آیا کہ شاید کسی بات کا جواب وہ نہ گیا ہو۔ میں نے آپ کے خط کو دیکھا اور ایک بات دستور شکر کی عبارت میں ظہر آئی۔

”مرجز کلامیت مشور کہ وزن دارد، حج ندارد۔“

اس تعریف کو دیکھتے اور نمونہ نثر کو دیکھتے، وہ موزوں کہاں ہے جو ”وزن دارد، اس، پر صادق آئے؟ وزن یعنی تلمیح شعر مقلود



”سج ندارد، خدا جانے یہ بزرگ سج کسی کو کہتا ہے؟ سج  
 سمون ہوتا دو لفظوں کا فترتیں میں یا مصرعین میں، سو اس نثر میں  
 موجود ہے۔ موجود کو مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے اور پھر  
 کلام اس کا مقبول ہے ! اللہ، اللہ، اللہ!  
 ملا غیاث الدین لکھتا ہے :

”مرجز نثر سے بالحد کہ کلمات فقرتیں اکثر جاھا ، ہم وزن باشد، در تقابل  
 یک دیگر ، بدون رعایت سج۔“

خدا کے واسطے سج تو اسی کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتیں یا  
 مصرعین سمون ہوتا یک دیگر ہوں، سو اس نثر میں موجود ہے ۔  
 یہ ”بدون رعایت سج“ کے کیا معنی؟ مگر یہ دونوں صاحب وزن کو  
 برابر ہونا کلمات کا سمجھنے ہیں اور سج تقطیع شعر کو کہتے ہیں ۔  
 اس عقیدے کی رکاکت اظہر من الشمس ہے ۔ صاحب ”دستور شگرف“  
 کا کلام نص اور مولوی غیاث الدین کا کلام حدیث نہیں ہے ۔ آپ بھی  
 غور فرمائیے اور انصاف کیجیے ۔  
 فروری یا مارچ ۱۸۵۹ء (۱)

## (۸)

شفیٰ مکرم، مظہر لطف و کرم، جناب چودھری صاحب کی خدمت میں  
 بعد سلام یہ عرض کرنا ہوں کہ آپ کا مہربانی نامہ آیا، میرا رنج

(۱) میرزا نے اس خط میں پنشن نہ ملنے کی بدلت بائیس مہینے بتائی  
 ہے ۔ وہ ٹوئیک ۲۸ - فروری ۱۸۵۹ء کو پوری ہوئی ۔ لیکن یہ بھی ممکن  
 ہے کہ خط دوچار یا پانچ سات روز بیشتر لکھا گیا ہو اور پنشن  
 نہ ملنے کے حساب میں ماہ رواں کو بھی شمار کر لیا ہو ۔  
 جو قریب الاختتام تھا اور پنشن ملنے کی کوئی امید نہ تھی ۔ اگر یہ  
 طے کر لیا جائے کہ میرزا نے واقعی فروری کا مہینہ پورا کر  
 چکے کے بعد بائیس مہینے کا ذکر کیا تو اس خط کو مارچ  
 ۱۸۵۹ء کا سمجھ لینا چاہیے ۔



و شورش مٹایا۔ میری خدمت مقبول ہوئی، خوشی حصول ہوئی۔ میرا امداد علی شاہ کو میری دعا کہنا۔ ان کا باپ میرا بڑا یار تھا۔ میری طرف سے خاطر جمع کر دیجیے گا۔ اب سہیل اچھی نکل آئی، چودھری صاحب کے ذریعے سے جو کچھ مجھ کو بھیجنا ہوگا، بھیجواؤں گا۔

جناب چودھری صاحب آج کا میرا خط ’کلمہ‘ گدائی ہے، یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں۔ تفصیل یہ کہ عہد باقر دہلوی کے مطبع سے ایک اخبار ہر سہنے میں چار بار نکلا کرتا تھا، مسملیہ ’’دہلی اردو اخبار‘‘۔ بعض اشخاص ستین ماضیہ کے اخبار جمع کر رکھا کرتے ہیں۔ اگر اچھا آپ کے یا کسی آپ کے دوست کے ہاں جمع ہوئے چلے آئے ہوں تو اکتوبر ۱۸۵۷ء سے دوچار سہنے کے آگے (۱) کے اوراق دیکھے جائیں، جس میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کا ذکر اور میان ڈوٹی کے دو سکے ان کے نام کہہ کر نذر کرنے کا ذکر مہرج ہو۔ بے تکلف وہ اخبار چھاپے کا اصل مجسمہ میرے پاس بھیج دیجیے۔ آپ کو معلوم رہے کہ اکتوبر کی ساتویں آٹھویں تاریخ ۱۸۵۷ء میں یہ تخت پر بیٹھے ہیں اور ڈوٹی نے اس سہنے کے بعد سکے کہہ کر گزارنے ہیں۔ احتیاطاً پانچ سہنے تک کے اخبار دیکھ لیے جائیں۔ یہاں تک میری طرف سے ابرام (۲) ہے کہ اگر پتل کسی اور شہر میں کوئی آپ کا دوست جامع (۳) ہو اور آپ کو اس پر علم ہو تو وہاں سے منگوا دیجیے۔ والسلام مع الاحرام۔ ایکٹ (غالباً جون ۱۸۵۹ء) (۴)

(۱) آگے سے مراد ہے بعد کے۔ (۲) اصرار۔

(۳) جامع سے مراد ہے اخبار جمع رکھنے والا۔

(۴) ’’غالباً‘‘ اس لیے لکھا کہ ممکن ہے اس سے کچھ پہلے یا بعد لکھا ہو، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے اس سلسلے میں نواب حسین میرزا کے بھائی یوسف میرزا کے نام ایک خط میں ’’دہلی اردو اخبار‘‘ کا ذکر کیا ہے جو جون میں لکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اخبار حسین میرزا سے ۱۸ جون ۱۸۵۹ء کے خط میں طلب کیا گیا۔ چند روز بعد یوسف میرزا کے ذریعے سے حسین میرزا تک یہ ضرورت پہنچائی گئی۔



شفیق میرے ، عنایت فرما میرے ،

نمہاری سہیلی کا شکر بجا لاتا ہوں ۔ نہایت سعی یہ ہوئی کہ  
اب کی طرف سے ظہور میں آئی ۔ میں نے مستقیم مطبع ”تاجم جہاں نما“  
کو لکھ بھیجا ہے اور ترک سعی کیا ہے ۔ آپ بھی فکر نہ کیجیے ۔  
اگر کہیں سے آپ کے پاس آجائے تو مجھ کو ابھیج دیجیے ۔ میرے  
پاس آنے کا تو میں تم کو اطلاع دے دوں گا ۔

عنایت الہی کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا؟ اس کی درستی زائد ۔ میں  
خدمت گزاری کو حاضر ہوں ، وہ جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں ۔ میرا  
سلام اور یہ پیام کہہ دیجیے گا ۔

صاحب ، تم نے ہمارے بیرو مرشد کو ہم پر خفا کر دیا ہے ۔۔  
بھلا وہ خط نہ لکھیں ، نہ لکھیں ، کہیں تم کو فرما دیں کہ غالب  
کو میری دعا لکھ بھیجنا ۔ یہ ہر حال میرا سلام نیاز عرض کیجیے ۔  
اور ان کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت لکھیے اور یہ لکھیں کہ  
اگر خدا بخواستہ وہ مجھ سے فاضل ہیں تو ناخوشی کی وجہ کیا ہے ؟  
اپنے چچا صاحب کی خدمت میں سلام پہنچائیے گا اور مولانا عطا کو  
سلام شوق کہیے گا ۔

۱۸۵۹ء

میرے شفیق کو میرا سلام پہنچے ۔ دونوں شخص بعد اصلاح پہنچتے ہیں  
منشأً اصلاح مسجد لیجئے ؛ ”سید عالی ندیم سرور والا مدنی“ ، یہ  
الفتح کلام اور ابتدائے خطاب کے درخور نہ تھا ۔ مصرعہ ”ثالث اس کی  
چنگہ رکھ دیا گیا ۔ دوسرے بند کی تخلص دو طرح ہو ہے ۔ دونوں سے عرب  
ہیں اور مزید لطف کسی میں نہیں ۔ جن مصرعوں کو چاہو رہنے دو ۔  
”گزشت از افلاک“ و ”ز افلاک گزشت“ ، ایک فارسی رہا اور



دوسرا ہندی ۔ حضرت نے دونوں فارسی لکھے تھے ۔ ندامت فعل پر مترادف ہوا کرتی ہے ، ترجمہ اس کا بڑھائی ۔ حضرت یوسف کو ندامت کیوں ہوا؟ مگر خجالت ، اس کا ترجمہ ہے شرمندگی ۔ آپ غور کیجیے کہ ندامت اور خجالت میں کتنا فرق ہے ۔ جہاں آپ نے عرفی راز ندامت لکھا ، وہ محل خجالت کا تھا ۔ آپ نے ندامت کیوں لکھا ؟ یہ ہر حال وہ مصرع نو بدل گیا لیکن اطلاع ضرور تھی ۔

”طرح“، بفتح اول و سکون ثانی بمعنی فروب ہے اور تصویر کے خاکے کو بھی کہتے ہیں اور بمعنی آسائش دنیا بھی مجاز ہے ۔ مرادف طرز و روش بھی ہے ، بفتحین ۔ اس کا تفرقہ منظور رہا کرے ۔ نسیم تخلص لہذا ہے ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نسیم مؤنث ہے ، جواب اس کا یہ ہے ، کہ حیرت اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ مؤنث ہیں ۔ بالائیمہ اگر بدلہ چاہئے تو اس کا ہم وزن سلام و سلم اور خیال بھی ہے ۔ اس میں سے جو پسند آئے (۱)۔

آپ کے عم عالی مدار اور آپ کے بزرگ آموزگار کو میرا سلام پہنچے ۔

یہاں سے روئے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم کی طرف ہے ۔ پیر و مرشد کی خدمت میں سلام اور مرشد زادوں کی جناب میں دعاے طول عمر و دعاے دولت پہنچا کر یہ عرض کرتا ہوں کہ واقعی حضرت شاہ عالم کا عنایت نامہ آیا تھا اور میں اس کا جواب بھیج چکا ہوں ۔ عجب ہے کہ حضرت کی تحریر میں جہاں ان کے خط کا ذکر تھا ، وہاں میرے خط کا مذکور نہ تھا اور ان سطور کی تحریر کے بعد اپنے خط کا پہنچنا گمان نہیں کر سکتا ۔ میں اس میں ان کو یہاں کا حال لکھ چکا ہوں ۔

(۱) معلوم ہوتا ہے اس وقت تک چودھری عبدالغفور نے مستقل تخلص تحریر نہیں کیا تھا ۔ پہلے نسیم سوچا ، پھر اس خیال سے متامل ہو گئے کہ نسیم وضع کے اعتبار سے مؤنث ہے ، لیکن آگے چل کر سرور تخلص اختیار کر لیا ۔



”ہنچ آہنگ“ آپ نے لے لی، دیوان فارسی آپ کے پاس ہے، مگر یوں سمجھیے کہ یہ دونوں نا تمام ہیں اور آپ کہیں سے اس کا اتمام ممکن نہیں خبر جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ ”دستنبو“ میں نے نذر کی ہے۔ ”سہر نسیم روزہ“ معلوم نہیں آپ کے پاس ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شعر کو مجھ سے اور مجھ کو شعر سے ہرگز نسبت باقی نہیں رہی۔ اس لئے ولساد (۱) کے بعد ایک قصیدہ جو ”دستنبو“ میں ہے (۲) اور ایک قصیدہ نواب لفظت گورنر بہادر عرب و خیال کی مدح (۳) میں اور ایک قصیدہ نواب لفظت گورنر بہادر پنجاب کی مدح میں (۴) اور دوبیت کا ایک قطعہ اور ایک رباعی، اس نظم کے سوا اگر کچھ لکھا ہو تو مجھ سے قسم لیجیے۔ قطعہ :

(۱) ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ۔

(۲) یعنی وکٹوریا کی مدح میں :

در روزگار ہا ترا نہ خیار یافت

خود روزگار آنچه دریں روزگار یافت

(۳) اس سے مراد کلیات فارسی کا قصیدہ : ۴۴ ہے جو چارج ایڈمنسٹری کی مدح میں لکھا مطلع یہ ہے :

باز ایغام بہار آورد بار

مژدہ بر روزگار آورد بار

ایڈمنسٹری نے ۱۹۔ جنوری ۱۸۵۹ء کو لفظت گورنری کا چارج لیا اور

۲۷۔ فروری ۱۸۶۳ء کو یہ عہدہ چھوڑا۔ قصیدہ غالباً مارچ یا اپریل

۱۸۵۹ء میں مطبوع کو بھیجا گیا تھا۔

(۴) یعنی کلیات فارسی کا قصیدہ : ۵۰ جو مشکمیری کی مدح میں ہے۔ اس کا مطلع ہے :

خامہ دانی زچہ سر بر خط مسطر دارد؟

سر مداحی لفظت گورنر دارد



بہ آدم زن، بشیطان طوق لعنت سپردند از وہ تکریم و تذلیل  
ولیکن در اسیری طوق آدم گرائی تر آمد از طوق عزازیل (۱)  
رباعی،

دنیا هیچ است و نادانی و غم هیچ است  
ہنگامہٴ سور و بزمِ ماکمِ هیچ است  
رو دل بہ یکجے دہ کہہ دو عالمِ هیچ است  
اس نیز فرو گزار، کاشی ہمِ هیچ است

اس واسانگی کے دنوں میں چھانے کی ”برہان قاطع“ میرے پاس نہیں،  
اس کو میں دیکھا کرتا تھا۔ ہزارہا لغت غلط، ہزارہا بیان لغو،  
عبارت بوج، اشارات پادر ہوا۔ میں نے سو دو سو لغت کے اضلاع لکھ کر  
ایک مجسوعہ بنایا ہے۔ اور ”قاطع برہان“ اس کا نام رکھا ہے۔  
چھپوانے کا مقصور نہ لیا، مسودہ کاتب ہے۔ صاف کروا لیا ہے۔ اگر کہو  
تو یہ سبیل مستعار بھیج دوں۔ تم اور چودھری صاحب (ج) اور جو اور  
معین شناس اور منصف ہوں، وہ اس کو دیکھیں اور پور میری کتاب  
میرے پاس پہنچ جائے۔

۱۸۵۹ء

## (۱۱)

جناب عالی ”چہا چہا“ ترجمہ ہندی ہے۔ ایک بار ”چہا“ کفایت  
کرتا ہے۔ ”انواع انواع“ ہادی آپ کی بول چال میں ہے، لیکن خبر میں

(۱) ظاہر ہے یہ قطعہ اس زمانے کا ہے، جب میرزا کے لیے آئینی کے  
تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ زیور یا دوسری قیمتی چیزیں لٹ چکی  
تھیں، گھر کی معمولی چیزیں خصوصاً کپڑے بیچ بیچ کر خرچ چلا  
رہے تھے اور عیال داری کے واجبات ادا کرنا ان کے لیے مسلسل  
پریشانیوں کا باعث بن گیا تھا۔ بعض اوقات ایسے لمبائیوں کے ذریعے  
سے غم و اندوہ کا تاریک دور گزار لینا نسبتاً سہل ہو جاتا ہے۔

(۲) چودھری صاحب سے مراد سرور کے عم محرم، چودھری غلام رسول ہیں۔



دوست نہیں۔ ”چمن پر فضاء“ کو ”چمن پر لڑاء“ زائے ہوزے کیوں لکھا؟ خطاب واحد غیب قلم ”الین“ ہے نہ ”اش“، ہاں اگر آخر لفظ مبنی ہائے انتہائی حرکت پر ہو، مثل غمزہ و چشمہ و خانہ و دانہ تو اس کو یوں لکھتے ہیں: ”چشمہ اش“، ”غمزہ اش“، ”خانہ اش“، ”دانہ اش“، اور باقی اور سب کا حرف آخر شین سے مل جاتا ہے۔ خطاب واحد حاضر، خطاب واحد غائب، خطاب متکلم، نہ ض، م ہے۔ الف کو یہاں کیا دخل؟ اور وہ جو دکھنی بومرہ یعنی جامع ”برہان قاطع“، اش، ام لکھتا ہے، غلط کرتا ہے۔ جہاں تم نے بعد اپنے نام کے یہ اشعار لکھتے ہیں:

برہان تر ز خویشم دانستائے است (۱)

وہاں ربط کلام جانا رہا تھا۔ ایک جملہ قاضی کر دیا ہے۔ یعنی بدیں اشعار زمزمہ سراسر یہ خبر اس کلمہ توصیفی کی ہے اور آگے جو تر ہے اس کا قائل وہی مصنف ہے۔

یہ و مرشد، صاحب عالم صاحب کی خدمت عالی میں میرا سلام مسنون عرض کیجئے گا اور یہ عرض کیجئے گا کہ آپ کے منشور عطاوت کا جواب یہ افراد آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔

(۱۲)

میرے شفیق دل کو میرا سلام پہنچے۔ کل اشیا کا بارسل پہنچا اور آج خط اشیا کا نام بہارستان اور اب آپ کا تخلص سرور ”بہارستان“، مضاف اور سرور مضاف الیہ ”بہارستان سرور“ اچھا نام ہے۔ قطعہ کا وعدہ نہیں کرنا، کس واسطے کہ اگر بے وعدہ پہنچ جائے گا تو لطف زیادہ دے گا اور نہ پہنچے گا تو بھل شکایت نہ ہوگا۔

(۱) مولانا مرتضیٰ حسین قاضی نے مصرع یوں لکھا ہے:

برہان تر ز خویشم دانستائے است



رج فتنہ و فساد اور ہلاکت میں مسلمہ یہاں کوئی طرح آمایش کی نہیں ہے۔  
 اہل دہلی عموماً برے ٹھہر گئے۔ یہ داغ ان کی جیبیں حال سے مٹ  
 نہیں سکتا۔ میں اموات میں ہوں ، مردہ شعر کیا کہئے گا ؟ غزل کا  
 ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں ، جو غزل کی روش ضمیر میں  
 آوے ؟ رہا قصیدہ ، مملوح کون ہے ؟ ہائے انوری گویا میری زبان سے  
 کہتا ہے :

اے دریا نیست مملوح سزاوار مدح  
 اے دریا نیست مملوح سزاوار غزل

گورنمنٹ کے دربار میں عہتہ سے میری طرف سے قصیدہ نذر کرتا ہے،  
 اشرقیات نہیں، اور خلعت ، ریاست دودمانی کا سات بازہ اور نین وٹم  
 جیفہ و سر بیچ و مالائے مرورید ، مجھ کو ملا کرتا ہے۔ اب نواب  
 گورنر جنرل بہادر یہاں آتے ہیں۔ دربار میں بلائے جانے کی توقع نہیں،  
 پھر کس دل سے قصیدہ لکھوں؟ صاحب شعر اعضا و جوارح کا کام نہیں،  
 دل چاہئے ، دماغ چاہئے ، ذوق چاہئے ، لبتگ چاہئے۔ یہ سامان کہاں  
 سے لاؤں جو شعر کہوں؟ چونسٹ برس کی عمر ، ولولہ شباب کہاں ؟  
 رعایت فن، اس کے اصیاب کہاں؟ انا لله والہ الیہ راجعون۔

(۱۴)

میرے شفیق دلی چودھری عبدالغفور صاحب کو خدا سلامت رکھے۔  
 دیکھو میرے حواس کا اب یہ عالم ہے کہ تمہارے نام کی جگہ تمہارے  
 چچا صاحب کا نام لکھتا تھا۔ اسی طرح سابی کے خط میں سرنامے پر  
 یہ لکھ گیا ہوں گا :

بہار ہیشہ جوانے کہ غالبش نامند  
 کنوں یہ ہیں کہ چہ خوں سے جیکہ زہر نقشب



جو خط آپ کے خطوط کے جواب میں آئے، ان کے بیچنے کی کیا حاجت تھی؟ (۱) آپ کی سعی اور اپنی ناکامی پہلے سے میرے دلتین اور خاطر نشان ہے، جیسا کہ کوئی استاد کہتا ہے :

تہی دستان قسمت را چہ سود از دھیر کامل

کہ خضر از آب حوال تشنہ می آرد سکندر را

وہ اخبار نہ کہیں سے عاتق آیا اور نہ آئے گا۔ میں اپنے خدا سے امیدوار ہوں کہ میرا کام بغیر اس کے نکل جائے گا۔

بندہ پرور، میرا کلام، کیا نظم، کیا شعر، کیا اردو، کیا فارسی، کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ مسودات مجھ سے لئے کر جمع کر لیا کرتے تھے، سو ان کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئے، جس میں ہزاروں روپے کے کتاب خانے بھی گئے۔ اس میں وہ مجموعہ ہائے پریشان بھی غارت ہوئے۔ میں خود اس مشنوی کے واسطے خون در جگر ہوں۔ ہائے کیا چیز تھی۔ ہاوسل میں خطوط بیچنے محل اندیشہ ہے، خدا نے بجایا۔ چونکہ اب وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا، از راہ احتیاط ہاوسل میں سے نکال لیے۔

(۱۸۵۹ء)

(۱۳)

جناب عالی،

آپ کا تعلق نامہ مرقومہ یازدہم شعبان مطابق پنجم مارچ (۲) بقید روز دوشنبہ پہنچا۔ پہلے تو ان تاریخوں کے حساب سے مطابق میں میں

(۱) سرور نے ”دھل اردو اخبار“ کی طلب میں جا بیٹا دوستوں اور شناساؤں کو خط لکھے تھے، ان کے جو جوابات آئے وہ اپنی انتہائی سعی کے ثبوت میں میرزا کے پاس بھیج دیے تھے۔ فرماتے ہیں : ان کے بیچنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) ۱۱۔ شعبان ۱۲۷۹ھ مطابق ۲۵۔ مارچ ۱۸۹۰ء۔



الغیا۔ پھر خط کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا۔ ڈاک کیا ہے، خاک ہے۔ خبر ادھر پڑھا اودھر جواب لکھا۔ خدا کرے یہ میرا خط جلد پہنچے، ورنہ آپ کو خیال ہوگا کہ غالب نے ہمارے خط کا جواب نہ لکھا۔

حقیقت میری بھلا یہ ہے کہ راہ و رسم مراسلت حکام عالی مقام سے بدستور جاری ہو گئی ہے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخہ ”فستیوہ“ بسبیل ڈاک بھیجا تھا۔ ان کا خط فارسی شعر نصیب عبارت و قبول صدق ادا و موافق بسبیل ڈاک آ گیا۔ پھر قصیدہ بہاریہ تہیت و منحت میں بھیجا، اس کی رسید آ گئی۔ وہی ”خان صاحب بیمار مہربان دستان“، القاب اور کاغذ انشائی۔ ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ مشکمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں توسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ توسط کمشنر بہادر بھو کو آ گیا۔ پتہ انہی نک محو کونجی ملی۔ جب ملے گی حضرت کو اطلاع دی جائے گی۔

پرو مرشد عالم ہیں اور میں جاہل ہوں۔ ان کے تسلیم نہ کرنے کو میں نے تسلیم کیا اور پھر تسلیم بجا لایا۔

اے حضرت، جناب مخدوم سکرم چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں انہی الفاظ میں رسم مبارکیاد ادا کی گئی تھی، نہ عبارت آرائی، نہ طبع آزمائی۔ کچھ عجیب نہیں کہ وہ خط بھی مٹی اور جون میں آپ کو پہنچ جائے آپ کا بھی تو مارچ کا خط مجھ کو آپ آخر اپریل میں پہنچا ہے۔

جناب شیخ صاحب (۱) کیوں مجھ کو معجوب کرتے ہیں؟ اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کر سکتا کہ الاداء مشترک ہے۔ قصیدہ و مثنوی بھیج دیجیے، لطف اٹھاؤں گا اور جو کچھ میرے خیال میں آئے گا،

(۱) بظاہر شیخ عطا حسین عطا مراد ہیں، جن کی مثنوی ”شکارت سعادت“، سرزا چلے دیکھ چکے تھے۔ آپ وہ ایک قصیدہ اور غالباً دوسری مثنوی بھیجنا چاہتے تھے۔



مے تکلف عرض کروں گا۔ میرا سلام کہئے اور مثنوی اور قصیدہ ان سے لے کر جلد بھیج دیجیے۔

اپنے عم عالی مقدار کی خدمت میں میرا سلام پہنچائیے اور کہئے کہ حضرت خلامہ مکتوب سابق یہ ہے : الفاظ یہی تھے، شاید کچھ تغیر بالمرادف (۱) ہو، تو ہو۔ ”یہ شادی بصد ہزار مسرت آپ کو مبارک ہو اور ان کی اولاد دیکھنی اور اس طرح ان کی شادی کرنی نصیب ہو۔“

فیض علی خاں صاحب کو میرا سلام پہنچئے۔ میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق اور آپ کا مداح رہوں گا۔ خط کا نفاذ اس خط میں ملوث کر کے بھیجتا ہوں۔ یہ آج پہنچا اور آج ہی میں نے اس کا جواب لکھا۔ کاتب وہی ہے، جو نفاذ ملوثہ کا مکتوب الیہ ہے۔

(اپریل ۱۸۹۰ء)

### (۱۵)

میرے مشفق،

آپ کا خط آیا اور اس کے آنے نے تمہاری رہنمائی کا وسوسہ میرے دل سے مٹایا۔ ایک قاعدہ آپ کو بتانا ہوں اگر اس کو منظور کیجیے تو خطوط کے نہ پہنچنے کا احوال اٹھ جائے گا اور رجسٹری کا درد سر جانا رہے گا۔ آدم آٹھ نہ سہی ایک آٹھ سہی۔ آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ یہ خطوط تلف بھی ہوئے ہیں۔ اس قاعدے کا جیسا کہ میں واضح (۲) ہوا ہوں، بادی (۳) بھی ہوا

(۱) مطلب یہ کہ یہی الفاظ تھے یا ممکن کہیں کو دوسرا ہم معنی لفظ لکھا گیا ہو۔ یہ ہر حال شادی پر مبارک باد کا خط تھا، جو مکتوب الیہ کو نہ ملا۔ (۲) واضح : وضع کرنے والا۔

(۳) بادی : ابتدا کرنے والا۔



اور یہ خط بیرنگ بھیجا (۱)۔

پس جاری ہو گیا، تین برس کا بیڑا ہوا روپیہ مل گیا۔ بعد ازاں قرض ستاسی روپے گہوارے آئے تھے۔ اب ماہ بڑا روپیہ ملتا ہے، مگر یہی تین مہینے ستمبر، اکتوبر، نومبر ملیں گے۔ دسمبر ۱۸۹۰ء سے تنخواہ شش ماہی ہو جائے گی۔ اس سے بڑھ کر وہ بات ہے کہ چار روپے سیکڑا سالانہ عموماً وضع ہوا کرے گا۔ اس حساب سے میرے حصے میں ڈھائی روپیہ سہ ماہی آئے گا۔ باقی روپے آٹھ آنے کے ساتھ رہیں گے (۲)۔ کچھ رام پور سے ماہ بڑا آتا ہے۔ یہ دونوں آمدنیوں مل کر خوش و ناموش گزارا ہو جاتا ہے۔

یہاں شہر ڈھ رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار : خاص بازار اور اردو بازار اور خاتم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا۔ اب پتا بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان اسکنہ و دکاکین (۳) نہیں پتا سکے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی۔ برسات پھر مینہ نہیں برسا، اب تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکان گر گئے۔

غلہ گراں ہے، موات اوزاں ہے۔ میوے کے مول اناج بکتا ہے۔ ماش کی ڈال آٹھ سیر، ہاجرہ سولہ سیر، گھیوں تیرہ سیر، چنے سولہ سیر، گھی ڈیڑھ سیر،

(۱) لیکن اس سے پیشتر سرور بھی تجویز پیش کر کے بیرنگ خط بھیج چکے تھے۔ ملاحظہ ہو ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء کا خط، جس میں فرماتے ہیں : لو ”تمہاری خوشی اب کے بیرنگ بھیجتا ہوں“۔

(۲) حساب یوں ہوا کہ میرزا کو ساڑھے سات سو روپے سالانہ ملتے تھے، چار روپے سیکڑا کے حساب سے تیس روپے سالانہ وضع ہونے لگے یعنی ہر مہینے اڑھائی روپے ساڑھے باقی روپے ماہانہ کے ساتھ رہ گئے۔

(۳) یعنی مکانوں اور دکانوں کے مالک۔



ترکاری مہنگی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کنوار (۱) کا مہینہ جسے جاڑے کا دوار (۲) کہتے ہیں، ہانی گرم، دھوپ تیز، لو چلتی ہے، جیسا ساڑھ کی سی گرمی پڑتی ہے۔

حضرت رفعت درجت جناب صاحب عالم کی خدمت میں دوستانہ سلام اور مریدانہ بندگی یہ الکسار تمام عرض کرتا ہوں۔ حضرت کو کسی راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے؟ میں نے مرشد زائفے کے خط میں کب اپنا عزم لکھا؟ کس نے آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں؟ ہاں آپ کی لمبوسی کی تمنا اور انور الفولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لے جاؤں گا۔ منخواہ کے اجرا کا حال اور مستقبل میں اس کے وصول کی صورت ان سطروں سے جو آغاز مکتوب میں، چودھری عبدالغفور صاحب کی خدمت میں، لکھی گئی ہیں، مع روداد شہر معلوم کر لیجئے گا۔

لالہ گویند پرہاد صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے۔ میں دلہا دار نہیں، فقیر خاکسار ہوں۔ نواضع میری خو ہے۔ انجام مقاصد خلق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔ ان شاء اللہ العزیز وہ فقیر سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔

جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام نیاز یہ گزارش ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام و پیام اب کی بار بھی نہیں پہنچا۔ اب ان سطروں کو اپنا ذریعہٴ انتخاب سمجھا اور نوید مقدم مبارک سے بہت خوش ہوا۔ یہ خانہ کوچی اور گریز باقی اور بے اطمینانی کا آپ کو مجھ پر گہاں ہے اور اس کا رنج ہے۔ یہ کسی نے

(۱) کنوار یا گوار جسے سورج بھی کہتے ہیں، عموماً وسط ستمبر سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) یعنی موسم سرما کا دروازہ۔



خلاف واقع آپ سے کہا - میں مع زن و فرزند ہر وقت اسی شہر میں قلم خون کا شناور رہا ہوں - دروازے سے باہر قدم نہیں رکھا۔ نہ پکڑا گیا، نہ نکالا گیا۔ نہ قید ہوا، نہ مارا گیا۔ کیا عرض کروں کہ میرے خدائے مجھ پر کیسی عنایت کی اور کیا نفس مطمئنہ بخشا۔ جان و مال و آبرو میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا۔ تنخواہ جس کو حضرت نے یومیہ لقب دیا ہے، اس کا حال اوپر کی تحریر سے دریافت ہوگا۔ فقیر کو اپنا دوست اور معتقد اور مشتاق تصور فرماتے رہے گا۔ مرشدزادہ مرنضوی دودمان، سید شاہ عالم کو سلام و دعا۔ ڈپٹی صاحب سے مجھ سے ملاقات کثرت سے نہیں ہے۔ ان کو کثرت اشغال سے فرصت نہیں۔ مجھ کو اقراط ضعف سے طاقت نہیں۔ اگر حسب اتفاق کہیں ملاقات ہو گئی تو آپ کا سلام کہہ دوں گا۔ آپ اپنے اخوان عالی شان کو میرا سلام پہنچا دیجیے گا :

”ہندہ شاہ شائیم و لنا خوان شاہ“

(ستمبر ۱۸۹۰ء)

### (۱۶)

میرے مشفق، چودھری عبدالغفور صاحب اپنے خط اور قصیدہ بھیجنے کا مجھ کو شکر گزار اور قصیدہ سابق کی اب تک اصلاح نہ ہانے سے شرمسار تصور فرمائیں اور ان دونوں قصیدوں کے باہم پہنچنے کا انتظار کریں۔

نوید وصل ویم سے دھند ستارہ شناس  
تکرہ زلف نگاہی مگر در اظہر من

تفتی کہ اب روئے سخن جناب فیض نصاب، جامع مدارج جمع الجمع، بزم وحدت کے فروزندہ شمع، مستغرق مشاہدہ شاہد ذات، حضرت صاحب عالم صاحب فلسفی صفات کی طرف ہے اور یہ شعر انتاج کلام ہے (۱)۔

(۱) جو شعر اوپر نقل ہوا۔



پہلے کچھ باتیں کہ بادی النظر میں خارج از مبحث معلوم ہوں گی، لکھی جاتی ہیں۔ میں پانچ برس کا تھا کہ میرا باپ مرا، نو برس کا تھا کہ چچا مرا۔ اس کی جاگیر کے عوض میری اور میرے شرکا حنبلی کے واسطے، شامل جاگیر نواب احمد بخش خان، دس ہزار روپے سال مقرر ہوئے۔ انہوں نے نہ دے مگر تین ہزار روپے سال۔ اس میں سے خاص میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپے سال۔ میں نے سرکار انگریزی میں یہ عین ظاہر کیا۔ کولبرک (۱) صاحب بہادر ریزیڈنٹ دہلی اور اسٹرنلنگ (۲) صاحب بہادر سکوتر گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر۔ ریزیڈنٹ معزول ہو گئے، سکوتر گورنمنٹ برک ناگہ مر گئے۔

بعد ایک زمانے کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپے مہینہ مقرر کیا، اولیٰ کے ولیم (۳) نے چار سو روپے سال۔ ولیم اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے یہ صلہ مدح گستری پانسو روپے سال مقرر ہوئے، وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیے، یعنی اگرچہ اب تک جیتے ہیں، مگر سلطنت جاتی رہی اور نوابی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی۔ دلی کی سلطنت کچھ سخت جان نہیں، سات برس مجھ کو روٹی دے کر بگڑی۔ اسیے طالع میری کنش اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ اب جو والی دکن کی طرف رجوع کروں، یاد رہے کہ متوسط یا

---

(۱) کول بروک ۱۸۲۷ء سے ۱۸۲۹ء تک دہلی میں ریزیڈنٹ رہا پھر لحاظاً رشوت ستانی کے الزام میں اسے الگ کر دیا گیا۔

(۲) اینڈریو اسٹرنلنگ ۱۸۱۳ء میں ہندوستان آیا۔ حکومت ہند میں معزز عہدوں پر فائز رہا۔ ۱۸۳۰ء میں فوت ہو گیا۔ صرف پینتیس چھتیس برس کی عمر تھی۔ میرزا کے کلیات فارسی میں ایک تصنیف اسٹرنلنگ کی مدح میں ہے جو میرزا نے خود اسے کلکتہ میں سنایا تھا۔ اور ایک قطعہ اس کی وفات پر لکھا تھا۔

(۳) شہزادہ غلام فقیر الدین عرف میرزا فقرو مخاطب بہ فتح الملک۔ بہادر شاہ کا دوسرا ولی عہد، ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء کو اس کا انتقال ہوا۔



مر جائے گا یا معزول ہو جائے گا اور اگر یہ دونوں اس واقع نہ ہونے  
 تو کوشش اس کی ضائع جائے گی اور والی شہر مجھ کو کچھ نہ دے گا اور  
 احياناً اس نے سلوک کیا تو ریاست خاک میں مل جائے گی اور  
 ملک میں گدھے کے ہل بھر جائیں گے (۱)۔ اے خداوند بندہ پرور، یہ  
 سب باتیں واقعی اور واقعی ہیں۔

اگر ان سے قطع نظر کر کے نصیبے کا قصد کروں، قصد ہو کر  
 سکتا ہوں، تمام کون کرے گا؟ سوائے ایک ملکہ کے کہ وہ بچاس  
 بچیں برس کی منی کا نتیجہ ہے، کوئی قوت باقی نہیں رہی۔ کبھی جو  
 سائیں کی اپنی نظم و اثر دیکھتا ہوں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تحریر  
 میری ہے، مگر حیران رہتا ہوں کہ یہ اثر میں نے کیوں کر لکھی  
 تھی اور یہ شعر کیوں کر کہے تھے؟ عید القادر پیدل کا یہ مصرع  
 گویا میری زبان سے ہے :

عالم عبد افسانہ " ما دارد وما هیچ

پایان عمر ہے۔ دل و دماغ جواب دے چکے ہیں۔ سو روئے رام ہو کر،  
 ساٹھ روئے ہنس کے وہی کھانے کو پت ہیں۔ گرانی اور ارزانی  
 امور عامہ میں سے ہے۔ دیا کے کام خوش و ناخوش چلے جاتے ہیں۔ قافلے  
 کے قافلے آمادہ رحیل ہیں۔

دیکھو منی نہیں بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے، ماہ گزشتہ میں  
 گزر (۲) گئے۔ مجھ میں نصیبے کے لکھنے کی قوت کہاں؟ اگر آزادہ کروں  
 تو فرصت کہاں؟ نصیبہ لکھوں، آپ کے پاس بھیجوں، آپ دکن کو بھیجیں۔  
 متوسط کب بیش کرنے کا موقع پائے؟ بیش کیسے ہو کیا بیش آئے؟

(۱) یعنی ملک اس درجہ ویران ہو جائے گا کہ وہاں گدھے چرنے  
 پھریں گے۔ مطلب یہ کہ ویرانی اتنا کو پہنچ جائے گی۔

(۲) منی نہیں بخش حقیر کی تاریخ وفات اکتوبر ۱۸۶۰ء ہے (ربیع الاول  
 ۱۲۷۵ھ) گویا خط نومبر ۱۸۶۰ء کا ہے۔



ان مراحل کے طے ہونے تک میں کیوں کر جیوں گا؟ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ لا الہ الا اللہ ولا معبود الا اللہ ولا موجود الا اللہ، کان اللہ و لم یکن شئی واللہ الا ان کما کان۔

(نومبر ۱۸۹۰ء)

## (۱۷)

جناب چودھری صاحب کو سلام پہنچے۔ آپ نے اپنے مزاج کی ناسازی کا کچھ حال نہ لکھا۔ اگر میر و مرشد بھی نہ لکھتے تو میں کیوں کر اطلاع پاتا اور اگر اطلاع نہ پاتا تو حصول صحت کی دعا کیوں کر مانگتا؟ کل سے وقت خاص میں دعا مانگ رہا ہوں۔ یقین ہے کہ پہلے تم نندوست ہو جاؤ گے، زان بعد یہ خط پاؤ گے۔

اکثر صاحب اطراف و جواب ہے ”ماہ نیم ماہ“ بیچنے کا حکم بیچتے ہیں اور میں جی میں کہتا ہوں کہ جب ”سپر نیروز“ کی عیادت کو نہیں سمجھتے تو ”ماہ نیم ماہ“ کو لے کر کیا کریں گے۔ صاحب! ”سپر نیروز“ کے دیباچے میں میں نے لکھ دیا ہے کہ اس کتاب کا نام ”ہر تہستان“ ہے اور اس کی دو جلد ہیں۔ پہلی جلد میں ابدائے خلق عالم سے ہابیوں کی سلطنت تک کا ذکر، دوسرے حصے میں اکبر سے بہادر شاہ تک کی سلطنت کا بیان۔ پہلے حصے کا نام ”سپر نیروز“ دوسرے حصے کا اسم ”ماہ نیم ماہ“۔ باوجود یہاں حصہ تمام ہوا، چھانا گیا۔ قصد تھا جلال الدین اکبر کے حالات کے لکھنے کا کہ امیر نیر تک کا نام و نشان مٹ گیا۔ ”آئی دفتر را گؤ خورد و گؤ را قصاب برد و قصاب درواہ مرد“۔ جو کتاب میں نے لکھی ہی نہ ہو وہ بیچوں کہاں ہے؟

میر و مرشد کو میری بددی اور صاحب زادوں کو دعا۔ خداوند مجھے مارہرہ دلاتے ہیں اور میرا قصد مجھے یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں میں کہ دل بھی بھا اور طاقت بھی ہو، شیخ حسن الدین مرحوم سے بطریق مکتا کہا گیا تھا۔ کہ جی یوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور



دل کھول کر اور بیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں؟ طاقت کہاں سے پاؤں؟ نہ آموں کی طرف رغبت، نہ معدے میں اتنی آموں کی گنجائش۔ ہمارے منہ میں آم نہ کھاتا تھا، کھائے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھانا ہی نہیں، جو کہوں یوں الطعابین۔ ہاں آخر روز بعد ہضم معدی آم کھائے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں، اٹنے آم کھاتا تھا کہ بیٹ بھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہ ساتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں، مگر دس بارہ۔ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات :

دریغاً کہ عہد جوانی گزشت

جوانی مگو زندگی گزشت

اب اس کے واسطے کیا سفر کروں؟ سگر حضرت کا دیکھنا، اس کے واسطے تحمل رنج و سفر ہوں تو جاڑے میں، نہ برسات میں :

اے وائے زحروسی دیدار، دگر ہیچ

(۱۸)

میرے کرم فرما، میرے شفیق،

شرط اسلام بود ورزمن ایمان بالغیب

اے تو غائب ز نظر سہر تو ایمان من است

آپ کے اس خط کا جواب بعد لکھنے اس شعر کے منحصر التماس پر ہے کہ میری طرف سے تحریر جواب خط میں کہی تصویر نہ ہوگی، لیکن اغلب و اکثر اتنا یہ تحریر نہ ہوگی۔

یہ خط ناچار از روئے اضطرار واپس بھیجتا ہوں۔ واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد (۱) کے ارشادات کو ایک اور کالغظ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجیے تا کہ مجھ پر نصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے۔

(۱) حضرت صاحب عالم مارہروی ۔



جناب چودھری غلام رسول (۱) صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔ استاد  
شیخ عطا حسین صاحب کی جناب میں سلام (۲)۔

(۱۹)

حضرت چودھری صاحب، عنایت نامہ، سہی :

تو تو خط، پر نہ تھا جواب طلب

کوئی اس کا جواب کیا لکھتا

آج دوپہر کو یہ خط پہنچا، آج ہی آخر روز جواب لکھ کر  
رکھ چھوڑنا ہوں۔ کل صبح بشرط حیات ڈاک میں بھجوا دوں گا۔  
”قاطع برہان“ کے مجلدات جو بموجب ترویج خریداری سیری ملک ہیں،  
وہ اول جولائی میں میرے پاس اور ان میں سے دو مجلد آخر جولائی میں  
آپ کے پاس پہنچیں گے۔ ایک آپ رہنے دیں گے اور ایک پر و مرشد کی  
نذر کریں گے۔ ان شاء اللہ العلیٰ العظیم۔

حبذا فیض تعالیٰ، معجز کا کش نگر

گر روز صد سالہ رہ پیش نظر باشد ہاں

یہ شعر مولانا نورالدین ظہوری رحمۃ اللہ علیہ کا، ممدوح کی خوشنویسی کی  
تعارف میں ہے۔ مبالغہ سرحد تبلیغ و غلو کو پہنچ گیا ہے۔ خلاصہ  
یہ کہ اس کا لکھا ہوا قطعہ یا کوئی عبارت سو برس کی راہ پر سے آدمی  
کو نظر آئی ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ حرف بہت روشن، صاف اور جلی  
ہیں اور چونکہ یہ امر بحسب عادت و عقل محتج ہے، اس رو سے  
اس کو معجزہ قلم کہا اور چونکہ معجزہ خرق عادت ہے اور خرق عادت ایک امر

(۱) سرور کے عم محترم، جن کا ذکر خطوط میں کئی بار آیا ہے۔

(۲) اس خط پر تاریخ درج نہیں۔ یہ کسی ایسے موقع پر لکھا گیا،  
جب کچھ عرصہ خط و کتابت بند رہنے کے بعد سرور نے خط لکھا اور  
اس کے ساتھ صاحب عالم کی تحریر آئی۔



ہے مسلمات جمہور میں ہے، اس منکر کو گنجائش انکار نہ رہی۔

جہاں یہ خیال آئے گا کہ ”فیض تعلق“ بے کار رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حسن الہام ہے، یعنی نگاہ کو از انجا کہ باصرہ مشتاق حسن ہے، اس خط سے وہ تعلق ہم پہنچا ہے کہ اگر وہ خط سو برس کی راہ پر ہو تو بھی نگاہ اس سے متعلق رہتی ہے، جیسے طائر کو اپنا آشیانہ اور مسافر کو اپنا وطن اور عاشق کو معشوق کا خد و خال مسافت بعید سے پیش نظر رہتا ہے۔ چاہو ایک معلول کی دولت سمجھو: فیض تعلق مذکور اور حسن خط مقدرا، چاہو فیض تعلق کو ادعا کہو اور حسن خط جو تقدیر میں ہے اس کو سبب سمجھو تعلق کا اور سوکد جانو ادعا کا۔

سنو، دعوے کے واسطے دلائل موضوع ہے، ادعا کو دلیل ضرور نہیں ہے، ہاں ادعا پر تاکید طریقہ بلاغت ہے۔ یہ اطالاف معنوی خاص اس بزرگ کے حصے میں آئی ہے۔ میں جانتا ہوں مثنوی اور عطار نے مل کر ایک صورت پکڑی تھی۔ اس کا اسم نورالدین اور مغلیں شہوری تھا۔

اللہ اللہ فرماتا ہے :

مروت کرد شہا بر تو سیر بام و در لازم

کئے باشند چراغی خانہ حاسے بے نواہاں را

ظہوری کا معلوم اور معشوق ایک ہے (۱) یعنی سلطان جلیل القدر ابراہیم عادل شاہ۔ بادشاہوں کے منظر بلند ہوتے ہیں اور کیا بعید ہے کہ رعایا یا ملازمین میں سے کچھ لوگ زہر قصر رہتے ہوں۔ اس واسطے بادشاہ دن کو اس منظر بلند پر نہیں چڑھتا کہ مبادا رعیت یا ملازمین کی جو رو بیتیاں نظر آئیں۔ رات کو ان کے گھر تاریک ہوتے ہیں۔ اگر

(۱) یہ دوسرے ہی بے سرو پا افسانوں میں سے ایک افسانہ ہے، جیسا کہ عرفی اور جہانگیر کے متعلق مشہور ہے۔



کوئی بلند مکان پر چڑھا تو کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہ مدح ہوئی عفت کی اور عفت ایک فضیلت ہے فضائل اربعہ میں سے۔ اب ایہام کو سوچیے۔ مدح نے راتوں کو کوٹھے پر چڑھنا اپنے اوپر لازم کیا ہے، اس واسطے کہ رعایا کے گھروں میں چراغ نہیں۔ اگر کسی کو کسی کپڑے میں پیوند لگانا یا کوئی چیلے کی چیز گتھنی یا کسی مریض کا شخص حال منظور ہو تو وہ گھر اس مدح کے ہر توجہ سے روکن ہو جائے۔ چراغ کی حاجت باقی نہ رہے۔ جو کام جو شخص چاہے وہ کمرے مروت کے لفظ کا مرہ و جہانی ہے۔ سوائے اس لفظ کے کوئی لفظ یہاں کام نہیں آتا۔ اگر حفظ ناموس رعایا ہے تو مروت ہے اور اگر مفلسوں کی کاربراری ہے تو مروت ہے۔ قالب معنی کی جان ہے ظہوری، ناقلہ کی سرفرازی کا نشان ہے ظہوری۔ زیادہ کیا لکھوں؟

(جون ۱۸۶۲ء)

(۲۰)

جناب چودھری صاحب،

آپ کے لطف نامہ کے ورود کی مسرت اور بارسل کے نہ پہنچنے کی حیرت، باعث اس کی ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں اور با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا، جواب لکھوں۔ بندہ برور میں نے بارسل کی رسید لے لی تھی۔ اب آپ کے خط کو پڑھ کر کار برداؤں ڈاک کے پاس وہ رسید بھیجوائی، انہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا کہ سکندرہ راؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب بارسل کی جواب دہی وہاں والوں کے ذمے ہے۔ یہ سن کر میں نے یہ مناسب جانا کہ وہ رسید آپ کے پاس بھیج دوں۔ اب سکندرہ راؤ کے ڈاک خانے میں بھیجا کر ان سے بارسل منگوا لی اور اب اس رسید کا میری طرف راجع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں۔ (۱) والسلام

(۱۸۶۲ء)

(۱) مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے فرمایا ہے کہ یہ ”فاطمہ برہان“ کے بارسل نہیں، شیخ عطا حسین عطا کی مشنری کے بارسل کا ذکر ہے، لیکن اس مشنری کا بارسل تو ۱۸۵۸ء میں بھیج دیا گیا تھا۔



بہت دن کے بعد پرسوں آپ کا خط آیا ۔ سرنامہ پر دستخط اور کے اور نام آپ کا پایا ۔ دستخط دیکھ کر مبہوم ہوا، خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ تمہارے دشمن بعارضہ آپ و لرزہ و مجبور ہیں۔ اللہ اللہ ضعف کی یہ شدت کہ خط کے لکھنے سے معذور ہیں ! خدا وہ دن دکھائے کہ تمہارا خط تمہارا دستخطی آئے۔ سرنامہ دیکھ کر دل کو فرحت ہو۔ خط بڑھ کر دوئی مسرت ہو۔ جب تک ایسا خط نہ آئے گا، دل سودا زدہ آرام نہ پائے گا۔ قاصد ڈاک کی راہ دیکھنا رہوں گا۔ جناب ایزدی میں سرگرم دعا و ہوں گا آپ کے عم عالی مدار اور بزرگ آموزگار کو میرا سلام مع صنوف اشتیاق و الواف احترام۔ (۱)

جناب چودھری صاحب، آؤ ہم تم حضرت عالم کے پاس چلیں اور اپنی آنکھیں ان کے کف پائے مبارک سے ملیں۔ میں سلام عرض کروں گا، تم معترف ہونا کہ غالب بھی ہے۔ اہل دہلی میں آپ کے دیدار کا طالب بھی ہے۔ میں نے عزم قلمبوسی کیا، پیر و مرشد نے مجھے گلے لگایا۔ فرماتے ہیں کہ ”غالب تو اچھا ہے؟“

عرض کرتا ہوں کہ ”الحمد للہ، حضرت کا مزاج مقدس کیسا ہے؟“  
ارتداد ہوا کہ ”مولوی سید برکات حسن بھری بہت تعریف کرتے رہتے ہیں۔“

”جناب یہ ان کی خوبیاں ہیں۔ میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ کہتے ہیں



کاش وہ میری رنجوری کا حال کہتے۔ ضعف قوی و اضحلال کہنے تاکہ میں ان کے کلام کی تصدیق کرتا، ان کی غمخواری اور دردمند نوازی کا دم بھرتا:

درکشاکش ضعفم لگسشد روان از تن

اینگھ من لمے میرہ ہم زانوانہاست

حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ نکالا۔ "بوستان خیال" کے دیکھنے کا دانہ ڈالا۔ مجھ میں اتنی طافت پرواز کہاں کہ بلا سے اگر بھٹس جاؤں، دام پر گر کے دانہ زمین پر سے اٹھاؤں؟ حضرت سچ تو یوں ہے کہ احمق بے روزگار نے مجھ کو گھبرایا ہے۔ سانس نہیں لے سکتا، اتنا تنگ کر دیا ہے۔ ہر بات سو طرح سے خیال میں آتی، پر دل نے کسی طرح سہلی نہ پائی۔ اب دو باتیں سوچا ہوں: ایک تو یہ کہ جب تک جیتا ہوں، یوں ہی رویا کروں گا۔ دوسری یہ کہ آخر ایک نہ ایک دن مروں گا۔ یہ صغریٰ و کبریٰ دلنشین ہے۔ نتیجہ اس کا تسکین ہے۔

ہیبت :

منحصر مرنے نہ ہو جس کی امید

نا امیدی اس کی دیکھا چاہئے

اے حضرت شاہ عالم صاحب میرا سلام لیجئے۔ کالج باقی نہیں رہا۔ اٹھے سب بھائیوں کو مع میر وزیر علی صاحب میرا سلام کہہ دیجئے گا۔

(۱۸۶۰ء)

(۲۲)

چودھری صاحب مشفق محرم کو میرا سلام۔

آپ کا خط کہ سوائے چند سطر کے جو تم نے لکھی نہیں، سراسر حضرت صاحب کا نسخہ نقل تھا، چٹیا۔ سبحان اللہ حضرت کو کس قدر



محبت ہے تمہارے ساتھ ۔ تمہاری ناسازی مزاج کا کیسا ملال اور  
تمہارے تہ دیکھنے کا کیسا رنج ہے ؟ سچ یوں ہے کہ تم خوبان روزگار  
میں سے ہو۔ توقع قبول اہل نظر کا حاصل ہونا آسان نہیں ہے۔  
سلامت رہو ، خوش رہو ، مختصر :

کارت بچہاں جیلہ چنای باد کہ خواہی

اب روئے سخن حضرت صاحب کی طرف ہے ۔ خدمت خدام مخدم  
خادم نواز میں بعد تسلیم معروض ہے ۔ "تقدنامہ" نامی میں صورت عز و شرف  
نظر آئی ۔ اللہ اللہ ! تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی ، حضرت کی قدردانی  
کی کیا بات ہے ۔ آپ کا التفات موجب مباحثات ہے ۔ یہ بات بطریق  
ملے لسان زبان پر آئی ہے ورنہ قدردانی کیسی ، یہ قدر افزائی ہے ۔  
نظیری علیہ الرحمہ کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر میرے گئے میں ڈال  
دیجئے اور زمرہ شعرا میں سے مجھ کو نکال دیجئے ۔ شعر یہ ہے :

جوہر بیش من در نہ زنگار بخاند

آنکہ آئینہ من ساخت ، نہ براخت دریغ

دعویٰ اور چیز ہے اور کمال اور ہے ۔ علم عربی اور اُچھے ہے اور غامسی کی  
حقیقت حال اور ہے ۔ جلالائے طباطبائی (۱) رحمہ اللہ علیہ نے شیدائے

(۱) جلالائے طباطبائی ۔ قصر آبادی سادات قہیاہ میں سے تھا ۔ نظم و نثر دونوں  
میں مہارت تھی لیکن اس کی نثر کو نظم پر ترجیح دی جاتی ہے ۔  
۱۰۳۸ھ-۱۰۳۸ھ میں (یہ عہد شاہ جہاں) ہندوستان آیا اور تاریخ لکھنے  
پر مامور ہوا لیکن جلد ہی مخالفوں کی سازش کے باعث اس کی تاریخ نگاری کا  
سلسلہ ختم ہو گیا سید نجیب الشرف ندوی نے لکھا ہے کہ شاہ جہاں  
کے پانچویں سال سے آٹھویں سال تک کے حالات والا نسخہ اکثر مل  
جانا ہے ، علاوہ بریں جلالا نے ایک رسالہ فتح کانگڑہ کے متعلق  
بھی لکھا تھا جو شاہ جہاں کے زمانہ "شہزادگی" کا ایک کاغذ نامہ تھا ۔  
(دیکھئے مقدمات رفعات عالمگیر ص ۶۷ نیز تذکرۃ "روز روشن" ص ۱۳۸)۔



ہندی (۱) کو ایک رقعہ لکھا۔ عبارت اس وقت یاد نہیں آئی مگر یہ مضمون اس کا کہ ایک دن مولانا عرفی علیہ الرحمۃ اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا شیخ نے عرفی سے کہا کہ ”ہم نے تحقیق کو بہ مرحلہ ارباب پہنچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔“ عرفی نے کہا کہ ”اس کو کیا کرو گے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، گور کی بلندیوں سے اور لوندیوں سے جو ہات سنی فارسی میں سنی۔“ ”شیخ گفت : ما فارسی از انوری و خاقانی فرا گرفته ایم و شما از پیر زنان آموختہ اید۔“ عرفی فرمود : ”انوری و خاقانی نیز از پیر زنان آموختہ باشند۔“ ختم

غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ کے سوا کوئی استاد مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسرو کی خسرو قلمرو سخن طرازی ہے یا ہم چشم نظامی گنجوی و ہم طرح سعدی شیرازی ہے۔ خیر قیسی بھی تغز گوئی میں مشہور ہے، کلام اس کا مستند ہے۔ دیکھو عبدالقادر بدایونی کیا لکھتا ہے :

(۱) والدین ایرانی تھے لیکن ملا شہد فتح پور سیکری میں پیدا ہوا (جیسا کہ ”مآثر الکرام“) مولانا آزاد بلگرامی میں صراحتاً مذکور ہے (دکتر دوم ص ۲۴) مولانا آزاد لکھتے ہیں : ”شعر را بہ سرعت تمام می گفت و بہ چشم زدن جوہر فراوان می گفت، لیکن ہجو میں بڑا بے باک تھا۔ پہلے خانہ خاناں سے وابستہ ہوا، پھر جہانگیر کے جدوئے بیٹے شہر یار کے درباروں میں منسلک ہو گیا۔ آخر شاہ جہاں کے افسدوں میں نام لکھوا لیا تھا۔ آخر عمر میں کشمیر پہنچ گیا تھا۔ وہیں عالمگیر کے اوائل عہد میں وفات پائی۔“



زہے سیاہی . . . (فالیز آرزو) (۱)، فقیر (۲)، اور شیدا اور بہار (۳) وغیرہم الہیوں میں آ گئے۔ ناصر علی اور پیدل اور غنیمت (۴) ان کی فارسی کیا؟ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے، عاتقہ کنگن کو آرسی کیا؟

منت (۵) اور مکیں اور واقف اور قلیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں۔ خبر ہوں، افضل کہلائیں، کلام میں ان کے مزا کہاں؟ ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟ فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے، اس میں بیرونی خیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ (۶) سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق

(۱) سراج الدین علی خان آرزو معروف بہ سراج المحققین (۱۱۰۱ھ-۱۱۶۹ھ-۱۱۶۹ھ) متعدد کتابوں کا مصنف ہے مثلاً سراج اللقب، مجمع التفاسیر۔ خاصی مدت دہلی میں گزاری پھر شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے ہاں تین سو روپے ماہوار پر ملازم ہو گیا تھا۔

(۲) میر نعم الدین فقیر عباسی دہلوی ولادت ۱۱۱۵ھ-۱۲۰۳ھ میں ہوئی۔ نواب صدیقی حسن خان نے لکھا ہے: درمبادی عشرہ خامسہ بعد مآلہ والف دولباس فقر درآمدہ . . . سرے بہ دکن کشید و پایان عمر در آگرہ گوشہ' انزوا گرفت (سمع الجمن ص ۳۷۸) حدائق البلاشہ فقیر ہی کی تصنیف ہے۔

(۳) لالہ ٹیک چند بہار مصنف "بہار عجم" وغیرہ۔  
(۴) غنیمت کتجاہی صاحب دیوان و مصنف نیرنگ عشق وغیرہ۔ ان سے فارسی نثر کا بھی ایک رسالہ یادگار ہے۔ جو ۱۲۶۵ھ میں بھیرہ کے ایک مطبع میں چھپا تھا۔  
(۵) میر نعم الدین منت دہلوی۔ والیان لکھنؤ و مرشد آباد کے علاوہ کلکتہ میں گورنر جنرل کی مدح گسٹری کی اور ملک الشعراء کا لقب پایا۔ انچاس سال کی عمر میں یہ مقام کلکتہ انتقال ہوا (۱۲۰۸ھ-۱۲۶۳ھ)۔

(۶) سیالکوٹی مل وارستہ مصنف مصطلحات الشعراء۔ وفات (۱۱۸۰ھ-۱۱۶۶ھ)۔



ہر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ بالخصوص وہ یوں جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے، منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز (۱) کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شبوہ و روش کو خوب برب گئے۔ فارسی وہ کیا جانتی؟ قاضی محمد صادق (۲) اختر عالم ہوں گئے، شاعری سے ان کو کیا علاقہ؟ ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی فارسی دانوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے۔

کالی کے نواب زادوں میں سے ایک صاحب قیل کے شاگرد تھے۔ میں نے ایک رقعہ قیل کا ان کے نام دیکھا ہے کہ قیل ان کو لکھا ہے: جامہ گزاشنی یعنی مردن مسلم، لیکن بات احتیاط کیا کرو، مولع دیکھ لیا کرو، جب لکھا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ احتیاط کیا اور مولع کیا؟ ”نلاں مرد“، ”ہیاں جامہ گزاشت“، پھر وہ کہتا ہے کہ ”کنہ“ کے ساتھ سوائے بانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ ”ہمہ“ کے لفظ کو جمع کے ساتھ لاؤ، مارد سے نہ ملاؤ۔

نقل: میں نے ”دستنبوہ“ میں لکھا ہے کہ ”ہمہ کس دانہ“۔ ایک شخص نے کہ وہ مولوی کہلاتا ہے، مہری شہرت، یہی کہا کہ

(۱) احسان اللہ ممتاز خف شیخ عظمی اللہ ساکن افانہ (یو پی) نظم و نثر دونوں میں کمال حاصل تھا۔ ایک سو تین سال کی عمر پا کر ۱۲۵۰ھ-۱۸۳۳ء کے قریب فوت ہوئے (”روز روشن“، ص ۶۵)۔

(۲) قاضی محمد صادق خان اختر اہان ہوگی میں سے تھے۔ غازی الدین حیدر شاہ لودھ کے دور میں ”محمد حیدری“ کی وجہ سے عروج حاصل ہوا۔ لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (۱۸۵۸ء) ان کی تصانیف میں سے تذکرہ آفتاب عالم ناب بطور خاص قابل ذکر ہے جس میں چار ہزار دو سو ساٹھ شاعروں کے حالات مع نبوتہ کلام درج ہیں۔



”ہمہ کس داند“ کہا ترکیب ہے ؟ ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود تھا ، اس نے کہا کہ یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے ، جیسا کہ وہ کہتا ہے :

ہمہ کس طالب آل سرورائ ست اینجا

آب حیوان ز نفس سوخگلن ست اینجا

اس نے کہا کہ تمہارا استاد ”حاشی اللہ“ کو ما قبل کلمہ منی لایا ہے اور یہ جائز نہیں :

حاشی اللہ کہ بد بیگوم

میرے شاگرد نے کہا کہ یہ ترکیب انوری کی ہے :

حاشی اللہ نہ مرا، بلکہ ملک رابود

باسک کوئے مو ای زہرہ و نار او جمال

مولوی ہدایت علی ٹنکین کا آج تک میں نے نام نہیں سنا تھا، چہے ہوئے رشم ہیں۔ صائب اگرچہ اصفہانی لڑاں تھا ، مگر وارد شاہجہان آباد تھا۔ ”انتقام کشیدن“ و ”انتقام گرفتن“ دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب لچ لاریس بولتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

”کلم“ بروزن فعلیل صیغہ اسم فاعل ہے، مثل کرم و رحیم۔

بشر و سمیع و بصیر و کلیم اسمائے الہی ہیں۔ کلم اگر بمعنی ہم کلام لیجئے تو اسم الہی اس کو کیوں قرار دیجئے؟ حضرت کا مصرع :

ہست کلامے ز کلام کلیم

مخلوش البتہ ہے، یعنی یا ”کلمہ از کلام کلیم“ یا ”کلامے از کلمات

کلیم“ چاہئے۔ کلامے از کلام، مفرد میں ہے مفرد کو نکالا چاہئے، گو جائز نہ ہو۔

”گویاشی“ و ”گو باشند“ ہر گز محل تردد نہیں۔ اوہام و وساوس

قواعد میں پیش نہیں جاتے۔



اے کریمے کہ از خزانہٴ غیب

ہرگز بائے معروف نہیں ہے، بائے مجہول ہے۔ بائے معروف یہاں نا مہبول ہے :  
خداے کہ بالا و پست اقرب

ایسا خدا، ایسا کریم۔ اس عتاق کو بائے وحدت کہو، بائے توصیل  
کہو، بائے تعظیم کہو، جس طرح کہو، مجہول آئے گی۔  
(۱۸۶۳ء)

(۲۳)

جناب چودھری صاحب،

بہاوی بیہکی، کاغذ بتلا۔ پیر و مرشد کی عبارت ایک طرف، آپ کی  
تحریر بھی مفسوش ہو گئی۔ بیہا ہو گیا ہوں مگر حدت بصر  
ہنوز باقی ہے۔ تمہاری عبارت کا جو لفظ بڑھ لیا، قرینے سے اس کا  
محاورہ بھی معلوم ہو گیا۔ حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت  
نوام شاہ عالم کے اگر بڑھا گیا ہو تو ذہن بے یقینی، ایمان نصیب نہ  
ہو۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس بیچنا ہوں۔ اولی سفید کاغذ (۱) پر  
حرف بحرف اس کی نقل کرو گے پھر مجھے بھیج دیجئے نا کہ اس کے جواب  
لکھنے میں سعادت حاصل کروں، لیکن پتہ جلد، پتہ جلد۔

آپ کی نگارش سے اتنا دریافت ہو گیا کہ اب آپ اپنے ہیں۔  
الحمد للہ، جناب ممتاز علی خان صاحب (۲) کہاں اور مارہرو کہاں بہ  
ہر حال میرا سلام۔

(۲۴)

جانبہ پرور،

پرسوں تمہارا خط آیا، آج جواب لکھ رکھتا ہوں، کلی ڈاک میں  
بھیجا دوں گا۔ میرا حال کیوں پوچھو؟ اپنے کو دیکھو جو تمہارا ڈھنگ

(۱) ایک قسم کا سفید کاغذ جو ذرا دیر ہوتا ہے۔

(۲) یہ وہی ممتاز علی خان ہیں جن کے چھاپے خانے میں عود ہندی پہلی  
مرتبہ چھپی تھی۔



ہے ، وہی مہرا رنگ ہے ۔ بطور و اورام (۱) مرض خاص اور رنج عام ، یہ ایک اجمال ۔ دوسرا اجمال سب کو کہ مہرے پھر سے صاحب فرائض ہوں ۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں ۔ محل سرے اگرچہ دیوان خانے کے بہت قریب ہے ، پر کیا امکان جو جا سکوں ۔ صبح کو نو بجے کھانا بھی آ جاتا ہے ۔ پلنگ پر سے کھینچ پڑا ، ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا ، پھر ہاتھ دھوئے ، کلی کی ، پلنگ پر جا پڑا ۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے ۔ اٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا اور پڑ رہا ۔ مدنتوں سے یہ مرض ہے کہ پیشاب جلد جلد آتا ہے ۔ اس صاحب فرائض ہونے کو دیکھو اور دم دم نقاضے بول کو دیکھو ۔ بالخانے اگرچہ دن رات میں ایک دفعہ جاتا ہوں مگر صعوبت کو تصور کرو ۔ ایک پھوڑا دائیں پہنچنے میں ، جس کو ساند کہتے ہیں ، دو پھوڑے بائیں پہنچنے میں ۔ یہ سہل ہیں ۔ بائیں پاؤں میں کف یا وشت یا سے لے کر آدھی پٹلی تک ورم اور ورم بھی سخت ۔ رادعات (۲) و محلات (۳) سے کچھ نہ ہوا ۔ اب تجویز ہے کہ زیب کا بھرنا ہاتھ ہے ۔ جب پکے ، پھوٹے ، تب مرہم لگانے ۔ کہو کف یا میں جراحت کا عمل ہوا تو ماء ک کہاں ٹھکانا ؟

یہ حال جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں مجمل و جزوی ہے ۔ میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد حضرت صاحب عالم عہد سے آزرده ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے محاز و اختر کی شاعری کو

(۱) بطور ، بشرہ کی جمع بہ معنی جھوٹے چھالے یا سرخ و زرد دانے ، جو جوش خون کے باعث جلد پر ابھر آتے ہیں ۔ اورام ورم کی جمع ہے ۔  
(۲) رادعات ، رادع کی جمع ہے یعنی ایسی دوائیں جن کے استعمال سے مادہ فاسد رک جائے اور نکل جائے ۔

(۳) محلات ، محلل کی جمع ہے یعنی ایسی دوائیں جن کے استعمال سے مادہ فاسد تحلیل ہو جائے ۔



خالص کہا تھا۔ اس واقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت صاحب  
ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو تیل اور اوقاف سے  
لے کر پیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔

رودکی اور فردوسی سے لے کر خاتمی و سنائی و انوری وغیرہم تک  
ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام ٹھوڑے ٹھوڑے لغات سے ایک وضع  
پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ سعدی و جاسی  
و ہلالی، یہ اشخاص متعدد نہیں۔ فغانی اور ایک شیوہ خاص  
کا مبدع (۱) ہوا۔ خیال ہمارے نازک و معانی بلند لایا۔ اس شیوے کی تکمیل  
کی، ظہوری و نقائیری و عرفی و توسی نے ہی۔ سبحان اللہ غالب سخن میں  
جہاں پڑ گئی۔ اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے صلاحیت کا  
جربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفقانی اس زمرے میں ہیں۔  
رودکی و اسدی و فردوسی، یہ شیوہ سعدی کے وقت میں نرک ہوا اور  
سعدی کی طرز نے بسبب سہل مستح ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا  
انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوئے گئے تو اب طرزیں تین  
نہری ہیں : خاقانی اور اس کے اثران، ظہوری اور اس کے امثال،  
صائب اور اس کے نظائر۔ خالصاً فقہ ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تین  
طرزوں میں سے کس طرز پر ہے ؟ بے شبہ فرماؤ گے کہ یہ طرز اور ہی  
ہے۔ اس تو ہم نے جانا کہ ان کی طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے،  
ابھی طرز ہے، مگر فارسی نہیں ہے، ہندی ہے۔ دارالضرب شاہی کا  
سکہ نہیں ہے، نکسال یاہر ہے۔ داد، داد، انصاف، انصاف :

اگر چہ شاعران	تقر گفتار	ز یک جام اللہ در نغم سخن مست
ولے ہا یادہ بعضے	حرفیاں	خار چشم ساق نیز بیوست
سلو مگر کہ در اشعار	ابی قوم	ورے شاعری چیزے دگر مست

(۱) پیدا کرنے والا۔



وہ ”چیزے دگر“ ہارسہوں کے حصے میں آتی ہے۔ ہاں اردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی علیہ الرحمۃ :

بد نام ہو گئے جانے بھی دو امتحان کو  
رکھوے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو؟

سودا :

دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار  
خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم ،

قائم اور تجھ سے طلب ہوئے کی؟ کیوں کر مانگوں  
ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

مومن خان :

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا  
ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں، مگر  
ان کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آتا۔ یاد کیا آوے؟ لپٹا ہوا ہوں۔  
دبدم ہاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اڑائے دیتی ہے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔  
(۱۸۶۳ء)

(۲۵)

ایک عبارت لکھتا ہوں، چونکہ لقاہہ جناب چودھری عبدالغفور صاحب کے  
نام کا ہوگا، چلے وہ پڑھیں۔ پھر میرے پیر و مرشد کی نظر سے گزرائیں،  
پھر مرشد زادہ شاہ عالم صاحب کو دکھائیں۔

بوس دن سے فساد خون کے عوارض میں مبتلا ہوں، بخور و اورام میں  
لد رہا ہوں۔ بوس دن میں اوجاع (۱) سہنے سہنے روح تحلیل ہو گئی،  
نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور بخوڑے تو خیر، مگر دونوں

(۱) اوجاع، وجع کی جمع، یہ معنی درد۔



ہندویوں میں ہڈیوں کے قریب دو ہڈوڑے ہیں، کھڑا ہوا اور ہڈیاں  
 جہانے لگیں اور رگیں پھٹنے لگیں۔ ہاٹیں ہاتھ پر کف پاتے، جہاں وہ  
 ہڈوڑا ہے، ہڈی تک ورم ہے۔ رات دن بڑا رہتا ہوں۔ پلنگ کے پاس  
 حاجتی لگی رہتی ہے۔ کھسک بڑا، بعد رفع حاجت دھڑلٹ رہا۔ اسی  
 صورت سے روٹی کھاتا ہوں۔ اشعار کی اصلاح یک فلم موقوف، خطوط  
 ضروری لٹھے لکھتا ہوں۔ دو خط چودھری صاحب کے آئے، جواب  
 نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو طعنے دے کر مرد بنایا، جب یہ عبارت لکھی۔  
 چودھری صاحب کو سلام، حضرت صاحب کو ہندگی۔

(۱۸۹۳ء)

(۲۹)

آہا، جناب منشی سناز علی خان صاحب بارہرہ پہنچے! صاحب یہ نو  
 سیاح گئی نورڈ نائی مخدوم جہانیاں جہاں کرد ہیں۔ یہ ہر حال آپ  
 نے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے۔ کتاب کو اس سے روٹی ہو جائے گی :  
 نظم میں وہ پایہ بلند کہ شعری ان کے شعر پر لالی الہم  
 تار کرے، خود بلا گردان ہو، لولی سا ہر مصرعے پر دل و جان وار کرے،  
 صدقے، قربان ہو (۱)۔

---

(۱) یہ ”سہر طالب“ (مرتبہ سرور) کے اس دیباچے کی عبارت کا فقرہ  
 ہے جو سرور نے لکھا تھا۔

نظم میں وہ پایہ بلند کہ شعری ان کے شعر پر لالی الہم  
 تار کرے خود بلا گردان ہو۔ لولی سا ہر مصرعے پر  
 دل و جان وار کرے، صدقے قربان ہو۔  
 اس کی تصحیح کرنے وقت میرزا نے بتایا کہ ”وار کرے“، یہ معنی حملہ کرے  
 ہے اور مصلوب آپ کا ”وارے“ ہے لہذا فقرہ یوں بدل دیا :  
 نظم میں پایہ بلند کہ شعری ان کے شعر پر لالی الہم  
 مصلوب اتارے، خود بلا گردان ہو۔ لولی سا ہر مصرعے پر  
 دل و جان وارے، صدقے قربان ہو۔  
 اسی طرح چھپا۔



وار کرے (یعنی حملہ کرنے کے لئے) اور وہ جو اب کا مقصود ہے ان معنوں میں "وارقاء، اور "وارئے"، آیا ہے، نہ "وار کرقاء، اور "وار کرے"۔ آپ کو یاد ہوگا کہ چند سطریں میں نے بہ ہزار دشواری لکھ کر کہیں بھیجی تھیں۔ خواہش یہ تھی کہ میں سطریں میرے خدوم اور خدوم زادے کی نظر سے گزر جائیں۔ آج ایک خط میں نے بیرو مرشد کا اور بابا، وہ ابھی نہیں پڑھا، مگر شاہ عالم صاحب اس خط کی پشت پر لکھے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں لکھا، حالانکہ میں ان سطروں میں یہ لکھ چکا ہوں کہ نہ مجھے تحریر کی طاقت، نہ اصلاح کے ہوش۔ ایک بات کو دس دس بار کیا لکھوں؟ اب میرا انجام کار دو طرح پر مشور ہے: یا صحت یا مرگ۔ پہلی صورت میں خود اطلاع دوں گا، دوسری صورت میں سب احباب خارج سے سن لیں گے۔ یہ سطریں لیتے لیتے لکھی ہیں۔



## حضرت صاحب عالم مارہروی

بلگرام کے ایک بزرگ سید برکت اللہ صاحب یہ ”صاحب البرکات“ (بن سید اویس، بن سید عبدالجلیل بن میر عبدالواحد اکبر بلگرامی) وطن مالوہ سے مارہرہ میں مستقل ہو گئے تھے۔ بے شمار لوگوں نے آپ کے بنی برکت سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۔ محرم ۱۱۳۲ھ/۲۵ جولائی ۱۷۲۹ء کو وفات پائی (تذکرۃ الکرام دفتر اول ص ۱۲۱-۱۲۳) انہی سے مارہرہ کی ”درگہ برکتیہ“ کی ابتدا ہوئی۔

صاحب البرکات کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے سید آل محمد (۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء - ۱۶ رمضان ۱۱۹۳ھ/۲۸ جولائی ۱۷۵۱ء) اور چھوٹے سید نجات اللہ معروف بہ شاہ میان (۱۱۱۷ھ/۵-۱۷۵۰ء - یکم شوال ۱۱۹۰ھ/۱۳- نومبر ۱۷۷۶ء) ان دو صاحبزادوں کے لیے ”درگہ برکتیہ“ کے دو حصے ہو گئے۔ بڑے صاحبزادے کی درگہ کو ”مرکار کلاں“ اور چھوٹے کی درگہ کو ”مرکار خورد“ کہتے تھے۔ سید صاحب عالم مارہروی ”مرکار خورد“ کے سجادہ نشین تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: سید صاحب عالم، بن سید مخدوم عالم، بن سید مقبول عالم، بن سید شاہ نجات اللہ، بن صاحب البرکات سید برکت اللہ قادری۔

صاحب عالم ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ مسرور قاریانہ ہے کہ انہوں نے میرزا کو لکھا میرا سال ولادت لفظ ”بارخ“ سے نکلتا ہے یعنی ۱۲۱۱ھ - میرزا نے بے تکلف لکھا:



یعنی لفظ تاریخ پر الف کا ایک عدد بڑھا کر ۱۲۱۲ بنا دیا جو میرزا کا سال ولادت ہے۔

صاحب عالم ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں زینت آراے سجادہ ہوئے۔  
 ۲ محرم ۱۲۸۸ھ / ۲۳- مایچ ۱۸۷۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔ پھر ان کے صاحبزادے سید شاہ عالم اور سید مقبول عالم یہ یک وقت سجادہ نشین رہے۔  
 سید عالم نے ۲- محرم ۱۳۰۲ھ / ۲۲- اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اور سید مقبول عالم نے ۱۰- محرم ۱۳۰۳ھ / ۱۹- اکتوبر ۱۸۸۵ء کو وفات پائی۔ شاہ عالم کے نام میرزا کے خط موجود ہیں۔ سید مقبول عالم کی شادی کا ذکر صاحب عالم کے نام ایک خط میں آیا ہے۔ بعد ازاں پہلے سید خورشید عالم بن سید شاہ عالم، پھر سید جان عالم بن سید خورشید عالم اور سید مخدوم عالم بن سید مقبول عالم سجادہ نشین رہے۔  
 یہ تمام معلومات ناثر الکرام دفتر اول (از مولانا آزاد بلگرامی) اور برکات ماہرہ، (مؤلفہ طفیل احمد صاحب صدیقی) سے ماخوذ ہیں۔

خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب عالم میرزا کے کمالات نظم و نثر کے معتقد تھے اور میرزا کو صاحب عالم کی روحانی برتری کے متعلق حسن اعتقاد تھا۔ ان کے نام خطوط کی تعداد زیادہ ہوئی چاہے، اغلب ہے تمام خطوط محفوظ نہ رہ سکے۔ صرف پانچ خط صاحب عالم کے نام اور دو شاہ عالم کے نام مل سکے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سرور کے نام جو خط بھیجے گئے ان میں سے بھی متعدد سرور اور صاحب عالم کے نام مشترک ہیں بلکہ بعض خطوں میں ابتدائی سطور کے سوا صاحب عالم ہی مخاطب ہیں۔ میرزا اس لیے بھی صاحب عالم کو براہ راست کہیں ہی خطاب کرتے تھے کہ ان کا خط اچھا نہ تھا، جو



کچھ تحریر فرمائے تھے ، وہ میرزا کی سبجہ میں نہیں آتا تھا ، چنانچہ صاحب عالم کے کئی خط خفیہ خفیہ سرور کو بھیج کر لکھا کہ عیادت صاف لکھ کر واپس کججیے تاکہ جواب دیا جا سکے۔

## (۱)

بیر و مرشد

سلام و نیاز پہنچے۔ کف الغضب (۱) صورجنوی میں سے ایک صورت ہے۔ اس کے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔ اختر شناسانِ ہند کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں اور ان کی زبان میں اس کا نام بھی، یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ ”قبول دعا وقت طلوع“، منجملہ مضامین شعری ہے، جسے کتان کا برتنو ماہ میں بھٹ جانا اور زمرہ سے اتنی کا اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ (۲) نے اتنی تلاش کر کے منگوا یا اور قطعات زمرہ اس کے عیادت چند رکھے۔ اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران و روم و لونگ سے انواع انواع کپڑے منگوائے۔ چاندنی میں بھیلانے ، سکا پوی نہیں۔ تعویل کتاب یہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲۔ مایچ کو واقع ہوتا ہے۔ کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ یعنی آڈن ہے۔ اس سے تجاوز نہیں۔ رہا طالع وقت تعویل درست کرنا ، بے کتب فن اور مبلغ علم ممکن نہیں۔ میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں :

نہ دائم کہ گیتی جہاں سے رود

چہ نیکو، چہ بد درجہاں سے رود

(۱) کف الغضب ، سرخ رنگ کا ایک ستارہ ، جب وہ دائرۃ نصف النہار میں پہنچتا ہے تو مشہور ہے کہ قبول دعا کا وب ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت وہی ہے جو میرزا نے بے تکلف بیان کر دی، یعنی یہ منجملہ مضامین شعری ہے، جسے زمرہ سے اتنی کا اندھا ہو جانا یا کتان کا برتنو ماہ سے بھٹ جانا۔ کف غضب کے لفظی معنی دست رنگین ہے۔

(۲) نواب وزیر والی اودھ بن شجاع الدولہ بن صفدر جنگ۔



میں تو اب روز و شب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گزری ، اب دیکھئے موت کیسی ہو :

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ

مر گئے ہر دیکھئے دکھلائیں کیا

میرا ہی عمر ہے اور میرے ہی حسب حال ہے۔

سکے کا وار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھوڑا یا کوئی گراہ۔  
 کس سے کہوں ؟ کس کو گواہ لاؤں ؟ یہ دونوں سکے ایک وقت ہیں  
 کئے گئے ہیں ، یعنی جب پادشاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق لے یہ دو سکے  
 کہہ کر گزرائے ۔ بادشاہ نے پسند کیے ۔ مولوی محمد باقر ، جو ذوق کے  
 معتقدین میں نہیں ، انہوں نے ”ذلی اردو اخبار“ میں یہ دونوں سکے چھاپے ۔  
 اس سے علاوہ اب (نکم) وہ لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے اس زمانے  
 میں مرشد آباد اور کلکتے میں یہ سکے سنے ہیں اور ان کو یاد ہیں ۔ اب  
 یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک میرے کئے ہوئے اور گزرائے ہوئے  
 ثابت ہوئے ہیں ۔ میں نے ہر چند قلمرو ہند میں ”ذلی اردو اخبار“  
 کا پرچہ ڈھونڈا ، کبھی ہاتھ نہ آیا ۔ یہ دھا مجھ پر رہا ۔ پتہ نہ ہو گئی اور  
 وہ رہاست کا نام و نشان ، خلعت و دربار بھی مٹا ۔ خیر جو کچھ ہوا ،  
 چونکہ موافق رضائے الہی کے ہے ، اس کا گلہ کیا :

چوں جنبش سپر بہ فرمانِ داوود

بیداد نبود آنچه بیا آسمان دہد

یہ تحریر بطریق حکایت ہے ، نہ سبیل شکایت۔

گویند ”ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ علیہ ہر شب رات کہ چہ حال  
 داری ؟ فرمود کدھام حال خواہد بود کسی را کہ خدا ازوے فرض  
 طلبد و پیچہ سنت ، زن مال خواہد و مالک الموت جان؟“

قصہ مختصر اب زیست بائید مرگ ہے۔

”قانع برہان“ چودھری صاحب کی نثر کے اجزا کے ساتھ یہ چھاپے گئے ،



یہ مقابلہ ”برہان قاطع“، منطبعہ (۱) دیکھا جائے اور سہ حیف و  
سہ میل (۲) از راہ انصاف دیکھا جائے۔ مرشد زادوں کو سلام مستون اور  
دعاے افزونی عمر و دولت پہنچے۔

(۱۸۵۹ء)

(۲)

پیر و مرشد،

مے کتم عرض گو مکرر باش

آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کا روانہ کیا  
ہے اور اس خیال سے کہ وہ گرمی ہنگامہ شادی میں اس خط کا  
آپ کی قدر سے گزرانا بھول نہ جائیں، یہ خط جداگتہ آپ کو آج ہی  
بھیجتا ہوں۔ اصحاب ثلاثہ (م) کی عبارت نثر مرجز کے باب میں اتنی ہی  
ہے ”وزن دارد، سجع ندارد“۔ خدا کے واسطے ”وزن“، تقطیع شعر کو کہتے  
ہیں، وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے؟ سجع اس کو کہتے ہیں کہ کلمات  
فرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صلت مثال کی نثر میں موجود ہے۔ جو  
ہے اس کا سلب، جو نہیں اس کا ثبوت کیوں کر مانوں؟ کیا آپ کی  
یہ مرضی ہے کہ الفاظ کے هموزن ہونے کو وزن، تقطیع شعر کو  
”سجع“، مان لوں؟ میں تو نہ مانوں گا۔ آپ کو اختیار ہے۔ یہ کلام  
معصوم کا نہیں کہ اس کے مسلم نہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جائے۔  
زبان فارسی مردے کا مال ہے، عرب کے ہاتھ بطریق ینما آیا ہے، جس  
طرح چاہیں صرف کریں۔

(۱) یعنی چھٹی ہوئی۔ مطبوعہ۔ (۲) نہ زیادتی کی جائے نہ طرفداری۔

(۳) مولوی غیاث الدین رام پوری صاحب بحاث اللغات، منشی عبدالرزاق  
مولف مقدمات سہ نثر ظہوری اور عبدالواسع ہانسوی۔



خواجہ نصیرالدین طوسی (۱) آٹھ حرف کا زبان فارسی میں نہ لکھتے ہیں اور ”ذال“، قطعہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔ الا کوئی لغت فارسی ایسی بتائیے جس میں ”ذال“، آئی ہو؟ گزاشن و گزشتن و ایزدین سب ”زے“ سے ہیں۔ کاغذ دال مہملہ سے ہے۔ اس کا ذال سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا غریب ہے، بہ تحقیق۔ آدراسم آئیں ہدال ایجاد ہے نہ ہذال (مخلط)۔ کوئی لفظ متحدالمخرج فارسی میں نہیں، بلکہ قریبالمخرج بھی نہیں ”تے“ ہے ”طوے“ نہیں، ”سین“ ہے ”ث“، نہیں اور ”صاد“ نہیں۔ ”ہائے ہوڑ“ ہے ”ہائے حطی“، نہیں۔ یہاں تک کہ ”قاب“، نہیں، اس راہ سے کہ عین متحدالمخرج بلکہ قریبالمخرج ہے۔ ”زے“ کے ہونے ”ذال“، کیوں کر؟

وہ مہاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکھے، جناب عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ”کے مراد“، صحیح اور ”نامراد“، غلط۔ ارے ستیا ناس جامے ”کے مراد“، اور ”نامراد“، میں وہ فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ ”نامراد“، وہ ہے کہ جس کی کوئی مراد، کوئی خواہش، کوئی آرزو بر نہ آوے ”کے مراد“، وہ جس کا صفحہ ضمیر قیوس مدعا سے سادہ ہو، از قسم کے مدعا و کے غرض و کے مطابق۔

(۱) خواجہ نصیرالدین طوسی (۱۵-جادی الاول ۵۹۷ھ / ۲۱ فروری ۱۲۰۱ء-۱۸-ذی الحجہ ۶۷۲ھ / ۲۷-جون ۱۲۷۳ھ) تمام علوم خصوصاً حکمت و فلسفہ و نیت، منطق میں ممتاز عالم مانے جاتے ہیں۔ تانائریوں نے مراغہ کی رصد گاہ خواجہ موصوفہ ہی کی نگرانی میں قائم کی تھی۔ ”محقق طوسی“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی۔ انہی میں اخلاقی ناصری اور معیار الاشعار بھی ہیں۔

(۲) ”آذر“، ہے ”آذر“، نہیں۔



جستہ قد ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے؟ ”اے رواء اور ”ناکام، اور ”نادوست، اور ”ناچار، کہ یہ مخفف ناچار اور ”ناہارہ، کہ یہ مخفف ”نہ اہارہ، ہے اور ”نامراد، اور ”ناانصاف، یہ سب درست ہیں۔ ہاں کہاں گئے ہائسی والے معلم؟

قافیہ شایگان کہ جس کو عرب ایضا کہتا ہے، وہ دو طرح پر ہے: خفی و جلی۔ اہل خرد نے خاک اڑائی ہے اور بات خائی ہے۔ خفی اور جلی کی تفسیر میں وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحب طبع سلیم کو بھی اس کو نہ سمجھے، چہ جائے اُن کہ مانتے۔ اصل یہ ہے کہ ایضا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے ہوں جیسے الف فاعل گویا وینا وشتوا۔ شعر اسیر (۴):

اے دانہ تسبیح خیالت دل دانا

سر حلقہ مستان رخت دیدہ ریتا

اور نوں دال مضارع کا جیسا استاد کے اس مطلع میں ہے:

دل شیشہ و چشمان تو ہر گوشہ بردش

مست است مبادا کہ بناگہ شکندش

اور ایسا ہی ہے الف نوں جمع کا، مثل چراغان و جواتان اور ایسا ہی ہے الف نوں حالیہ، مانند گریبان و خندان۔ پس اگر یہ مطلع میں آہڑے تو ایطائے جلی ہے۔ اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ میں آہڑے، تو ایطائے خفی ہے۔

آئندہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قابل تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو اور جو عبدالواسع اور غیاث الدین اور عبدالرزاق ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے، تو سم جانو۔ ایک شخص بھیک مانگتا ہے باب نے اس کا نام میر بادشاہ رکھ دیا ہے۔

---

(۱) میرزا جلال الدین اسیر (وفات ۱۰۳۹ھ / ۱۶۴۹ء) خیال بندوں کے طبقے کا مشہور شاعر۔



اصل فارسی کو اس کھتری بجے قتل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔ رہا سہا غیاث الدین رام پوری نے کھو دیا۔ ان کی سی قسمت کہاں سے لاؤں جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں ؟ حالاً تھ غور کرو کہ وہ خزان نامہ شخص کیا کہتے ہیں اور میں حسنه و دردمند کیا بکتا ہوں۔ واللہ نہ قتل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے۔ میرا یہ خط پڑھو۔ یہ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی پڑھو۔ قوت معجزہ ہے کام لو، ان غولوں پر لعنت کرو، سیدھی راہ پر آ جاؤ، اگر نہیں آتے تو ہم جانو۔ بھاری بزرگی پر اور میرزا تقیہ کی نسبت پر نظر کر کے لکھا ہے، نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی سری تحریر کو مانو، مگر اس کھتری بجے (۱) اور اس معلم (۲) سے مجھ کو کھتر نہ جانو۔ عربی کا حرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے۔ سمجھو یا نہ سمجھو ہم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام لرواؤ، غور کرو، عبد الواسع یہ میر نہ تھا، قتل برہا نہ تھا، واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں بزدل نہیں ہوں، شعر نہیں ہوں۔ مانتے ہو مانو، نہ مانو، ہم جانو (۳)۔

### (۴)

بعد حمد خداوند و تعریف رسول صلی اللہ علیہ وسلم، پہلے قبلہ روح و روان جناب صاحب عالم صاحب کو ہندگی اور حضرت مقبول عالم (۴) کی شادی کی مبارکباد۔

(۱) قتل۔ (۲) غیاث الدین رام پوری یا عبد الواسع ہانسوی۔ (۳) زور تحریر اور قوت بیان ضرور طلب ہے۔ سوال یہ نہیں کہ میرزا اپنے دعاوی میں کس حد تک حق بحال ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ جس امر کو وہ حق سمجھتے ہیں، اس کے پتہ کرنے میں اتنا زور پیدا ہو جاتا ہے گویا دل و دماغ میں ایک طوفان برپا ہے اور اس کی پہچان موقعیں چھاگ اچھالی ہوئی فترے بن بن کر صفحہ فرطاسی پر بھٹاتی جا رہی ہیں۔

(۴) مقبول عالم، حضرت صاحب عالم کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت شاہ عالم کے چھوٹے بھائی۔



کیا عرض کروں کہ میرا حال کیا ہے ؟ اضمحلال قوی کا حال مختصر یہ ہے کہ اگر کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے ، آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں ، ورنہ بڑا رہتا ہوں ۔ جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں ۔ آج دوپہر کو میر عبدالعزیز صاحب آئے ۔ میں نے کلاہ و بیرہن بلیک پر لیٹا ہوا تھا ۔ ان کو دیکھ کر اٹھا ، مصافحہ کیا ۔ انہوں نے جناب شاہ عالم صاحب کا خط مع مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤں گا ۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں ، خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لے جائیں ۔ وہ تشریف لے گئے ، میں لیٹ رہا ۔ دن کو سونے کی عادت نہیں ہے ۔ جی میں کہا آؤ بیکار کیوں رہو ، خط کا جواب آج لکھ رکھو ۔ اٹھے کون ؟ بکس کھولے کون ؟ لڑکوں کی دوات قلم مونڈے پر بلیک کے پاس رکھ لی ۔ اب مقتضی اس کا ہوا کہ آٹھارہ نامہ بنام اقدس ہو ۔

حضرت ، ضحہ "قلم برہان" تیسری چوتھی نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے ۔ آٹھ جز لکھے گئے ۔ کم و بیش دو جز باقی ہیں ، پرسوں تک آجائیں گے ۔ بعد اس کے انطباع کی فکر دوگی ۔ جب وہ عزت امضا پذیر ہو جائے گی ، حضرت کی نظر سے بڑی شرف پائے گی ۔ حضرت سید عالم کو نیاز ۔ خواجہ عالم کو سلام ۔ چودھری صاحب کو نہ سلام ، نہ نیاز ، صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو مفرح روح سمجھتے تھے ، ہاتھوں کا مزہ ملتا تھا ، خیر و عافیت معلوم ہو جاتی تھی ۔ وہ وظیفہ روحانی منقطع کیوں ہوا ؟ صاحب یہ روش اچھی نہیں ، گاہ کہ رسل و رسائل کا طور بنا رہے ۔

(۴)

پیر و مرشد،

اس مطلع و حسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا ہنکر کیوں کر بچا لاؤں ؟ خدا کی بلند نوازاں ہیں کہ مجھ ہنگ آفرینی کو اپنے خاصان درگاہ سے بھلا کہوانا ہے ۔ ظاہر میرے مقرر میں یہ سعادت



عظمیٰ تھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔ اللہ اللہ ایسے کشتی و سوختی کو یوں بچایا اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا۔ کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی پشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں۔ واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائے گا، ورنہ بلند دعویٰ خدائی کرنے میں مجاہد نہ کرے گا (۱)۔

”کتاب افادت مآب پنج آہنگ نسخہ لطیف شریف تالیف، اس کے آگے غلام ہے کچھ نہ بڑھا گیا، مگر چودھری صاحب اور حضرت شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے۔ پھر بھی دوسرے اسم میں تردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں۔ ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب، ان دو ناموں میں تردد باقی نہیں۔ معیناً یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے؟ اگر ”پنج آہنگ“ مطلوب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک سیپی بوائے ہے نواب ضیاء الدین خان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجموعہ نثر اور کلمات نظم اودو سب نسخے اس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتب خانہ، ڈر کر عرض کرتا ہوں، بیس ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا، لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ ہاں چھاپے کی پنج آہنگیں اب بھی بکتی ہیں اور محبوب بہ دو عیب ہیں : ایک تو یہ کہ جو بعد انتطباع از رسم نثر تحریر ہوا ہے، وہ اس میں نہیں۔ دوسرے کا پی نوہس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے اگر کہوں کوئی سطر غامبی سے خالی نہیں تو اغراق ہے۔ بے مغالہ یہ ہے کہ کوئی صنفہ اغلاط سے خالی نہیں یہ ہر حال اگر فرمائے تو لے کر بویج دوں۔ غنوم زادہ ہمارے والا تبار، پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا، مگر پہلے ان کی خدمت میں

(۱) ظاہر ہے کہ صاحب عالم نے میرزا کی مدح میں قصیدہ لکھ بھیجا تھا۔



اور پھر سید مقبول عالم کی خدمت میں سلام مستون اور اشتیاقی روزِ الزیوں  
عرض کرنا ہوں۔  
(۱۸۶۱ء)

### (۵)

حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحب عالم کو فقیر امداد کی ہندگی ،  
دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا ، مگر یہ نہ معلوم  
ہوا کہ تخت جگر و نور پھر مولوی سید فرزند احمد (۱) کو وہ دیباچہ  
پسند آیا یا نہیں ؟

ہاتھ رعشہ دار ، آنکھیں ضعیف البصر ، حواس مبسوط ہیں۔ قصہ  
مختصر من کل الوجہ غالب مغلوب ہیں۔ دو مہینے ہوئے منشی  
ہر گویاں تفسد بہ سواری ریل یہاں آئے ، ایک شب رہے ، صبح کو  
تشریف لے گئے۔

مخدوم زائدہ شاہ عالم کو سلام اور یہ پیام کہ بطلان حس حافظہ  
کے سب آب کے اخوان کے نام بھول چکا ہوں۔ ان سب صاحبوں کی  
خدمت میں اور میان برکات حسن صاحب اور چودھری عبدالغفور صاحب  
(کی خدمت میں) سلام پہنچائی اور یہ بھی کہہ دیں کہ مولوی غلام  
محبت خان میر منشی نے آب (۲) کا دیباچہ اور میرا مجموعہ "نثر مرتب  
کر کے منشی ممتاز علی خان کو بطبع دیا ہے۔ اب چاہوئے میں ان  
کو اختیار ہے (۳)۔

امداد

۲۶ - اگست ۱۸۶۶ء

(۱) سید فرزند احمد صغیر بلگرامی صاحب عالم مارہروی کے نواسے تھے۔  
ان کے حالات موقع پر آئیں گے یہاں جس دیباچے کا ذکر ہے وہ صغیر کے  
رسالہ تذکیر و تانیث کا دیباچہ تھا ، جو میرزا نے لکھا تھا۔  
(۲) یعنی چودھری عبدالغفور سرور کا لکھا ہوا دیباچہ۔

(۳) یہ عود ہندی کی طباعت کا ذکر ہے۔ اگرچہ یہ مجموعہ مکاتیب  
اگست ۱۸۶۶ء سے بیشتر ممتاز علی خان صاحب کے پاس پہنچ چکا  
تھا ، مگر طباعت میرزا کی وفات سے صرف چار ماہ بیشتر مکمل ہو سکی۔



## شاہ عالم

(۱)

مخدوم زادہ والا تبار ، حضرت شاہ عالم سلام و دعا سے درویشانہ قبول فرماویں۔ آپ کا مع الغیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم بوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو :

یوسف از مصر یکتعان آمد

مترقہ اوقات و سفر رام پور و شدت تموز (۱) مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز گھماوے مسودات دیکھے نہیں گئے تا نزول باران رحمت الہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو۔ اپنے ماموں صاحب کو نیاز معطلانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیے گا اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مرشد ہم عمر و فن کو وہ سلام ، جس سے محبت لڑکے اور اشتیاق برے ، پہنچائیے گا اور عرض کیجیے گا کہ آرزوے دیدار حد سے گزر گئی۔ یارب جب تک حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انورالدولہ کو کالی میں نہ دیکھ لوں اور ان سے ہم کلام نہ ہو لوں ، میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو۔ لیکن ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں۔ اب کے عزم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے (۲)۔

منقہی و مکرمی جودھری عبدالغفور صاحب کو میرا سلام کہیے گا اور یہ پیام پہنچائیے گا کہ حضرت صاحب عالم کی گمنامی دیدار بقید مارہرہ گناہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے :

خواہنی وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں

ان کے اس خط کا جواب ، جو برسوں بعد کو پہنچا ہے ، موم جامہ میں لیٹ کر بھیجوں گا (۳)۔ ان شاء اللہ العزیز۔

(۱) گرمی۔

(۲) اشارہ ہے اپنی اس پیشگوئی کی طرف کہ میں ۱۲۷۷ھ میں مر جاؤں گا۔ تاریخ بھی نکال لی تھی یعنی ”غالب مراد“۔

(۳) بظاہر ان کا کلام یا مثنوی یا کوئی اور چیز ہوگی ، جس کے متعلق لکھا ہے کہ حفاظت کے لیے موم جامے میں لیٹ کر بھیجی جائے گی۔



ہاں جناب شاہ عالم صاحب ، پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے ۔ جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر ہرناپ کے فاصلے پر جانفں جوک میں نقاب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہیں ۔ مرقی صاحب کا کام ان کے سپرد ہوا ہے ۔ یعنی ڈپٹی کانکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں اور ہزار روپے نک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں ۔ لیکن هنوز قائم مقام ہیں ۔ وہ صاحب جی کا نام لکھ آیا ہوں بطریق رخصت سناؤ گیا ۔ ایک دن قیر بھی ان کے مکان پر چلا گیا تھا ۔ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں ان میں جمع ہیں ۔ آنکھیں ان کے حسن صورت سے روشن ہو گئیں ۔ واہ خاک پاک بلگرام ، میں نے وہاں کے جی بزرگوار کو دیکھا ، بہت اچھا بابا ۔

(۱۸۶۰ء)

(۲)

مخدوم زائدہ عالی تان ، مقدس دودمان ، حضرت شاہ عالم ، ابن و لسان و عز و شان و علم و عمر سے برخوردار رہیں ۔ ہمارے حضرت ہم کو بھول گئے ۔ ہاں سچ ہے ان کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر سہر و محبت کا عرض تھا ۔ جب جوہر نہ رہا ہو عرض کہاں؟ یہ ہر حال جناب حضرت صاحب عالم صاحب کو میری ندگی پہنچ جائے اور یہ سطوریں ان کی نظر سے گزر جائیں ۔ چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہیے گا اور یہ بوجہیے گا کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اس کے سوا کوئی اور تصور ہے؟ اگر کوئی جرم ہے تو معاف کیجیے ، اگر کوئی اور جرم نہیں ہے تو مجھے اطلاع دیجیے ۔



ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ آپ کا خط میرے نام کا اور اس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی سپر ویزر علی صاحب کے نام کا پہنچا۔ وہ پڑھا اور بھجوا دیا۔ جو آدمی خط لے کر گیا تھا، وہ دوبارہ جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہوا کہ کل آئیو، دوسری بار حضرت نہ ملے۔ میں نے اس کے جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمت گزاری کی آپ کو اطلاع دی۔

پاے تختانی لکھ چکا تھا کہ ایک چیراسی آیا اور اس نے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا بیچ ان کے خط ڈاک گھر میں بھجوا ہوں۔ صبح کا وقت، یک شبہ کا دن، ۸۔ صفر اور ۱۵۔ اگست کی ہے۔ ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ اطاب الدین۔ سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی ان کے حالات ان کے خط سے معلوم ہو جائیں گے۔ اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں قہر کی دعا پہنچائیے گا۔ والسلام

۸۔ صفر (۱۲۷۷ھ - ۲۵ اگست ۱۸۶۰ء)

### (۳)

مخدوم زائدہ مرادوی نژاد کو ظہیر خاں علی شاہ کی دعا سے خیر پہنچے میں ۳۔ اکتوبر ۱۸۶۵ء یعنی سال حال کو رام پور میں پہنچا ہوں اور دسمبر تک اقامت کا ارادہ ہے۔ آپ خط لکھیں تو رام پور افغانان اندرون قلعہ سرنامے پر پتا لکھیں۔

کل حضرت کا خط پہنچا۔ آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔ میر محمد علی خوش نویس کے نام سے میرے کان آشنا نہیں، مگر ہاں میر نیاز علی صاحب کو جانتا ہوں۔ خدا خیر کرے وہی ہوں جو میرے خیال میں آئے ہیں۔ یہاں سے میں اس باب میں کچھ لکھ نہیں سکتا۔ بشرط حیات دلی پہنچ کر لکھوں گا اور جو کچھ معلوم ہو جائے گا، آپ کو لکھوں گا۔



حضرت! میرے پاس میری تصانیف کچھ نہیں۔ کاپیاں فارسی مطبع اودہ اخبار لکھنؤ میں اور کاپیاں اردو مطبع کل پور میں اور دستور مطبع روہیل کھنڈ بریل میں موجود ہیں، جو صاحب جس کے مشاف ہوں، اس مطبع سے منگوا لیں اور اگر مجھ کو یہ خدمت بجا لانی چاہیے، تو بشرط حیات ہر جگہ سے ہر چیز منگوا کر بیچ دوں گا۔

میرے بیرو مرشد کی خدمت میں میری ہندگی عرض کرو اور کہو کہ خدا آپ کو ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے۔ آپ اتنے ہیں کہ اگر امید وصال نہ ہو تو روح کو جسم سے باہر کر سکتے ہیں۔  
نثر بقول غالب علیہ الرحمہ :

در کینا کشی ضعیف، نگسہ روان از تن  
ابن کہ من نیسے میرم ہم ز ناتوانیاست

رام پور آیا ہوں اور قلعے میں زیر سایہ کاخ والی شہر اترا ہوں۔ اپنا یہ مقطع پڑھ رہا ہوں :

اتفاق سحر القاد یہ میری غالب  
آنچه از پائے نیامد ز عبا میں آید

ظاہر دسمبر تک یہاں رہوں گا۔ چودھری عبدالغفور صاحب کو کچھ نہ کہیے۔ اگر آپ ان کے آگے میرا نام لجیے گا تو وہ خفا ہو جائیں گے۔  
دوستیہ ۶۔ نومبر ۱۸۹۹ء  
جواب کا طالب، غالب  
مطابق ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۸ھ

### سید مقبول عالم

ایک شعر میں نے پت دن سے کہہ رکھا ہے، اس خیال سے کہ میرے بعد کوئی میرا دوست میرا مرثیہ لکھے اور اس شعر کو بند فرار دے کر ترکیب بند رقم کرے۔ وہ شعر یہ ہے :



رنگ غری و نخر طلب مُرد

اسد اللہ خان غالب مُرد

دو صاحبوں کو اس کام کے واسطے اپنے ذہن میں ٹھہرایا : ایک تو مصطفیٰ خان۔ سو انہوں نے شعر کہنے سے نوبہ کی ، دوسرے نواب ضیا الدین خان وہ اکثر بیمار رہتے ہیں اور بیمار کو کہتے ہیں ، اس اب اپنے پیرو مرشد صاحب عالم صاحب سے اس عنایت کا امیدوار ہوں کہ یہ کاغذ اپنے پاس رکھنے دیں اور وقت پر ترکیب بند لکھیں۔ اللہ ، اللہ ، اللہ (۱)

(۱) میرزا نے ایک غزل کے مطلع میں کہا تھا :

وحشت و شہقت اب مرثیہ کہہ دیں شاید

مر گیا غالب آشفہ نوا ، کہتے ہیں

شیقتہ سے مراد نواب مصطفیٰ خان اور وحشت سے مراد میر غلام علی خان (شاگرد مومن) ہیں۔ جو میرزا اور شہقتہ دونوں کے نہایت عزیز دوست تھے۔ پھر نواب ضیا الدین احمد خان کی طرف توجہ متعطف ہوئی۔ مرثیہ کا ایک شعر بھی کہہ لیا۔ میرزا کی وفات پر خواجہ حالی اور میر مہدی مجروح نے نہایت بردرد مرثیے کہے۔ خصوصاً خواجہ حالی کے مرثیے کو تو اردو ادب میں ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ خواجہ مرحوم نے میرزا کا یہ شعر ایک بند کے آخر میں رکھا ہے اور ان کا مرثیہ ترکیب بند کی شکل میں ہے۔ میر مجروح نے مرثیے کو ترجیع بند بنایا اور تمام بندوں کے آخر میں یہی شعر رکھا۔ صاحب عالم مارہروی یقیناً شعر کہنے تھے اور اغلب انہوں نے کچھ کہا بھی ہوا لیکن خواجہ حالی اور میر مجروح کے انداز میں مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے۔



## حسین میرزا اور متعلقین

میر محمد امین مغلوں کے آخری دور میں ہندوستان آیا اور یہاں کا ممتاز امیر بن گیا۔ سعادت خاں برہان الملک خطاب پایا، اودھ کی حکومت ملی۔ اس کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ تین بیٹیاں تھیں، جن میں سے ایک کی شادی اپنے بھائی محمد مقیم سے کر کے اس کو وارث و جانشین بنایا۔ محمد ملیم ابوالمنصور خاں صدر جنگ نے وزارت حاصل کی۔ اس کی اولاد شجاع الدولہ، آصف الدولہ، سعادت علی خاں نواب وزیر اودھ کی حیثیت میں اودھ کے حکمران رہے۔ غازی الدین حیدر نے انگریزوں کے ایماء سے بادشاہی قائم کی۔ واجد علی شاہ پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

محمد امین کے ساتھ اس کے کئی عزیز اور ہم جد بھی ہندوستان آ گئے، انہیں میں سے ایک حسین میرزا کے بھی جد امجد تھے۔ حسین میرزا کے والد حسام الدین حیدر خاں غیاث الدین محمد یا حسب روایت تساخ محمد غیاث (سجن شعرا ص ۱۰۱) کے فرزند تھے جس نے والدہ حسام الدین حیدر کے انتقال کے بعد ذوالفقار الدولہ نجف خاں کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ اس خاتون کے بطن سے میر محمد خاں زندہ ہوئے۔ حسام الدین حیدر خاں کو سوتیلی والدہ کا سلوک کسی وجہ سے نا خوشگوار محسوس ہوا اور وہ لکھنؤ چھوڑ کر دہلی چلے آئے۔ اکبر شاہ ثانی نے سات گلوں جاگیر میں دے دیے۔ دربار میں ایک سوزوں عہدہ



مل گیا۔ نقد روپیہ بھی خاصا ساٹھ لائے تھے۔ لکھنؤ سے ماہانہ بھی مل جاتا تھا۔ پھر دہلی میں شاہان اودھ کی جاگیر کا انتظام ان کے حوالے ہو گیا۔ مبارز الدولہ ممتازالملک حسام جنگ ان کے خطابات تھے۔ جلی ماروں کے اندر شاندار حویلی میں رہتے تھے، جہاں نواب احمد بخش خان، انہی بخش خان معروف اور ان کے دوسرے اہل خاندان مقیم تھے۔ ہمسایکی کے باعث گہرے دوستانہ روابط پیدا ہو گئے۔ اسی سلسلے میں حسام الدین حیدر خان اور میرزا غالب کے دوستانہ بھی خویشوں کی سی محبت کا رستہ قائم ہو گیا۔ ۱۸۳۶ء میں حسام الدین حیدر خان کا انتقال ہوا۔

حسام الدین حیدر خان شعر بھی کہتے تھے۔ نامی بخش تھا۔ ان کا اردو دیوان مرتب ہوا اور میرزا غالب نے اس پر فارسی میں نہایت عمدہ دیباچہ لکھا (کلیات شعر فارسی ص ۸۵-۸۸) فارسی دیوان بھی تھا، لیکن اس کا کچھ پتا نہ چل سکا۔

حسام الدین حیدر خان کی شادی نجف علی خان کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ان کے دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بڑے بیٹے کا نام سرفراز الدین حیدر خان اور خطاب مظفر الدولہ تھا۔ اس نے زندگی آزادانہ گزاری، کبھی کوئی مشغولیت پسند نہ کی۔ ان کی دادی بخش محمود خان کی صاحبزادی عالیہ بیگم سے ہوئی تھی۔ غدر میں وہ دہلی کے بعض دوسرے اکابر کے ساتھ فور چلا گیا۔ بعد غدر پکڑا آیا۔ گوڑ گنہ میں بلا تحقیق و تفتیش اسے گولی مار دی گئی۔ غالباً اس کے ساتھ شیخ ابراہیم ذوق مرحوم کے اکلوتے فرزند خلیفہ اسماعیل بھی ناحق معرض قتل میں آئے۔

حسام الدین حیدر کے دوسرے فرزند معین الدولہ ذوالفقار الدین حیدر خان ذوالفقار جنگ تھے۔ جن کا نام حسین میرزا تھا۔ وہ ۱۲۲۳/۱۸۱۸ء



میں پیدا ہوئے۔ مطلق الدولہ سے چودہ برس اور محمدرہ سے چار برس چھوٹے تھے۔ ان کی شادی صغیرالدولہ جلیل الملک انتخارا الامرا احمد حسین ظفارت خاں بہادر مستقیم جنگ کی صاحبزادی سے ہوئی اور خسار کے انتقال کے بعد دربار مغلیہ میں ظفارت کا عہدہ حسین میرزا ہی کو ملا۔ اسی وجہ سے وہ ”ظفر جی“ مشہور ہوئے۔

حسین میرزا ”غدر“ میں باہر جا نہیں سکتے تھے، کیونکہ شاہی ملازم تھے۔ انگریز دوبارہ دہلی میں داخل ہو گئے تو حسین میرزا سولہین کو لے کر صفدر جنگ کے مقبرے میں چلے گئے لیکن کس حالت میں؟ اجمیری دروازے سے صفدر جنگ کے مقبرے تک زیادہ سے زیادہ تین چار میل کا فاصلہ ہوگا جسے طے کرنے کے لیے دس ہزار روپے لٹیروے گوردروہ کے حوالے کرنے پڑے۔ پھر نواب حامد علی خاں کے ساتھ یوست چلے گئے، جو نواب کا وطن تھا۔ وہ دربار کے ظفر جی اور انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گولٹاری کے وارنٹ جاری ہو گئے۔ چہتے چہتائے چلے باقی رہ گئے۔ انصاروہ نے اپنی جانبی خطرے میں ڈال کر انہیں بچایا۔ پھر بغیر بدل کر لکھنؤ پہنچے اور روپوش رہے۔ اعلان عفو عام پر دہلی آئے۔ کل حایداد ضبط ہو چکی تھی۔ بڑی پریشانیوں اٹھائیں۔ سالار جنگ دوم دہلی آئے تو ان سے ملے اور انہوں نے حیدرآباد بلا لیا۔ وہاں جاتا چاہتے تھے کہ آثار جنوں بمبار ہوئے۔ جن ہولناک مصائب سے وہ گزر چکے تھے، ان کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا۔ باقی زندگی عالم جنوں ہی میں گزاری۔ رمضان ۱۲۰۳ھ/۱۸۱۳ء۔ اپریل ۱۸۹۰ء کو انتقال ہوا۔

مہرج نے تاریخ وفات کسی :

حسین میرزا چوں مرد درخشش رمضان

از آنکہ بود ز نسل امیر خیر گیر

ہے شامہ سال وفات رضوان گفت

یا بکاخ جنان لے امیر ابن امیر

ان کے بڑے فرزند سجاد میرزا تھے اور چھوٹے اکبر میرزا۔ اکبر میرزا



نے خاندان کے پورے حالات قلمبند کر دیے تھے۔ یہ غلطیوں  
ان کے فرزند احسن میرزا کے پاس ہے۔ اسی سے مجھے تفصیلات معلوم  
ہوئیں۔ سجاد میرزا نے ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی۔  
ان کی شہنیر قصبہ سلطان کی شادی مرشدآباد کے ایک عالی قدر امیر  
محمد نصیر عرف نواب جان سے ہوئی تھی، جو زیادہ تر لکھنؤ میں  
رہتے تھے لیکن قصبہ سلطان نے زندگی کا بڑا حصہ دہلی میں گزارا۔  
یوسف میرزا (سید ناصر الدین حیدر خان متخلص بہ ناصر) اور مظاہر میرزا ان  
کے فرزند تھے۔

سید محمد نصیر عرف نواب جان بیوی ”غفرہ“ ہیں گرفتار ہوئے اور  
انہیں چودہ برس قید کی سزا ہوئی۔ (میرزا کا مکتوب بنام یوسف میرزا ۱۲۰۲)  
لیکن معلوم ہوتا ہے، اس نے اوائل قید ہی میں وفات پائی بعض اصحاب  
نے لکھا کہ انہیں بیانیسی کی سزا دی گئی۔ لیکن خود میرزا غالب کی  
تحریر سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ میر نصیر کی موت طبعی تھی (دیکھیے  
مکتوب محولہ بالا)۔

آخر میں اتنا اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ شمس العالی مولانا محمد حسین  
آزاد کے صاحبزادے آغا ابراہیم کی شادی حسین میرزا ہی کے خاندان میں  
ہوئی تھی۔

## (۱)

جناب نواب صاحب،

شکوہ کرنا سہل ہے۔ سب سبھی کہیں سے منت کی ہانڈ آگئی۔  
حضرت نے شکوہ لکھا۔ یوسف میرزا صاحب نے نظم و نثر کے لکھنے کا  
حکم چڑھایا۔ بھائی تمہارے خط کا جواب آگے لکھ کر پہنچ چکا ہوں۔  
اپنی طرف سے سلطان عالم (۱) کو ایسی عرض نہ لکھوں گا اور جب لکھوں گا

(۱) واجد علی شاہ جو معزول ہو کر ۱۸۵۶ء سے کلکتہ میں مقیم تھے۔



یہ خدا میرے خداوند (۱) کو سلام رکھے ، بواسطہ ان کے بھیجوں گا ۔  
 تم کو چاہئے کہ اپنی طرف سے لازمی متعارفہ مروجہ میں لکھ  
 بھیجو ۔ یہی تم کو لکھ چکا ہوں اور اب یہی جواب ہے یوسف میرزا کو ۔

برسوں میرزا آغا جان صاحب آئے تھے ۔ وہ کہتے تھے کہ بھاڑا سنگھ  
 اور کلثی نانہ آئے ہوئے ہیں ۔ میں نے کہا کہ وہ نہ میرے کام کے ،  
 نہ تمہارے کام کے ۔ کام کریں کیا ، گنجایش ہی نہیں اور جو کچھ ہوتا  
 جانا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ جس طرح صبح ہوئی ، شام ہوئی ، ابر آیا ،  
 سینہ برسا یعنی سعی کو ، نشہ کو ، خواہش کو دخل نہیں ۔

آبادی (۲) کا آواز بھر مرو ہے ۔ لاہوری دروازے کے علاقے میں کچھ  
 کم سو گھر آباد ہوئے ہیں ۔ کئی ہزار گھر کی بستی ہے ۔ ان علاقہ  
 تعالیٰ دو چار برس میں وہ علاقہ آباد ہو جائے گا اور جب وہ علاقہ آباد  
 ہو جائے گا تو دوسرا علاقہ شروع ہوگا ۔ گھبراؤ نہیں ، جلدی کیا ہے ؟

آج سردار سنگھ ولد جگت سنگھ میرے پاس آئے تھے ، تمہارے مکان کا  
 بنا لکھوا لیے گئے ہیں ۔ شاید تم کو خط لکھیں ۔ میر عنایت حسین گڑھ  
 پنکو بن کر اڑ گئے ۔ کئی آدمیوں سے کہا ، انہوں نے کہا اب وہ وہاں نظر نہیں  
 آتے ۔ میرے پاس ہر ہفتے کے آنے والے ، اب سینا پور سے نہیں آتے ۔  
 میر مرٹضیٰ حسین کا خط ان کے نام کا میرے پاس دھرا ہے ، جب وہ  
 آئیں گے ، ان کو دے دوں گا ۔ جگت سنگھ کا لکھنو سے روانہ ہونے کا  
 قصد سردار سنگھ سے کہہ دیا ۔

اب کے تمہارے خط میں مظفر میرزا کی طرف سے کچھ نہیں ۔ اس سے  
 مستنبط ہوا کہ وہ اور جگت سنگھ ، جیسا کہ تم نے لکھا تھا ، لکھنو

(۱) مجتہد العصر ، انہی کی وساطت سے میرزا کے قصیدے بادشاہ کے دربار میں  
 پیش ہوئے تھے ۔

(۲) یعنی ان لوگوں کی آبادی شہر میں جو زمانہ ”عہدہ“ میں یا اس کے  
 بعد میں شہر سے نکل گئے تھے ۔



ہے کول اور مراد آباد کو گئے۔ میر امداد کا ذکر میں نے میرزا آقا جان صاحب سے کر دیا ہے کہ اچھا ہے، اگر وہ حسین میرزا صاحب اور حسینی صاحب (۱) کی طرف سے بخار ہو جائیں۔ کل جمعہ تھا، یقین ہے کہ صاحب کمشنر سے ملے ہوئے، عرض دی ہوگی۔ اس کا حال مجھ کو لکھو۔

یہ ہو لیا، میرا دیکھ سٹو۔ بھانکا نہیں، بکڑا نہیں کیا۔ دفتر قلعہ سے کوئی میرا کاغذ نہیں نکلا۔ کسی طرح کی بے خیالی و تنگ حواس کا دھبا مجھ کو نہیں لگا۔ یہاں ایک اخبار جو گوری شکر یا گوری دیال یا کوئی اور، غدر کے دنوں میں پھینکا تھا۔ اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی لکھی کہ فلاں تاریخ اسد اللہ خان غالب نے یہ سکہ کہہ کر گزرنا :

بہ زر زد سکہ کشور ستانی

سراج الدین بہادر شاہ ثانی

مجھ سے عندالملاقات صاحب کمشنر نے پوچھا کہ یہ کیا لکھتا ہے۔ میں نے کہا غلط لکھتا ہے۔ بادشاہ شاعر، بادشاہ کے بیٹے شاعر، بادشاہ کے نوکر شاعر۔ خدا جانے کسی نے کہا۔ اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں نے کہہ گزرنا تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا گزرنا اور اب کو چاہیے حکیم احسن اللہ خان سے پوچھئے۔ اس وقت تو چپکا ہو رہا۔ اب جو اس کی بدلی ہوئی نو جانے سے دو ہفتے پہلے ایک قاوسی روکاری لکھی کہ یہ جو اسد اللہ خان قاوسی کے علم میں یکتا

(۲) حسینی صاحب کے معاملے میں تردد ہے۔ اول حسین میرزا مرحوم کی ہمنیر کو جن کا نام قلیہ سلطان تھا کو خاندانی والے عموماً حسینی ہی کہہ کر پکارتے تھے۔ دوسرے جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں حسین میرزا کی بیگم کا نام بھی ”حسینی“ تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کسی بیگم کا ذکر ہے۔



مشہور ہے ، اس سے کام نہیں نکلتا ۔ یہ منحصر بادشاہ کا نوکر تھا اور اس کا سکھ لکھا ۔ ہمارے نزدیک ہنس کے ہانے کا مستحق نہیں ہے ۔ غرض اس مقصود سے یہ ہے کہ میں یہاں موجود ہوں اور عملے سے راہ و رسم ہے ۔ یہ تو کوئی بتانا نہیں کہ تاریخ رویکاری کیا ہے اور یہ صدر کو بھیجی گئی ہے یا نہیں ؟ اب حیران ہوں کہ کیا کروں ۔ کمشنر جدید سے مانوں گا ۔ اس سے ، اگر دے گا ، تو قتل ہوں گا ۔ جواب از راہ احتیاط اس کمشنر کے عہد میں بھی بھیج چکا ہوں ۔ مگر غور..... اور ایک جانب سے مقدمہ کیا (۱)۔ بھائی میں نو علی علی کر رہا ہوں ، حیوں تو اور مروں تو۔ کہیں جواب صاف مل چکے تو اس شہر سے چلا جاؤں ۔ یہ دو روپے (۲) روز بھی اس غاصب ملعون کی گور میں جائیں ، جس نے مجھے دس ہزار روپے سال میں سے یہ کچھ دیا ہے ۔ علیہ العتسوالعذاب ۔

یوسف میرزا کو دعا پہنچے ۔ بھائی ، میں میر احمد حسین ولد میر روشن علی خاں نے مجھ سے کہا کہ حضرت ! جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے ہیں تو میں مرشدآباد میں تھا ۔ وہاں میں نے یہ سکھ سنا تھا ۔ ان کے کہنے سے مجھے یاد آیا کہ مولوی محمد باقر نے خبر وفات اکبر شاہ ،

(۱) جہاں نقطے لگائے ہیں وہاں کی عبارت بڑھی نہیں گئی ۔

(۲) میرزا کی پنشن ہشت روپے آٹھ آنے تھی ۔ اس کو دو روپے روز سے تعبیر کیا اور اشارہ بظاہر نواب احمد بخشی کی طرف ہے ، جن کی وجہ سے دس ہزار سالانہ کی پنشن دو ہزار ہوئی ، جس میں میرزا کا پورا خاندان شریک تھا اور میرزا کے حصے میں ہشت روپے آٹھ آنے آئے تھے ۔ یہ انتہائی پریشان حالی اور تکلیف کا دور تھا ۔ بھاری خرچ میرزا کے ذمے تھے اور آمدنی کا ہر دروازہ بند تھا ۔ وہ گھر کی چیزیں بیچ بیچ کر خرچ چلائے تھے ، اس لیے شہر میں انتہائی ملخی آ گئی :

دریں خستگی روزن از من بھری

بود بندہ خستہ گستاخ گوی



جلوس بہادر شاہ جہاں چھاپی تھی ، وہاں اس سکے کا گزونا ذوق کی طرف سے چھاپا تھا اور جلوس بہادر شاہ اکتوبر کے مہینے ۱۸۳۷ء یا ۱۸۳۸ء (۱) میں ہوا ہے۔ بعض صاحب اخبار جمع رکھتے ہیں۔ اگر وہاں اس کا پتا پاؤ گے اور وہ برجہ اخبار اصل بیضہ مجھ کو بوجھلاؤ گے تو بڑا کام کرو گے۔ میں نے اکبر آباد ، فرخ آباد ، مارہرہ ، میرٹھ اپنے احباب کو لکھا ہے۔ اب تم کو بھی لکھا ہے۔ کالی کو لکھنا باقی ہے۔ وہ بھی کل برسوں لکھوں گا۔ اکتوبر ، نومبر ، دسمبر ۱۸۳۷ء ، ۱۸۳۸ء تین مہینوں کے بارہ پارچہ اخبار دیکھتے جائیں۔

محرمہ شنبہ ۱۸۔ جون ۱۸۵۹ء

## (۲)

یا حسین ابن حیدر ، روحی لداک

جہاں تک لکھ چکا ہوں کہ محمد علی خاں کے نام کا خط کاو سے بنو بیگم صاحبہ نے لے لیا۔ محمد علی خاں علی حی (۲) گئے ہوئے تھے۔ کل رضا شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ نے وہ خط میر رستم علی کو دیا اور وہ اس خط کو لے کر درگاہ گئے۔ آفرین صد آفرین میر رستم علی کو دوست کے کام کے واسطے اتنی دور پیادہ جانا۔ آج دوپہر کو میر صاحب میرے پاس آئے اور وہی خط کھولا ہوا لائے اور کہا کہ میں نوید رائے کو حرف بہ حرف یہ خط پڑھا لایا ہوں۔ میں نے کہا کہ کاشی ناٹھ

(۱) صحیح تاریخ جلوس اکتوبر ۱۸۳۷ء تھی۔

(۲) علی حی ، جسے غالباً علی گنج بھی کہتے تھے اور وہ درگاہ شاہ مردان کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہی ذوالفقار الدولہ نجف خاں کی قبر ہے۔ یہ مقام دہلی سے قطب صاحب جانے والی سڑک پر مقبرۃ صغیر جنگ سے ذرا آگے واقع ہے۔



کو کہوں نہ دکھایا ؟ انہوں نے کہا کہ تم دیکھ کر، بڑھ کر اپنے آدمی کے ہاتھ کٹائی کے پاس بھیج دینا۔ میں نے سوچا کہ کٹائی ناتھ دیکھنے کا اور اتنا پیپر دے گا۔ نہ آدمی سے کچھ کہے گا، نہ میرے پاس آئے گا۔ میں نے میرے صاحب سے کہا آپ ہی کٹائی ناتھ کو دکھایا کر اور اس سے بات چیت کر کے مجھ کو لادیں گے۔ وہ اس خط کو بموجب میرے کہنے کے لے گئے۔ کل برسوں وہ آئیں گے، تب فکر کی جائے گی۔ مگر بھائی بیچ بہ بڑا ہے کہ محمد قلی خان رضا شاہ کے ساتھ ہانودی جائے ہیں۔ محرم وہاں کوئیں گے۔ لاکھو بیگم والدہ اکبر علی خان نے ان کو بلایا ہے تو اب یہ مقدمہ ان کی معاونت کے بعد ہوگا۔ کاغذ میرے پاس دھرے رہیں گے۔

صاحب ! محمد قلی خان نے غلط لکھا ہے۔ نہ حسن علی خان مقدمہ نہ حامد علی خان، نہ حکیم امین اللہ خان۔ حکیم آخر ان تینوں صاحبوں کے واسطے نہیں ہوا۔ حکیم امین اللہ خان کے مکانات پر ان کو قبضہ مل گیا۔ زمانے مکانات میں، جو غلبہ جام ہے، ایک انگریز اترا ہوا ہے۔ بیتیس روٹ مہینا ان کو کرایہ دیتا ہے اور وہ دونوں آدمی (۱) اپنی بیوی لکھنے ہوئے ہیں۔ امین اللہ خان اپنے مکان میں جا رہے۔ دیوان خانے کو محل سرا بنایا، خود جہاں اسطبل تھا، وہاں بیٹھتے ہیں۔ دیہی رام، سالک رام کو ان کے مکانات مل گئے۔ ایسا بھی سنا ہے کہ ان کے دفینے بچ گئے۔ اب وہ حامد علی خان کو قطب الدین سوداگر کی حویلی سے اٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے ہیں۔ سردار میرزا کا حال مجھے اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ رضا شاہ کبھی کبھی ان کی بندگی مجھ کو کہہ دیتے ہیں۔ آج یا کل رضا شاہ آ گئے تو میں بیگانہ وار نکاح و منعمہ کا حال ان سے بوجہ لوں گا۔

پنجشنبہ ۲۶ ذی الحجہ (۱۲۷۶ھ) (۲۸ جولائی ۱۸۵۹ء)

(۱) حسن علی خان اور حامد علی خان۔



تمہارے خطوں کا اور یوسف میرزا کے خطوں کا جواب بھیج چکا ہوں۔  
 محمد علی خاں صاحب ہمہ تن مصروف ہیں۔ دوالی کی تعطیل ہو چکی ہے۔  
 نوٹد رائے کی بڑی مرگئی ہے، وہ محزومہ ہو رہا ہے، مگر خیر، کام  
 کرے گا، کاشی ناتھ کے پورا آدمی ہے۔ تم ایک خط ناکیدی اس کو  
 بھی لکھ دیجو۔ اکثر وہ کہا کرتا ہے کہ حسین مرزا صاحب جب  
 لکھتے ہیں، مرزا نوشہ صاحب ہی کو لکھتے ہیں۔ یہ امر اس پر ظاہر  
 نہ ہو کہ میں نے تمہیں بول لکھا ہے۔ مطلب اپنا اس کو لکھو۔

میں کیا کروں؟ اگر کہوں کہ میری جان بھی تمہارے کام آئے تو میں  
 حاضر ہوں، یہ کہنا تکلف محض ہے۔ کون جان دیتا ہے اور کون کسی سے جان  
 مانگتا ہے؟ مگر جو فکر مجھ کو تمہاری ہے اور جو میری دسترس ہے،  
 اس کو میرا خدا اور میرا خداوند جانتا ہے۔ دسترس کو تم بھی جانتے ہو۔  
 ان شاء اللہ تعالیٰ اوائل ماہ آئندہ یعنی نومبر میں نیر والا (۱) مقدمہ درست  
 ہو جائے گا۔

ان سطور کی تحریر ہے مراد یہ ہے کہ ابھی جینی لال تمہارا فرضخواہ  
 آیا تھا، تمہارا حال پوچھتا تھا۔ کچھ جھوٹ سچ کہہ کر اس کو  
 اس راہ پر لایا ہوں کہ سو دو سو روپے تم کو بھیج دے۔ بیوی کی  
 طرح تقریر اس کو سمجھائی ہے کہ لالہ جس درخت کا پھل کھانا منظور  
 ہوتا ہے تو اس کو پانی دیتے ہیں۔ حسین مرزا تمہارے کھیت ہیں۔  
 پانی دو تو کچھ اناج پیدا ہو۔ بیانی کچھ تو نرم ہوا ہے۔ تمہارے مکان

(۱) اس سے اشارہ غالباً اس مقدمے کی طرف ہے جو ضیاء الدین احمد خاں  
 نیر نے اپنے بڑے بیانی نواب امین الدین احمد خاں والی لوہارو کے  
 خلاف دائر کر رکھا تھا۔ پہلے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ریاست یہ حصہ  
 برابر تقسیم ہو جائے۔ اس کا فیصلہ یہ ہوا کہ امین الدین احمد خاں  
 نصف رقم ضیاء الدین احمد خاں کو دیا کریں۔ ایک مقدمہ واجب الوصول  
 رقم کے لیے بھی تھا۔



کا ہٹا لکھوا کر لے گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ میں اپنے بیٹے رامچئ داس سے صلاح کر کے جو بات ٹھہرے گی ، آپ سے آ کر کہوں گا۔ اگر وہ روایہ ہیچ دے ، تو تو کیا کہتا ہے اور اگر وہ خط لکھے اور تم اس کا جواب لکھو تو یہ ضرور لکھنا کہ اسد اللہ نے جو تم سے کہا ہے وہ سچ ہے اور وہ امر ظہور میں آئے والا ہے۔ اس زیادہ کیا لکھو۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ سردار مرزا صاحب (۱) تشریف لائے۔ میں نے خط ان کو نہیں دکھایا ، مگر عندالامتضار کہا گیا کہ خط حسین مرزا صاحب کو لکھتا ہوں۔ انہوں نے کہا برا سلام لکھنا اور لکھنا کہ یہاں سب خیر و عافیت ہے میں اور سب کو دعا سلام کہتے ہیں۔ یوسف میرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ اس وقت سردار میرزا سے دریافت ہو گیا کہ عباس میرزا کے نام کا تمہارا رقعہ ان کو پہنچ گیا۔

شعبہ ۹ اکتوبر ۱۸۵۹ء

(۳)

جناب عالی !

کل آپ کا خط لکھا ہوا سہ شعبہ یکم نومبر کا پہنچا۔ لعاف یہ کہ کل وہی سہ شعبہ کا دن ۸۔ نومبر کی تقویٰ۔ آج بدھ کا دن ، ۹۔ نومبر

(۱) سردار میرزا بن حیدر حسین خان جو اعتماد الدولہ میر افضل علی کے نواسے یعنی ان کی بیٹی امراؤ بیگم کے بطن سے تھے۔ وہ حسین میرزا کے ہم ژانف بھی تھے یعنی ان کی شادی بھی ضمیر الدولہ جلیل الملك افتخار الامرا احمد حسین نظامت خان بہادر مستقیم جنگ کی ایک بیٹی سے ہوئی تھی۔ انہی نظامت خان کی وفات پر ان کا عہدہ حسین میرزا کو ملا تھا اور وہ ناظر حی مشہور ہوئے۔ عباس میرزا ، یوسف میرزا اور وزیر میرزا انہی اکبر میرزا کے بیٹے تھے۔ خود حسین میرزا کے بھائی یوسف میرزا الگ شخص تھے۔



کی ، صبح کے وقت میں تم کو خط لکھنے بیٹھا تھا کہ برخوردار یوسف مرزا کا خط لکھا ہوا ، م۔ نومبر کا پہنچا۔ اب میں دونوں خطوں کا جواب باہم لکھتا ہوں۔ دونوں صاحب باہم بڑھ ایں۔

مرزا آغا جانی صاحب اچھی طرح ہیں۔ ان کو ٹپ آ گئی تھی۔ اب ٹپ مفارقت کر گئی ہے ، مگر ضعف باقی ہے۔ آج چوتھا دن ہے کہ میرے پاس آئے تھے۔ کاشی ناتھ سرامچیاو تھے کھڑا ہے ، نوند رائے یک سر ہزار سودا۔ محمد قلی خان اکثر علی جی رہتے ہیں ، کبھی یہاں آ جاتے ہیں ، ٹپ نوند رائے کو تاکید کرتے ہیں۔ آج کل یہاں پنجاب اعلیٰ کے بہت حاکم فراہم ہیں۔ یون ٹوٹی کے باب میں کونسل ہوئی۔ برسوں سے۔ نومبر کو جاری ہو گئی۔ سالک رام خزانچی ، چھٹا مل ، سہیش داس ، ان تینوں شخصوں کو یہ کام بطور امانی سپرد ہوا ہے۔ غلے اور ایلے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں کہ جس پر محصول نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے ، خلق کا ازدھام ہے۔ آگے حکم تھا کہ مالکین رہیں ، کرایہ دار نہ رہیں ، برسوں سے حکم ہو گیا ہے کہ کرایہ دار بھی رہیں۔ کیوں یہ نہ سمجھنا کہ تم یا میں یا کوئی اور اپنے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے۔ وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور ہمیشہ سے کرایے کے مکان میں رہتے تھے ، وہ بھی آ رہیں ، مگر کرایہ سرکار کو دیں۔ تم انصاف کرو کہ ہمیشہ کی درخواست کیوں کر گزری۔ جب وہ خود آئیں اور درخواست دیں اور منظور ہو اور مکان ملے تو اس تمام شہرستان ویران میں سے ایک جوبلی ملے گی اور ان کو یہاں رہنا ہوگا۔ کیوں کر اس ویرانے میں تنہا رہیں گی ؟ سہم کر دم نکل جائے گا۔ مانا کہ جبر اختیار کر کر رہیں ، کھائیں گی کہاں سے ؟ بہر حال یہ سب خیالات خام اور جملے ناممکن ہیں۔ نقل حکم لینی اور پھر مراجعہ کرنا اور پھر اس حکم کی نقل لینی ، یہ امور ایسے نہیں کہ جلد فیصل



ہو جائیں۔ حکام نے پروا ، مختار عظیم القریٰ ، میں بالمشکتہ۔ محمد قلی خان  
کیسی جان ، کیسی وہاں۔ وقت پر موقوف ہے ، گھبراؤ نہیں۔

حکیم احسن اللہ خان کے مکانات شہر ان کو مل گئے اور یہ حکم ہے  
کہ شہر سے باہر نہ جاؤ ، دروازے سے باہر نہ نکلو ، اپنے گھر میں  
بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خان کے مکانات سب ضبط ہو گئے۔ وہ قاضی  
کے حوض میں کراٹے کے مکانات میں مع مستوعہ کے رہتے ہیں۔  
باہر جانے کا حکم ان کو بھی نہیں۔ میرزا الہی بخشی کو حکم کراچی  
بندر جانے کا ہے۔ انہوں نے زمین پکڑی ہے۔ سلطان جی میں رہے ہیں۔  
عذر کر رہے ہیں۔ دیکھئے یہ جبر اللہ جانے یا یہ خود اللہ جائیں (۱)۔

۹- نومبر ۱۸۵۹ء

(۵)

نواب صاحب،

آج نمبر روز ہے کہ حال ہم کو لکھ چکا ہوں۔ محمد قلی خان آئے۔  
ہم میں ان میں باہم گفتگو ہوئی۔ نواب گورنر کی آمد میں کچھ پرانہ ہند ،  
حکام میرٹھ کو جیلے جاتے ہیں۔ ۱۹ یا ۲۰۔ دسمبر کو میرٹھ عظیم خیام  
ہوگا۔ رہا دلی کا آنا ، مشتبہ یہ ہے۔ کوئی کہتا ہے نہ آئیں گے،  
کوئی کہتا ہے جرینہ بسپل ڈاک آئیں گے۔ کوئی کہتا ہے مع لشکر  
آئیں گے ہانچ دن جاں رہیں گے۔ آج ۱۵۔ دسمبر کی ہے جو کچھ واقع  
ہوگا ، وہ ہم کو لکھوں گا۔ قلی حکم کی درخواست اور اس مقدمہ کی  
فکر بعد اس سنگم کے عمل میں آئے گی ، خاطر خاطر جمع رہے۔

گھارا دوست (۲) بھی حسب الحکم کمشنر ہانسی حصار کل یا برسوں  
میرٹھ کو جانے کا اور ادھر سے امین الدین خان بھی وہاں آئے گا۔ میرا

(۱) یعنی دیکھئے یہ حکم واپس ہو جانے یا وہ اس کی تعمیل پر مجبور  
ہو جائیں۔

(۲) بظاہر صبا الدین احمد خان نیر۔



دربار اور خلعت دریا برد ہو گیا۔ نہ پنسن کی توقع، نہ دربار اور خلعت کی صورت۔ نہ سزا، نہ انعام، نہ رسم معمولی قدیم۔

یوسف میرزا کو دعا پہنچے۔ برسوں کا جوٹا لے آیا۔ کل دونوں طرف سے کھینچا ہوا لے کر گیا، لاک کے کار پردازوں نے اتنا پھیر دیا اور کہا کہ پولندہ بنا لاؤ۔ پولندہ بنا کر لے گیا۔ کہا باوہ پر دو بجے لے لیا جائے گا۔ بیٹھا رہا۔ رات کے نو بجے اس کے سامنے روانہ ہوا۔ رسید لے کر اپنے گھر آیا۔ خدا کرے تم کو پہنچ جائے اور پسند آئے۔

قصیدے کے باب میں میں مایوس مطلق ہوں۔ مگر جو کچھ واقع ہو بطریق خیر لکھ بیچنا (۱)۔ مثنوی "ہاد مخالف" (۲) کی رسید مہماری تحریر سے معلوم ہو گئی۔ قیل خانہ، فلک ہیرا، لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرائے گئے۔ بلالی بیگم کا کوچہ النوا میں ہے۔ اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں۔ اہل قلم بجائے ہیں (۳)۔ بابان کار دیکھئے کیا ہو۔

جمعہ ۱۶۔ دسمبر ۱۸۵۹ء

(۶)

نواب صاحب،

برسوں صبح تمہارا خط پہنچا۔ چار دن جڑھے لاؤ صاحب کا لشکر آیا۔ کالی دروازے کی فصیل کے قریب، بھولو شاہ کی قبر کے سامنے، خیمہ خاصہ برپا ہوا اور باقی لشکر تیس ہزاری باغ تک اترا ہے۔

پنجشنبہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۵۹ء

- (۱) واجد علی شاہ کی مدح کا قصیدہ۔
- (۲) میرزا کی فارسی مثنوی جو کلکتہ میں لکھی گئی تھی۔ اس میں میرزا نے فارسی زبان کے متعلق اپنا مسلک واضح کیا تھا نیز ان اعتراضات کا جواب دیا تھا، جو میرزا کے کلام پر قتیل کے حامیوں نے کیے تھے۔
- (۳) اہل قلم سے مراد ہیں کنسوری یعنی سول حکام۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کچھ مدت تک دہلی کا انتظام اہل فوج یعنی عسکریوں کے ہاتھ میں رہا۔ پھر سول حکام کے حوالے کر دیا گیا۔ جن مقامات کے نام آئے ہیں وہ دہلی کے محلے تھے اور وہ لال قلعے اور جامع مسجد کے درمیان تھے، جنہیں ڈھا کر ایک وسیع میدان پیدا کر لیا گیا۔



اب غالب کی مصیبتوں کی داستان سنیے۔ برسوں پہلے اس کا خط لکھا کرتے ہوئے لکھ کر کو گیا۔ میر منشی سے ملا۔ ان کے حیمہ میں پٹہ کر صاحب سکندر بھادر کو اطلاع کروائی۔ حیراس کے ساتھ کلو بھی گیا۔ جواب آیا کہ ہمارا سلام دو اور کہو کہ فرصت نہیں ہے۔ خبر میں اپنے گھر آیا۔ کل پھر گیا، خبر کروائی، حکم ہوا کہ غدر کے زمانے میں ہم باغیوں کی خوشامد کرتے رہتے آئے، اب ہم سے ملنا کہوں مانگتے ہو؟ عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا۔ یہ جواب پیام نوریدی جاوید ہے۔ نہ دربار، نہ خلعت، نہ ہنس۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

عبد خیر لکھنؤ یہ ہے کہ راجہ بھرت پور برائے لے کر پٹالے گیا تھا اور اس سبب سے آگرے میں لارڈ صاحب سے نہیں ملا تھا۔ ایک ہفتے سے معاودت کر کے یہاں آیا ہوا تھا۔ آج اس کی ملازمت ہے۔ شنبہ ۱۰- دسمبر ۱۸۵۹ء گیارہ بجے ہوں گے۔ میں خط لکھ رہا ہوں۔ توہیں چل رہی ہیں۔ شاید راجہ صاحب کی ملاقات اس وقت ہونی۔ کل یک شنبہ ہے۔ برسوں دو شنبہ یا سہ شنبہ کو لارڈ صاحب کا کوچ ہے۔ کہتے ہیں کہ پشاور تک جائیں گے۔

کل صبح کو محمد علی خاں آئے۔ ایک عرضی انگریزی ان کے ہاتھ میں۔ کہتے لگے یہ عرضی طالب علی قبل بان نے محمد کو دہر دی ہے اور کہا ہے کہ اس کے گزرائے کا موقع نہیں۔ میں اس وقت سوار ہوا چاہتا تھا۔ بھاری بارس سن کر گیا، اتنا داغ حشر و خفا اوپر لکھ آیا ہوں لے کر آیا۔

ابراہیم علی خاں الوری میں مستحق ہو کر مر گئے۔ خدا ان کو بخشے اور مجھ کو بھی یہ دن نصیب کرے۔ کمشنر صاحب کا نائب یہاں کوئی نہیں اور نہ کسی انگریزی خون سے اس کی مدد ہو سکتی ہے۔ اتنا مسدود ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے اور یہ حکم ہے کہ جو رعیت کا



مال کالوں (۱) نے لوٹا ہے۔ البتہ اس کا معاوضہ بحساب دہ یک سرکار سے ہوگا۔ یعنی ہزار روپیہ کے مانگنے والے کو سو روپیہ ملیں گے اور جو گوروں کے وقت کی غارت گری ہے، وہ ہدر اور بھل (۲) ہے۔ اس کا معاوضہ نہ ہوگا۔ شاید یہ وہی کمشنر ہوں۔

مکانات کو حامد علی خاں کا کہہ کر کیوں لکھتے ہو؟ وہ تو مذہب سے ضبط ہو کر سرکار کا مال ہو گیا۔ باغ کی صورت بدل گئی۔ بھل سرا اور کرائی میں گورے رہتے تھے۔ اب پھانگ اور سرنا سر دکانیں گرا دی گئیں۔ سنگ و خشت کو نیا لایا کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ حامد علی خاں کے مکان کا ملبہ نکا ہے۔ سرکار نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک مکان ڈھا دیا۔ جب بادشاہ اودھ کی املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کو کون بوجھتا ہے؟ تم اب تک سمجھے نہیں ہو کہ حکام کیا سمجھے ہیں اور نہ کہیں سمجھو گے۔ کیسا نوٹہ رائے، کسی نعل حکیم، کیسا مراعات۔ جو احکام کہ ذلی میں صادر ہوئے ہیں، وہ احکام قصا و قدر ہیں۔ ان کا مراعات کہیں نہیں۔ اب یوں سمجھ لو کہ نہ ہم کہیں کہیں کے رئیس تھے، نہ جاہ و جہتم رکھتے تھے، نہ املاک تھے، نہ ہنس رکھتے تھے۔ رام پور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا۔ جب تم لکھتے ہو کہ اللہ تم وہاں جاؤ تو مجھ کو ہنسی آتی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہلال ماہ رجب المرجب رام پور میں دیکھوں۔

(۱) یعنی وہ لوگ جنہیں انگریز "بالغی" کہتے تھے۔ ان کے لوٹے ہوئے میں سے دس فی صد ملے گا۔ جو انگریزی فوج نے بعد فتح دہلی لوٹا، اس کا کوئی معاوضہ نہیں۔

(۲) ہدر اور بھل کا مطلب ہے مباح اور معاف۔



جو ندیمہ واقعہ (۱) کے باب میں سمجھنے کی ہے ، وہ بہت مناسب ہے ، بشرط  
پیش ہونے کے اور ولایت پہنچنے کے ، سجاد میرزا اور اکبر میرزا (۲) اسی  
میراثہ سری میں اس پر قاضی ہو رہے ہیں گئے ۔ ان شاء اللہ العالی العظیم ۔

یوسف میرزا خان کو دعا ہے ۔ حال قصیدہ و خمس کا معلوم ہوا ۔  
قبلہ و کعبہ وہ کر رہے ہیں جو ابا اولاد سے اور آقا خلام سے سلوک  
کرنا ہے ۔ ان کو منظور ہے کہ دعا کا عطیہ جدا پاؤں اور ثنا کا  
صلہ جدا پاؤں (۳) :

(۱) واقعے کی کیفیت یہ ہے کہ شاہان و بیگمات اودھ کا ایک دستور یہ تھا  
کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو ہندوستان کے مقاصد حصول پر مسلط ہو  
ہو چکی ہو ، بڑی بڑی زمینیں بطور قرض سے دیتے اور ان کے سود کی رقم  
انہی عریضوں ، مشورلوں یا ملازموں کے نام لکھ دیتے ہوتے ۔ کمپنی کی  
حکومت کے خزانے سے سود کی رقمیں مقربہ لوگوں کو ملتی رہتی ۔  
حسین میرزا اور ان کے بھائی مظفرالدولہ ، بیف الدین حیدر خان کے لئے  
یہی واقعے مقرر تھے ۔ جو یہ وہاں کے ہنگامے میں ضبط ہو گئے ، مظفرالدولہ  
بیچارے نو الور سے بکڑے آئے اور اس گروہ کے ساتھ شہید کر دیے گئے ،  
جنہیں مقدمہ چلائے اور غنہیل کیے بغیر گورگنہوہ میں شہید کر دیا  
گیا ہوا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسین میرزا واقعے کی بحالی کے لئے مقدمہ  
ولایت تک لے جانا چاہتے تھے ۔ اپنا آپس اس کا پورا حق حاصل ہوا ،  
کیونکہ واقعہ قرض دی ہوئی رقم کا سود ہوا ۔ یا رقم واپس ملے یا سود  
ادا ہوتا رہا ۔ یہ انگریزوں کا عطیہ نہ ہوا کہ اسے ضبط کر اپنا جائز ہوتا ۔  
میرزا نے لکھا ہے کہ بے شک مقدمہ دائر کر دو ۔ لیکن نتیجہ شاید  
اس وقت برآمد ہو جب آپ کے فرزند بوڑھے ہو جائیں گئے ۔

(۲) حسین میرزا کے فرزند ۔

(۳) قبلہ و کعبہ سے مراد مسجد العصر ہیں ۔ جن کی وسالت سے میرزا اپنا  
مصبوبہ واجد علی شاہ کے پاس کالکٹہ بھیجا کرتے تھے ۔ خمس سے معلوم نہیں  
میرزا کا اشارہ کس طرف ہے ۔



## کار ساز ما فکر کار ما

لیکن میری جان ، اتصاف ہو کر ان صلوں میں زندگی نو بسر نہیں ہوتی ۔  
 یہ فکر ہے ہودہ ہے ۔ زندگی میری کب تک ؟ سات مہینے یہ اور بارہ  
 مہینے سال آئندہ (۱) کے ، اسی مہینے میں اپنے آقا کے پاس جا پہنچتا  
 ہوں ۔ وہاں نہ روٹی کی فکر ، نہ پانی کی پیاس ، نہ جاڑے کی شدت ، نہ  
 گرمی کی حدت ۔ نہ حاکم کا خوف ، نہ بھبر کا خطرہ ۔ نہ مکان کا  
 کرایہ دینا پڑے ، نہ کھڑا خریدنا پڑے ۔ نہ گوشت گھٹی منگوائیں ، نہ روٹی  
 بکوائیں ۔ عالم نور اور سراسر سورج :

یا رب ایں آرزو سے من چہ خوش است  
 تو بدی آرزو مرا برسان

روزنامہ ، ۳۔ دسمبر ۱۸۵۹ء

بند علی ابن ابی طالب ، آرزو مند مرگ ، غالب

## نواب یوسف میرزا

(۱)

”کونسی ہے ؟ ذرا یوسف میرزا کو بلائیو“

لو صاحب وہ آئے !

”میاں میں نے کل خط تم کو بھیجا ہے ، مگر تمہارے ایک سوال  
 کا جواب وہ گیا ہے ، اب میں لو : تفضل حسین خاں اپنے ماموں مودالدین  
 (۱) یہ خط ۶۔ جمادی الاخری ۱۲۷۶ھ کو لکھا گیا تھا (۳۱۔ دسمبر  
 ۱۸۵۹ء) اور معلوم ہے کہ میرزا نے ۱۲۷۷ھ میں مر جانے کی پیشگوئی  
 کر رکھی تھی ۔ گزر اوقات کی تجویزی سوچے سوچے خیال پیشگوئی کی  
 طرف پٹ گیا اور فرمایا جمادی الاخری سے ذی الحجہ تک سات مہینے  
 ۱۲۷۶ھ کے اور زیادہ سے زیادہ بارہ مہینے ۱۲۷۷ھ کے اور زندگی ہے ، پھر  
 دوسری دنیا میں چلا جاؤں گا ، جہاں کسی بھی دلیوی شے کی ضرورت نہ  
 ہوگی ۔



خاں کے پاس میرٹھ ہے ، شاید دلی آیا ہو ، مگر میرے پاس نہیں آیا ۔  
 والد ان کے غلام علی خاں اکبر آباد میں ہیں ۔ مکمل داری کرتے  
 ہیں ۔ لڑکے بڑھاتے ہیں ، روٹی کھاتے ہیں ۔ ہم لکھتے ہو کہ بچاس محل  
 واجد علی شاہ کے لکھتے گئے ۔ ہمارے ماموں (۱) ، محمد قلی خاں کے خط  
 میں لکھتے ہیں کہ شاہ اودھ بنارس آ گئے ۔ اس خبر کو اس خبر  
 کے ساتھ منافات نہیں ہے ۔ اودھ سے آب بنارس کو چلے ہوں ، اودھ  
 سے بیکات کو وہاں بلایا ہو ۔ میری جان ہم کو کیا :

عالم بس مرگ ما چہ دریا ، چہ سراب

(۱۸۵۸ء)

(۲)

اے میری جان ، اے میری آنکھیں ۔

ز ہجران طفلی کہ در خاک روت

چہ نالی ؟ کہ پاک آمد و پاک روت

وہ خالق کا مقبول بندہ تھا ۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لے کر آیا ہوا ۔  
 بیاں دے کر کیا کرنا ؟ ہرگز غم نہ کرو اور ایسی ہی اولاد کی خواہش  
 ہے تو ابھی تم خود بھی ہو ۔ خدا تم کو جیتا رکھے ، اولاد بہت ۔ نانا نالی (۲)  
 کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو ؟ وہ اپنی اجل سے مرے ہیں ۔ بزرگوں  
 کا مرنا بنی آدم کی میراث ہے ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اس  
 عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوئے ؟ حال مظفرالدولہ (۳) کا غم منجملہ  
 واقعات کرہلائے معلیٰ ہے ۔ یہ داغ ماتم جیتے ہی نہ ملے گا ۔

والد کی خدمت بجا لانے کا ہرگز انوس نہ چاہیے ۔ کچھ ہو سکتا  
 ہو اور نہ کیا ہو نو مستحق ملازمت ہوتے ۔ کچھ ہو ہی نہ سکے

(۱) حسین میرزا ۔ (۲) حسام الدین حیدر خاں اور ان کی بیگم ۔

(۳) یوسف میرزا کا بڑا ماموں اور حسین میرزا کا بڑا بھائی جو گورکانہ میں  
 بے گناہ مارا گیا ۔



تو کیا کرو۔ اب تو فکر یہ بڑی ہوئی ہے کہ رہیں کہاں اور کھائیں کیا ؟

مولانا (۱) کا حال کچھ تم سے بچہ کو معلوم ہوا، کچھ تم بچہ سے معلوم کرو۔ مرافعہ میں حکم دوام حسن بحال رہا ، بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریائے سوری کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ان کا بیٹا (۲) ولایت میں اہل کہا چاہتا ہے، کیا ہونا ہے ؟ جو ہونا نہا، سو ہو لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ناظر (۳) کو سلام کہنا اور کہنا کہ حال اپنا ماضی تم کو لکھ چکا ہوں۔ وہ دہلی اردو اخبار کا بڑے اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے، ورنہ شیر کچھ محل خوف و خطر نہیں ہے، حکام مدر ایسی باتوں پر نظر نہ کریں گے۔ میں نے سبکہ کہنا نہیں، اگر کہا تو اپنی جان و حرمت بچانے کو کہا۔ یہ گناہ نہیں۔ اگر گناہ بڑی ہے تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ معتمد کا اشتہار بھی اس کو نہ مٹا سکے ؟ سبحان اللہ گولہ انداز کا بارود پھاتا اور توپیں لگتی اور تنک گھر اور میگزین کا لوٹا معاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہ ہوں۔ ہاں صاحب گولہ انداز کا پہنوی مددگار ہے اور شاعر کا سالا بھی جانب دار نہیں۔

لو، حضرت میر عنایت حسین صاحب کل آئے۔ میر انصاری حسین کا خط دے دیا۔ عینک لگا کر خوب پڑھا۔ کچھ گئے ہیں کہ بس کا جواب کل لاؤں گا۔ میں تو صبح کو یہ خط روانہ کرتا ہوں، وہ آج یا کل جب خط لاویں گے، اس کو جداگانہ لٹافہ میں روانہ کر دوں گا۔ مظفر مرزا دیکھتے کب تک آوے اور مجھ سے کیوں کر ملے۔

(۱) مولانا فضل حق خیر آبادی جن پر غلطی سے ایک ہم نام کے دھوکے میں مقدمہ قائم ہوا اور جسے دوام یہ عبور دریائے سوری کی سزا ملی، اس فیصلے کے خلاف اپیل کی گئی مگر حکم سزا بحال رہا اور تاکید کی گئی کہ مولانا کو جلد انڈیان پیس دیا جائے۔

(۲) مولانا عبدالحق خیر آبادی ۔ (۳) حسین میرزا ۔



ایک لطیفہ برسوں کا سنو۔ حافظ سو بے گناہ ثابت ہو چکے ، رہائی پا چکے ۔  
 حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں ، اسلاک اپنی مانگتے ہیں ۔ قبض و  
 تصرف ان کا ثابت ہو چکا ، صرف حکم کی دیر۔ برسوں وہ حاضر ہوئے  
 مثل یثی ہوئی ۔ حاکم نے پوچھا : حافظ محمد بخش کون؟ عرض کیا  
 کہ میں۔ پھر پوچھا حافظ سب کون؟ عرض کیا کہ میں۔ اصل نام  
 میرا محمد بخش ہے ، سو سب مشہور ہوں۔ فرمایا یہ کچھ بات نہیں ۔  
 حافظ محمد بخش بھی تم ، حافظ سو بھی تم ، جو دنیا میں ہے وہ بھی تم  
 ہم ممکن کسی کو دیں؟ مثل داخل دفتر ہوئی ، میان سو اپنے گھر چلے  
 آئے۔

ہاں صاحب، خواجہ بخشی درزی کل سہ پہر کو میرے پاس آیا۔  
 میں نے جانا ایک ہاتھی کوٹھے پر چڑھ آیا ہے۔ کہتا تھا کہ آغا  
 صاحب کو میری شادی لکھ بیچنا۔ میرا صاحب آج کل ہائی پ کو  
 جایا چاہے ہیں ، میرا کلیم علی ابن قلندر علی الور ہے آئے ہوئے  
 سلطان جی (۱) میں ان کے ہوئے ہیں۔ دن پندرہ ایک ہوئے ، محمد علی خان  
 میری ملاقات کو آئے تھے۔ علی جی (۲) میں رہتے ہیں۔ رضا شاہ ہائودی  
 گئے ہوئے ہیں۔ میرا لوف علی ابن میرا علی مرحوم نے رہائی پائی۔  
 ابھی اسلاک کی درخواست نہیں دی۔ ہماری بھائی صاحبہ بھی زوجہ  
 میر احمد علی خان مغفور اپنی حویلی میں چین کر رہی ہیں۔ ایک  
 آدھ دن میں جاؤں گا۔ خدا جائے جمعہ کے دن نالہر جی کی درخواست پر کیا  
 گزری۔ اس وقت تک ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ دھیان لگا ہوا ہے۔  
 زیادہ کیا لکھوں۔

(جون ۱۸۵۹ء)

- 
- (۱) سلطان جی دراصل خواجہ نظام الدین نظام الاولیا کی درگاہ کے آس پاس  
 کا علاقہ کہلاتا تھا یعنی ہسی نظام الدین اور اس کے اطراف۔  
 (۲) درگاہ شاہ مردان۔



میری جان ، خدا میرا نگہبان !

میں نے ”گڑ بھنگ (۱)“ کو دام میں بھنسایا ۔ پھر قفس میں بند کر کے یہ رقعہ لکھوایا ۔ میرا مرضی حسین کو فقط ان کے نام کی جو عبارت ہے وہ پڑھا دینا نا کہ ان کی خاطر جمع ہو جائے۔ مثنوی کبھی اصلاح نہ پائے گی، جب تک سب نہ آئے گی۔ لاکھ باتیں بتاؤ، مجھ کو عبرت دلاؤ، غزل جب تک پوری نہ ہو، مثنوی جب تک سب نہ لکھی ہو، کروں کر اصلاح دی جائے؟

اے جھوٹے ماموں صاحب (۲) کو میرا سلام باعتبار بھٹ کے اور بندگی باعتبار سیادت کے اور دعا باعتبار یگانگی اور استادی کے کہنا اور کہنا کہ بھائی اور کیا لکھوں؟ جس حکم کی نالی کے واسطے تم لکھتے ہو وہ اصل کہاں ہے، جس کی نالی لوں؟ ہاں زبان زد خلق ہے کہ کدیم نوکروں سے باز برس نہیں، مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ اے لو، کئی دن موئے کہ حمید خان گرفتار آیا ہے۔ پلوں میں پڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، حوالات میں ہیں۔ دیکھئے حکم اخیر کیا ہو۔ صرف نوٹد رائے کی غنارکاری پر فناعب کی گئی، جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو رہے گا۔ ہر شخص کی سرنوشت کے مطابق حکم ہو رہے ہیں۔ نہ کوئی قانون ہے، نہ قاعدہ ہے، نہ نظیر کام آئے، نہ تقریر پیش جائے۔ ارضی حال ان مرضی خان کی پوری دوسو روپے کی بشتن کی منٹاوری کی روٹ گئی اور ان کی دو بیٹیاں سو سو روپے مہینا پائے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ تمہارے بھائی بھرم بھی تمہاری بشتن ضبط۔ بھاری دس دس روپے مہینا تم کو ملے گا۔ ترمیم یہ ہے تو بغافل کیا فہر ہوگا؟ میں خود موجود ہوں اور حکام صدر کا روتناس، ہشم نہیں اکھٹڑ سکتا۔ نوبین برس کا

(۱) گڑ بھنگ ۔

(۲) حسین میرزا ۔



ہنسن، مقرر اس کا یہ تجویز لارڈ ایک اور یہ سفارشی کورٹسٹ اور پھر نہ ملا ہے، نہ ملے گا۔ خبر احتمال ہے ملنے کا۔

جانتے ہو کہ علی کا بیٹہ ہوں۔ اس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کہاتا۔ اس وقت کلو کے پاس ایک روپیہ سات آنے باقی ہیں، بعد اس کے نہ کہیں سے قرض کی امید ہے، نہ کوئی جنس رہن و بیع کے قابل۔ اگر رام پور سے کچھ آیا ہو خیر ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعض لوگ یہ بھی کہیں کرتے ہیں کہ میں مہینے میں ہنسن کی تقسیم کا حکم آجائے گا۔ دیکھئے کہ آیا ہے یا نہیں۔ اگر آنا ہے تو میں مہینوں میں ہوں یا مردودوں میں۔ مظفر میرزا کا خط الورے آگیا۔ بغیر وعافیت پہنچے۔ میر قاسم علی کا قافلہ بھی وہیں ہے۔ میر قاسم علی کی قبل الور کی تنخواہ میں سے بموجب سپاہ سرعہ (۱) ڈولٹ مظفر میرزا کو اور ایک ٹنٹ اسے کو تجویز کرتی ہے۔ ظاہر بموجب تعلیم میر قاسم علی کے ہے۔

ہمدرد جمعہ ۱۲۔ ذی الحجہ ۱۲۵۰۔ جولائی سال حال

غالب

(۱۲۷۵ و ۱۸۵۹ء)

(۳)

میان،

تیسوں قریب تمام میان آغا جانی صاحب آئے۔ وہ اور ان کے متعلق سب اچھی طرح ہیں۔ حسو بیگ عافیت گئے۔ کل تمہارا خط آیا۔ بھائی تمہیں خارش کیوں ہوئی؟ حسین مرزا صاحب کیوں بیمار ہوئے؟ خدا یا ان آوارگان دست غربت کو جمعہ، جب ہو چاہے عافیت کر، مگر مصدق مرتضیٰ علی کا ندرست رکھو۔ اللہ اللہ! حسین مرزا کی ڈاڑھی سفید ہو گئی! یہ شبت رنج و غم کی خوبیاں ہیں۔ اس خط کے پہنچنے ہی

(۱) شرعی حصے۔



اجی اور ان کی خیر و عاقبت لکھنا۔ جہاں تم نے اسے نام کا خط اڑھا، وہاں کا حال یہ ہے :

بہ گفت احوال ما برقی جہاں است دہے پیدا و دیگر دم نہاں است  
 گہے بر طایر اعلیٰ نشین گہے بر پست پائے خود نہ بشم  
 ہمارے خداوند ہیں، قبلہ و کعبہ ہیں، خدا ان کو سلامت رکھے۔ آغا باقر  
 کا امام پاڑا اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزا خانہ ہے، ایک بنائے  
 قدیم رفیع مشہور۔ اس کے الہدام کا غم کس کو نہ ہوگا؟ یہاں دو-ڑکیں  
 دوڑتی بھرتی ہیں : ایک ٹھنڈی سڑک، ایک آہنی سڑک (۱)۔ بھل ان کا  
 الگ الگ۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارک بھی  
 شہر میں بنے گا اور قلعے کے آگے جہاں لال ڈگی ہے، ایک میدان نکالا جائے  
 گا۔ حبوب کی دکائی، پھلیوں کے گھر، قیل خالہ، ملائی بیگم کے کوچے  
 سے خاص بازار لک، یہ سب میدان ہو جائے گا۔ یوں سمجھو کہ امواجان  
 کے دروازے سے قلعے کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے  
 آثار عارت ماق نہ رہیں گے۔ آج جان نثار خان کے چھانے کے مکان ڈھنے  
 شروع ہو گئے ہیں۔ کیوں میں دلی کی ویرانی سے خوش نہ ہوں؟ جب  
 اہل شہر ہی نہ رہے، شہر کو لے کے کیا چولہے میں ڈالوں؟

حسین مرزا صاحب کو میرا سلام کہنا۔ یہ وقفہ پڑھا دینا۔ ان کا خط  
 موسومہ محمد ثقی خاں آیا۔ کلو کے ہاتھ ان کے گھر بھجوا دیا۔ ان کا  
 گھر کہاں؟ وہ تو میر احمد علی خاں مرحوم کی بی بی کے ہاں رہتے ہیں۔  
 وہ نہ تھے۔ جب بیانی صاحبہ کو معلوم ہوا کہ میرے دیور کا آدمی ہے،  
 انہوں نے مدعا دریافت کر کے خط رکھ لیا اور کلو سے کہا کہ بیانی  
 کو سلام کہنا کہ محمد ثقی خاں علی حی گئے ہوئے ہیں۔ خط ان کے پاس  
 بھجوادوں کی۔ کل رضا شاہ آئے تھے، میں نے ان کو کہا تھا کہ تم  
 میر احمد علی خاں کی بی بی کو ناکہد کر دینا کہ خط ضرور کا ہے  
 اس کو یہ احتیاط پہنچا دینا۔



صاحب، تمہاری اما کو میں کیا جانوں؟ کس جسے سے ڈھونڈوں؟  
 ددا سے میں نے بوجھل امیرالنسا کو وہ نہ سمجھوں، واجد علی کی ماں کر کے  
 پہچانا۔ سو وہ کہتی تھی کہ واجد علی مع اپنی ماں کے پہاڑ گنج گیا ہے۔  
 ہمشیرہ کی عرضی کے روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا۔ تم سمجھو اگر وہ  
 عرضی فی الحقیقت کمشنر نے بھیج دی ہے، تو بے شک مدعاے سائلہ قبول  
 کر کے بھیجی ہے۔ اگر خود نہ منظور کرتا تو کہی نہ بھیجتا۔  
 باقر علی اور حسین علی، اپنی دادی کے ساتھ ضامن الدین احمد  
 خاں کی والدہ کے پاس تقاب صاحب گئے ہوئے ہیں۔ ایاز اور نیاز علی  
 ان کے ساتھ ہیں۔ دو بندگیاں اور ایک دعا اور دو آداب ملوے۔ ددا اور  
 کلو اور کلیان کی بندگیاں پہنچیں۔ قراندین خاں برسوں آیا تھا، اب آئے گا تو  
 دعا تمہاری اس کو کہہ دوں گا۔

غالب

۲۶ جولائی ۱۸۵۹ء

### (۵)

جن بدعالمی کمپنی عمر و دولت و اقبال و عزت دے، خط بحروہ دوم  
 میں کوئی مطلب، جواب طلب نہ تھا۔ مرزا حیدر صاحب کی رحلت کی  
 خبر بھی اور میں۔ کل بدھ کا دن دونوں مہینوں کی ۱۷- تاریخ (۱) تھی۔  
 صبح کے وقت مرزا آغا جانی صاحب آئے اور انہوں نے فرمایا کہ حسین مرزا  
 کی حرم لکھنؤ سے آئی تھی، برہن کے ہاں تیری تھی۔ اب وہ ہائودی کو  
 اپنے بیٹے کے پاس گئی۔ کہہ رہی تھی کہ نصیب اعدا ناظر جی بہت  
 بیمار ہیں۔ خدا خیر کرے۔ یوسف میرزا مہری جاں نکلی گئی۔ کہا  
 کروں؟ کہوں کہ خبر مشکوک؟ ”یا علی،“ ”یا علی،“ ”یا علی،“ دس بار  
 دل سے کہا ہوگا کہ مداری کا بیٹا دوڑا ہوا آیا اور اپن خط لایا، یعنی

(۱) تقریب سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں ایک دن کا فرق تھا لیکن  
 ہماری مہینوں کی تاریخیں حساب پر نہیں رویت پر موقوف ہیں اور رویت کو  
 ہر جگہ حساب پر عدم حاصل ہوگا، لہذا جاں میرزا ہی کا بیان  
 مسطور ترجیح ہے، کیونکہ وہ رویت پر مبنی ہے۔



وہ نیچے حویل میں تھا، ڈاک کے ہرکارے نے خط لا کر دے۔ نیاز علی اوپر لے کر آیا۔ ایک خط عزیز (۱) کا اور ایک خط ہرگوپال تفتہ کا اور ایک خط ذوالفقار حیدر مولوی کا (۲)۔ میان، قریب تھا کہ خوشی کے مارے مجھ کو روٹا آجائے۔ بارے اس خط کو میں نے آنکھوں سے لکھا، مہیاں (۳) لیں۔

اب تم کھانا دیکھو۔ ۱۳ ہرم کا خط ۱۷۔ کو مجھے پہنچا۔ اس میں مندرج کہ جمعے کے دن ۱۹ کو سیل ڈاک کلکتے جاؤں گا اور پھر حضرت مجھ سے مطلب کا جواب مانگتے ہیں۔ میں جب کلکتے پہنچ لیں گے اور وہاں سے مجھ کو خط بھیجیں گے اور اپنے مسکن کا پتا لکھیں گے، تب جو کچھ مجھ کو لکھنا ہوگا، لکھوں گا۔ آغا صاحب کو سب خط سنا دیا اور اون کو اسی وقت کسی ناتھ کے پاس بھیجا تا کہ وہ اوس کو گرمائی اور سرمائی اور کچھ سجاد میرزا کے واسطے بھیجوائیں۔ ضیاء الدین خان دو حفتہ سے یہاں ہیں۔ اپنے باغ میں اترے ہوئے ہیں۔ دو بار میرے پاس بھی دو دو گھڑی کے واسطے آئے تھے۔ کچھ اون کو منظور ہے، رعایت اخلاص و محبت قدم (۴)۔ خدا چاہے تو کچھ سجاد میرزا کو اور کلکتے سے اون کے خط کے آنے کے بعد کچھ ناشر ہی کو اون سے بھیجواؤں۔

میرا وہی حال ہے۔ بھوکا نہیں ہوں، مگر کسی کی خدمت گزاری کی توفیق نہیں ہے، اگر کہوں تو کون باور کرے؟ اور وہ بات خود کہنے کی

(۱) یوسف علی خان عزیز۔

(۲) حسین میرزا۔ جن کا نام ذوالفقار الدین حیدر تھا۔

(۳) سبحان اللہ کیا اسلوب بیان ہے، یہاں الفاظ سے مقصد و ارادہ اسے آ گئے، جن سے جذبات کے مد و جزر کی بڑی تصویر سامنے آ جاتی ہے۔

(۴) کہتے ہیں نواب ضیاء الدین احمد خان نے اس دور مصائب میں حسین میرزا کی ہر ممکن اعانت کی۔



نہیں، کرنے کی ہے، سو کرنے کا مقصود نہیں۔ تفضل حسین خان ابن غلام علی خان میرٹھ میں اپنے ماسوں کے پاس ہے۔ شہر میں آیا تھا۔ سرے پاس بھی آیا تھا۔ تمہارا سلام کہہ دیا۔ برسوں بھر وہ میرٹھ گیا۔ بیانی فضلہ عرب سرا میں رہتے ہیں۔ برسوں سے آئے ہوئے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ عرضیاں دیتے پھرتے ہیں، کوئی سنتا نہیں۔ تم کو سلام کہتے ہیں۔ آمد و رفت کا ٹکٹ موقوف ہو گیا۔ فقیر اور ہتھیار جس پاس ہو، وہ نہ آنے اور باقی ہندو، مسلمان، عورت، مرد، سوار، پیادہ، جو چاہے چلا آئے، چلا جائے۔ بغیر آبادی کے ٹکٹ کے، راب کو رہنے نہ پائے۔ وہ شور و غل دیا کہ سڑکیں نکلیں گی اور گوروں کی چھاؤں بنے گی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ مرہٹ کٹر ایک جاں نثار خان کے چھتے کی سڑک نکلی، دلی والوں نے لکھنؤ کا خاکہ اڑا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ لاکھوں مکان ڈھادے اور صاف میدان کو دیا۔ میں جانتا ہوں ایسا نہ ہوگا۔ بات اس میں ہے جو تم نے لکھی ہے۔

بہر حال اب جو کچھ ہو لکھو اور ناظر ہی کے روانہ ہو جائے گی  
خبر اور سجاد اور اکبر اور اس کی ماں کی خیریت اور اپنے باپ کا حال لکھو۔  
بتجانبہ ۱۸۔ محرم الحرام ۱۲۷۶ھ (۱۸۔ اگست ۱۸۵۹ء)

## (۶)

میری جان شکوہ کرنا سیکھو۔ یہ باپ میں نے تم کو ابھی پڑھا ہی نہیں۔  
کوئی خط تمہارا نہیں آیا کہ میں نے اسی دن یا دوسرے دن جواب  
نہ لکھا ہو، بلکہ میں ایسا جانتا ہوں کہ یہ جو تم نے مجھ کو  
سکایت نامہ بھیجا ہے، اس کے بعد ایک خط میرا بھی تم کو پہنچا ہوگا۔  
یہ خط کل آیا، آج میں اس کا جواب لکھتا ہوں۔

سنو صاحب، تم جانتے ہو کہ میں جودہ باجیے کا خلعت ایک بار اور میلبوس خاص  
نالا، رومال، دوشالہ ایک بار بیشک حضرت سلطان عالم (۱) سے پا چکا

(۱) واجد علی شاہ۔



ہوں۔ مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت بھیجہ کو دوبار کس کے ذریعے سے ملا ہے؟ یعنی جناب قبلہ و کعبہ حضرت محمد العصر مدظلہ العالی۔ اب آدمیت اس کی ماضی نہیں ہے کہ میں بغیر ان کے توسط کے منج گسٹری کروں۔ چنانچہ نصیحت لکھ کر اور جیسا کہ پہلا دستور ہے، کاغذ بنوا کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیج دیا ہوگا اور میں بھیجہ کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے نصیحت لکھتو کو بھیج دیا ہے۔ اسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زید العلاءؒ سید نقی صاحب (۱) اگر کاکتے چنچ گئے ہوں تو مجھ کو اطلاع دو۔ داروغہ کی املاک کے باب میں جو مناسب اور معقول اور واقعی ہے، وہ میں نے پردہ عالیہ میں ملاحظہ حسین خاں کے خط میں لکھتا ہوں۔ یہ ورق بڑھ کر ان کی خدمت میں گزراں دو اور جو وہ ارشاد کریں مجھ کو لکھو۔ تمہارے اس خط کے مطالبہ مندرجہ کا جواب ہو چکا۔ اس سے زیادہ میرے پاس کوئی بات اس وقت لکھنے کو نہیں ہے، مگر یہ کہ ایک خط تمہارے ساموں صاحب کے نام کا بھیج چکا ہوں۔ اگر وہ پہنچے گا اور خدا کرے پہنچے تو اس سے تم کو ایک حال معلوم ہوگا۔

طالب

(شعبہ - ۵ نومبر ۱۸۵۹ء)

(۷)

یوسف سیراز

میرا حال سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرت ہم سے سودائی ہو جائے ہیں، عقل جاتی رہتی ہے۔ اگر اس وجود نام میں بڑی قوت متفکرہ میں فرق آ گیا ہو تو کیا عجیب ہے، بلکہ اس کا باور نہ کرنا محضب ہے۔ دیکھو کہ ہم کیا ہے؟ ہم مرگ،

(۱) سید علی نقی بن سید حسین بن خضران مآب سید دالدار علی شاہ نصیر آبادی۔  
واجد علی شاہ کو سید علی نقی سے کمال عفت و ارادت تھی۔ ۱۸۵۹ء/۱۲۰۹ھ  
میں ان کا انتقال ہوا۔



غم فراق، غم رزق، غم عزت۔ غم مرگ میں قلعہ نا مبارکہ (۱) سے قطع نظر کر کے اہل شہر کو گستاخوں: مظفر الدولہ، میر ناصر الدین، میرزا عاشور بیگ، میرا بھانجا، اس کا بیٹا احمد میرزا، ایسی برس کا بچہ، مصطفیٰ خاں ابن اعظم الدولہ، اس کے دو بیٹے ارضیٰ خاں اور مرصیٰ خاں، قاضی لطیف اللہ، کہا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا؟ اے لو، بھول گیا۔ حکیم رضی الدین احمد خاں، میر احمد حسین میکانی، اللہ اللہ ان کو کہاں سے لاؤں؟ غم لراق حسین میرزا، میر مہدی، میر سرلواز حسین، میری صاحبہ، خدا ان کو جیتا رکھے۔ کاش یہ ہونا کہ جہاں ہوتے، وہاں خوش ہوتے! گھر ان کے بے چراغ، وہ خود آوارہ۔ سجاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرنا ہوں، کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ کہنے کو ہر کوئی ایسا کہہ سکتا ہے، سکر میں علی کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں عالم میری نظر میں بہرہ و تار ہے۔

حیثی سرا ایک بھائی دیوانہ مر گیا۔ اس کی بیٹی، اس کے چار بچے، اس کی ماں یعنی میری بھانج، چار اور میں بڑے ہوئے ہیں۔ اس برس میں ایک رویمہ ان کو نہیں بھیجا۔ بھتیجی کیا کہتی ہوگی کہ میرا بھی کوئی جچا ہے۔ جہاں اغیا اور امرا کے ازواج اور اولاد بھیک مانگتے پھریں اور میں دیکھوں! اس مصیبت کی تاب لانے کو جگر چاہیے۔

اب حاس اپنا دکھ روتا ہوں۔ ایک بیوی دو چہرے، تین چہرے آدمی گھر کے، کلہ، کلیان، ایاز یہ باہر۔ ہمداری کی جو رو چہ دستور، گویا ہمداری موجود ہے۔ میان گھمن گئے، گئے مہینے بھر سے آ گئے کہ بھوکا مر رہا ہوں۔ لچھا بیانی تم بھی رہو۔ ایک بسے کی قند نہیں، بس آدمی روٹی کھائے

(۱) لال قلعے کو "قلعہ مبارکہ" کہتے تھے۔ ممکن ہے اس کی وجہ سے حوادث کا جو طوفان برپا ہوا، اسے "نا مبارکہ" کہہ دیا یا ان لوگوں کا قول اس حال کیا، جو واقعی اسے "نا مبارکہ" سمجھنے لگے تھے۔



والے موجود۔ مقام معلوم (۱) ہے کچھ آئے جانا ہے وہ بقدر مددتی ہے۔  
 بحث وہ ہے کہ دن رات میں فرصت کام سے کم ہوتی ہے۔ ہمیشہ ایک  
 فکر برابر چلی جاتی ہے۔ آدمی ہوں، دیو نہیں، بیوت نہیں۔ ان بچوں کا  
 تحمل کیوں کر کروں؟ بڑھاپا، ضعف قبول، اب مجھ کو دیکھو نو جوانو  
 میرا کیا رنگ ہے۔ شاید کوئی دو چار گھڑی سنبھلا ہوں، ورنہ بڑا رہنا  
 ہوں، گویا صاحب فراش ہوں۔ نہ کمپنی جانے کا ٹوکنا، نہ کوئی  
 میرے پاس آنے والا۔ وہ عرق (۲) جو بقدر طاقت، بنائے رکھنا تھا، اب  
 میسر نہیں۔ سب سے بڑھ کر آمد آمد گورنمنٹ کا ہنگامہ ہے۔ دربار میں  
 جاتا تھا، خلعت فاخرہ پہنا تھا، وہ صورت اب نظر نہیں آتی۔ نہ مقبول ہوں،  
 نہ مردود ہوں۔ نہ گتہ کار ہوں، نہ خبر، نہ مفید۔ بھلا اب تم ہی کہو  
 اگر یہاں دربار ہوا اور میں بلایا جاؤں تو نذر کہاں سے لاؤں؟

دوسرے دن رات خون جگر کھایا اور ایک قصیدہ جوائشہ بیت کا  
 لکھا۔ محمد افضل مصور کو دیا، وہ پہلی دسمر کو بھجے دے گا۔ یہ  
 اس کا مطلع ہے:

ز سال نو دگر آئے بروے کار آمد  
 ہزار و ہفت صد و شصت در شمار آمد

اس میں التزام اپنی تمام سرگزشت کے لکھنے کا کیا ہے۔ اس کی نقل تم کو  
 بھجوں گا۔

میرے آقا زادۃ روشن گہر، جناب مفتی میر عباس صاحب کو دکھانا (۳)۔  
 اس بھیجے ہوئے بلکہ مرے ہوئے دل پر کلام کا یہ اسلوب ہے۔  
 جہاں ہنہ (۴) کی مدح کی فکر نہ کر سکا۔ یہ قصیدہ ممدوح کی نفاذ سے

(۱) محالاً اشارہ رام پور کی طرف ہے۔ (۲) عرق۔

(۳) یہ قصیدہ کینٹنک کی مدح میں تھا، جو ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۳ء تک ہندوستان  
 کا گورنر جنرل اور وائسرائے رہا۔ کلیات فارسی کا جواہر سوان قصیدہ۔

(۴) واجد علی شاہ۔ غالباً اسی قصیدے کا ذکر ہے جس کا نمبر کلیات  
 فارسی میں (۵۱) ہے۔



گزرا نہ تھا، میں نے اس میں احمد علی شاہ کی جگہ واجد علی شاہ کو بٹھا دیا۔ خدا نے بھی نو بھی کیا تھا۔ اتوری نے بارہا ایسا کیا ہے کہ ایک قصیدہ دوسرے کے نام پر کر دیا۔ میں نے اگر باب کا قصیدہ بیٹھے کے نام کر دیا تو کیا غضب ہوا۔ پور کیسی حالت اور کیسی معیبت میں کہ جس کا ذکر بطریق اختصار اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس قصیدے سے مجھ کو غرض دستکہ سخن منظور نہیں، گدائی منظور ہے۔

یہ ہر حال یہ تو کہو قصیدہ پہنچا یا نہیں؟ برسوں تمہارے ماموں کا خط آیا، اس میں قصیدے کے پہنچنے کا ذکر نہیں۔ اس تفرقہ کو مٹاؤ اور صاف لکھو کہ قصیدہ پہنچا یا نہیں؟ اگر پہنچا تو حضور میں گزرا یا نہیں؟ اگر گزرا تو کس کی معرفت گزرا؟ اور کیا حکم ہوا؟ یہ امور جلد لکھو اور ہاں یہ بھی لکھو کہ اسلاک والی شہر دہلی کے باب میں کیا حکم ہوا؟

میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ کل میں نے فرد فہرست دیہات و باغات و اسلاک مع حاصل ہر ایک باغ و دہ و ملکہ نافذ حق کو بطریق دی ہے۔ اس خط سے ایک دن پہلے وہ فرد پہنچے گی۔ یہ فرد کلکٹری کے دفتر سے لی ہے، لیکن اتنا معلوم رہے کہ شہر کی عیادت جو سڑک میں نہیں آئی اور برسات میں ڈھے نہیں گئی، وہ سب خالی بڑی ہے۔ کراہہ دار کا نام نہیں۔ مجھ کو یہاں کی اسلاک کا علاقہ حسین میرزا کے واسطے مطلوب ہے، میں تو بسن کے باب میں حکم اخیر سن لوں، پھر رام پور جلا جاؤں گا۔ جہادی الاول سے ڈی الحجہ تک آٹھ مہینے اور پھر محرم سے ۱۲۷۷ھ سال شروع ہوگا۔ اس کے دو، چار، حد دس گیارہ مہینے شرفکھ انیس برس مہینے ہر طرح ایسر کرتے ہیں۔ اس میں رنج و راحت، ذلت و عزت جو مشوم میں ہے وہ پہنچ جائے اور پھر علی علی کہتا ہوا ملک عدم آباد کو جلا جاؤں (۱)۔ جسم رام پور میں اور روح عالم نور میں۔ ”ہا علی“، ”یا علی“، ”ہا علی“۔

(۱) یہ وہی معاملہ ہے، جس کا ذکر حسین میرزا کے نام خط نمبر ۶ میں آچکا ہے۔



میاں ہم سمجھیں ایک اور خیر لکھتے ہیں۔ برہا کا پتر | دو دن بیمار پڑا  
 رہا، نیسرے دن مر گیا۔ ہے ہے کیا نیک بخت، غریب لڑکا تھا۔  
 باپ اس کا شیو جی رام اس کے غم میں مردے سے بدتر ہے۔ یہ دو  
 مصاحب میرے یوں گئے : ایک مردہ، ایک دل امردہ، کون ہے جس  
 کو تمہارا سلام کہوں؟ یہ خط اپنے ماموں صاحب کو پڑھا دینا اور  
 فرد ان سے لے کر بڑھ لینا اور جس طرح ان کی رائے میں آئے اس پر  
 حصول مطلب کی بنا اٹھانا اور ان سب مدارج کا جواب کتاب لکھنا۔

میاں الدین خان رھتک چلے گئے اور وہ کام نہ کر گئے۔ دیکھئے آ کر  
 کیا کہتے ہیں (۱) یا رات کو آ گئے ہوں یا شام تک آجائیں۔ کیا کروں  
 کسی کے دل میں اپنا دل ڈالوں۔ بہر تضرع علی چلے سے نیت میں یہ ہے  
 کہ جو شاہ اودھ سے ہاتھ آئے، حصہ برادرانہ کروں۔ نصف حسین میرزا  
 اور تم اور سجاد، نصف میں۔ مفلسوں کا مفارحیات خیالات پر ہے، مگر انہیں خیالات  
 سے ان کا حسن طبیعت معلوم ہو جاتا ہے۔ (۲) والسلام خیر ختام۔

دو شنبہ - دوم جمادی الاول ۱۲۷۶ھ

مطابق ۲۸ - نومبر ۱۸۵۹ء وقت صبح -

(۸)

میاں،

کل صبح کو تمہارے نام کا خط روانہ کیا، شام کو تمہارا ایک خط  
 اور آیا۔ حضرت زیدہ العلام (۳) کا اب تک وہاں نہ پہنچنا تعجب کی بات ہے۔  
 جس تعالیٰ ان کو، جہاں رہیں حفظ و امان میں رکھے۔ جب چاہیں  
 وہاں پہنچیں۔ میرا مقصود تو اتنا ہی ہے کہ قصیدہ گزیرے اور کچھ ہمارے  
 تمہارے ہاتھ آئے۔ لیکن کل کے خط کی ہمت پر جو سطریں نازل ہو

(۱) یعنی ان سے سجاد میرزا اور حسین میرزا کو کچھ رقم بھجولنے کا  
 خیال آیا۔ اس کا انتظام نہیں ہوا تھا کہ نواب صاحب رھتک چلے گئے۔

(۲) ایک نہایت اہم حقیقت کسی خوبصورت سے بیان فرما گئے ہیں۔

(۳) زیدہ العلام سید علی تلی۔



کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، ان کے دیکھنے سے اس نوٹ گئی، کچھ ہاتھ آتا نظر نہیں آتا۔

املاک واقع شہر دہلی کے سوال کا جواب اب کی بار قلم انداز ہوا، مکرر کہا جانے کا تو بے شک یہ جواب آئے گا کہ ہم نے تو عوض ان مشکلات کے یہ مکانات دے، معاوضہ ہو گیا۔ تھائی، میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ املاک قتل ہوئی اور وہ سوا لاکھ روپیہ، جو علاوہ زر مقررہ ملا ہے، وہ دلی کی املاک کا خونبھا ہے۔ پرسوں نثار جی کے نام کے سولہ میں فرد فہرست مجموعہ املاک بھیج چکا ہوں۔ خیر یہ واریٹی خالی گیا۔ مولانا غالب علیہ الرحمہ خوب فرماتے ہیں :

منحصر مرنے یہ ہو جس کی امید

نا امید اس کی دیکھنا چاہئے

تمہارے ماموں صاحب کی دستخطی تحریر نے جو میرا حال کیا ہے، وہ کس زبان سے ادا کروں؟ ہے ہے حسین میرزا اور یہ کہیں کہ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں اور مجھ کم بخت سے اس کا جواب سر ابھام نہ ہو سکے! بہت بڑا آسرا تھا اور سرکاری خدمت نہ سہی، عہدہ نہ سہی، علاقہ نہ سہی، سو ڈیڑھ سو روپیہ در ماہہ مقرر ہو جانا کیا مشکل تھا۔ دلی کے آدمی، خصوصاً امرائے شاہی ہر شہر میں بدنام آتے ہیں کہ لوگ ان کے سامنے سے بھاگتے ہیں۔ مرشد آباد بھی ایک سرکار تھی۔ حیدرآباد بہت بڑا گھر ہے۔ مگر بے ذریعہ و واسطہ کیوں کر جائے اور جائے تو کسی سے ملے؟ کیا کہیں؟ ناچار وہیں رہو۔ کسی طرح شاہ اودھ کا سامنا ہو جائے۔ اور میں کہاں کی صلاح بناؤں؟ وہ صاحب (۱) رہتک گئے ہیں۔ کل یقین ہے کہ آگئے ہوں گے۔ مجھے ابھی خبر نہیں آئی۔ اگر پلیٹ الہی میں ہے تو شہر سہیلے میں کچھ ظہور میں آ جائے گا۔ نواب گورنر جنرل بہادر یقین ہے کہ آج آکرہ میں رونق افروز ہوں گے۔ اور، جیسے نور، دھول نور، گوالیار، ٹونک، جاوہر جیہ رئیسوں کی وہاں ملازمت



کی خبر ہے۔ خیر ہم کو کیا؟ لیٹالدولہ حسین علی خاں بہادر کی خدمت میں میرا سلام نیاز اور شکر یاد آوری۔

مرقومہ صبح سد شنبہ ۲۶ نومبر، ۳۰ جمادی الاول بحساب جنتری

(۱۸۵۹ء/۱۲۷۶ھ)

(۹)

میاں،

تمہارا خط رام پور پہنچا اور رام پور سے دلی آیا۔ میں ۲۳ شعبان کو رام پور سے چلا اور ۳ شعبان کو دلی پہنچا (۱)۔ اسی دن چاند ہوا۔ یکشنبہ رمضان کی پہلی، آج دوشنبہ ۹۔ رمضان کی ہے۔ سو نواں دن بھی یہاں آئے ہوئے ہے۔ میں نے حسین میرزا کو رام پور سے لکھا تھا کہ یوسف میرزا کو میرے آنے تک الوداعہ دینا۔ ان کی زبان معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا خط اون کو تمہاری روانگی کے بعد پہنچا۔

جو مجھ کو اپنے ماسوں کے متعلق میں لکھنے ہو کیا مجھ کو ان کے حال سے غافل اور ان کی فکر سے فارغ جانتے ہو؟ کچھ بنا ڈال آیا ہوں، اگر خدا چاہے تو کوئی صورت نکل آئے۔ اب ہم کہو کہ کب تک آؤ گے؟ صرف تمہارے دیکھنے کو نہیں کہتا، شاید تمہارے آنے پر کچھ کام ہو کیا جائے۔ مظفر میرزا کا اور ہمشیرہ صاحبہ (۲) کا آنا تو کچھ ضرور نہیں۔ شاید آگے بڑھ کر کچھ حاجت پڑے۔ یہ ہر حال جو ہو گا وہ مسجد لیا جائے گا۔ ہم چلے آؤ۔ ہمشیرہ عزیزہ کو میری دعا کہہ دینا۔ مظفر میرزا کو دعا پہنچے۔ بھائی تمہارا خط رام پور پہنچا، ادھر کے چلنے کی فکر میں جواب نہ لکھ سکا۔

بخشی صاحبوں کا حال یہ ہے کہ آغا سلطان پنجاب کو گئے۔

(۱) یہ رام پور کے پہلے سفر کی کتب ہے، جو ۱۸۶۰ء میں ہوا تھا۔

(۲) یعنی یوسف میرزا اور مظفر میرزا کی والدہ اور حسین میرزا کی ہمشیرہ۔



جگراؤں میں منشی رجب علی (۱) کے سپاہی ہیں۔ سفدر سلطان اور یوسف سلطان وہاں ہیں۔ نواب مہدی علی خاں بقدر قلیل بلکہ اقل کچھ ان کی خبر لیتے ہیں۔ میر جلال الدین خوش نویسی اور وہ دونوں بھائی باہم رہتے ہیں۔ میں وہیں (۴) تھا کہ سفدر سلطان دلی کو آئے تھے۔ اب جو میں یہاں آیا تو سنا کہ وہ میرٹھ گئے۔ خدا جانے رام پور جائیں یا کسی اور طرف کا قصد کریں۔ تباہی ہے، قہر الہی ہے۔ مجھ کو لڑکوں نے بہت تنگ کیا۔ ورتہ چند روز اور رام پور میں رہتا۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مرقومہ دو شعبہ ۹۔ رمضان و ۲۔ اپریل

(۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء) راقم ، غالب

## (۱۰)

آؤ صاحب، میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ آج یکشنبہ کا دن ہے، سائیں نارنج سوال (۱) کی اور اٹیسویں اپریل کی۔ صبح کو بھائی فضلہ،

(۱) سید رجب علی اسطور جاہ، جو پہلے میر منشی رہے اور ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے معتمد علیہ رفیق تھے۔ شہر دہلی کی خبریں وہی باہر انگریزوں تک پہنچاتے تھے۔ بہادر شاہ اور شہزادوں کی گرفتاری کے وقت میں وہ بھی ہائٹن اور میرزا الہی بخش کے ساتھ تھے۔ جگراؤں، (ضلع لدھیانہ) ان کا وطن تھا۔ دہلی کے اکثر مصیبت زدہ امرا و شرفا لاہور آئے تھے تو ان کے ہاں ضرور ٹھہرتے تھے۔ مثلاً مفتی عبدالدین آرزوہ، شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد، آغا سلطان۔ سید رجب علی نے لدھیانہ میں مجمع البحرین کے نام سے ایک مطبع بھی جاری کیا تھا، جس میں متعدد کتابیں چھپیں۔

(۲) رام پور۔

(۳) عام لسٹوں میں رمضان درج ہے، جو یقیناً غلط ہے، خواہ یہ غلطی کسی نقل سے ہوئی ہو یا خود میرزا سے۔



جن کو میر کافلم علی بھی کہتے ہیں اور ہم نے احترام الدولہ خطاب دیا ہے، وہ تین باؤ کھجوری اور ایک ٹپن کا لوٹا اور دوسوت کی رسیاں لے کر، بھٹیاریے کے ٹٹو پر سوار ہو کر الور کو روانہ ہوئے۔ پیر دن چڑھے ڈاک کا ہرکارہ وہ تمھارا خط میرے نام کا اور ایک حکمتنامہ "محکمہ" لاہور موسومہ میر کافلم علی لایا۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ تمھارے ماموں صاحب مع سجاد میرزا تشریف لائے۔ تمھارا خط ان کو دے دیا۔ وہ اس کو بڑھ رہے ہیں اور میں یہ خط تم کو لکھ رہا ہوں۔

پچلے نو یہ لکھا ہوں کہ حکمتنامہ میر کافلم علی کو دے دینا اور میری طرف سے تعزیت کرنا کہ خیر بھائی صبر کرو اور چپ ہو رہو تاریخ کے دو قطعوں میں سے ایک قطعہ رہا۔ "ماہ رو خوں خرام، کی جگہ "مہ رخ خوش خرام، بنا دیا ہے۔ قطعہ اچھا ہے، بشرط آنکہ متولہ کا شوہر یہ الفاظ اپنی زوجہ کے واسطے گوارا کرے۔ خواجہ جان (۱) جھوٹ بولتا ہے۔ والی رام پور کو اس ہنس کے اجرا میں کچھ دخل نہیں۔ یہ کام خدا سار ہے، یہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ ناظر جی نے تمھارے قول کی تصدیق کی اور کہا کہ ہاں مسودہ عرضی کا میرے پاس آ گیا۔ میں تم کو دکھاؤں گا۔ خیر تم نے جو لکھا ہو گا وہ مناسب ہوگا۔ خدا راس لائے اور کام بن جائے۔

الکذائتر ہدئے صاحب میرے دوست کے فرزند ہیں اور نیک بخت اور سعادت مند ہیں۔ میر کافلم علی وغیرہ کی اعتواء میں میری مبارک کو دخل نہیں ہے۔ تم میر کافلم علی سے دریافت کر لو۔ ہاں دو مقدسوں میں میں نے ان کو دو خط لکھے، مگر انہوں نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا اور ان مقدسوں میں کوشش بھی نہیں کی۔ اب اس کو سمجھ کر جو کچھ تم لکھو اس کے موافق عمل میں لاؤ۔

(۱) شمس الدین خواجہ جان (برادر بدرالدین خواجہ امین) بن خواجہ حاجی۔



ظفر جی صاحب اور سجاد میرزا اپنے گھر گئے۔ وہ تم کو دعا اور سجاد بندی کہہ گیا ہے۔ اپنے آنے میں جلدی نہ کرو۔ ماں کی رضاجوئی کو سب امور پر مقدم جانو۔ میں ابھی رام پور نہیں جاتا برسات کے بعد بشرط حیات جاؤں گا، یعنی اواخر اکتوبر یا اوائل نومبر میں قصد ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط دو دن سر کاکلم علی کے پہنچنے سے پہلے تمہارے پاس پہنچے۔ ان کے نام کا حکمنامہ بہت احتیاط سے اپنے پاس رکھنے دینا۔ خبردار، جاتا نہ رہے۔ جب وہ پہنچیں، تب ان کو حوالہ کرنا۔ صاحب نہ ضمن، نہ نفی یہ باتیں غیرت کی ہیں۔ جس طرح اپنے اور بچوں کو دوں گا، مظفر میرزا اور تم کو بھی اسی طرح بھجوا دوں گا۔ ہمشیرہ عزیزہ کو یعنی اپنی والدہ (۱) کو میری دعا کہنا۔

مراقبہ یک شبہ وقت نیم روز ہفتم شوال، ۱۹۔ اپریل

غالب

(۸۱۲۷۹ - ۸۱۸۶۰)

(۱۱)

یوسف میرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا خط کل مشکل کو پہنچا۔ آج بدھ ۱۷۔ سوال اور ۹۔ منی کی ہے اس کا جواب بھیجتا ہوں۔ خدائی قسم تاسی ہدرلی صاحب سے میری ملاقات نہیں ہے۔ ماں الک صاحب (۲) سے ہے۔ سو ان کے نام کا خط لکھا ہوا ہے تم کو بھیجتا ہوں، پڑھ کر، بندہ کو کے ان کو دو اور ان سے ملو اور جو کچھ وہ کہیں مجھ کو لکھیں۔ احرام الفولہ بھائی فضلہ میر کاکلم علی پیادہ کیا جائے کہ کتاب کسی کو کہتے ہیں اور آگرہ کس ہتھیار کا نام اور سکندرہ کون سے

(۱) فد سیہ سلطان، ہمشیرہ حسین میرزا۔

(۲) الک سے مراد الیگزانڈر ہدرلی ہے جو ایک فرانسیسی مرد اور ہندوستانی عورت کے بطن سے تھا، وہ عارف کا شاگرد اور اردو کا لہجہ شاعر بہاء لخلص آزاد تھا لیکن کبھی کبھی الک بھی تخلص کر لیتا جو الیگزانڈر کا مخفف بہاء تاسی ہدرلی الیگزانڈر کا بھائی تھا۔



درخشا کا بھل ہے۔ میرا اردو کا دیوان میراثہ کو گیا، سکندر شاہ لے گئے، مصطفیٰ خاں کو دے آئے۔ ڈاک میں اوس کی پسید آ گئی۔ نہ ”برہان قاطع“، نہ ”قاطع برہان“۔ کل جسی وقت مہسارا خط آیا، اوس وقت منشی میر احمد حسین میرے پاس بیٹھے تھے اور اس وقت سالک مجنوب بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دونوں صاحب تم کو اور بھائی فضلہ کو سلام کہتے ہیں اور بھائی فضلہ سے یہ کہہ دینا کہ باتفاق رائے منشی میر احمد حسین، اب باغ کی درخواست کی عرضی بے فائدہ، بلکہ مضر ہے۔ تمہارا کاغذ قسطنی ایک روپیہ کا منشی جی کے پاس موجود ہے، وہ اوس کو بیچ کر روپیہ تم کو پہنچوا دیں گے۔

۱۔ شوال (۱۲۷۶ھ) و ۹۔ مئی (۱۸۶۰ء)

(۱۲)

یوسف میرزا،

کیوں کر تجھ کو لکھوں کہ نیرا باپ (۱) مر گیا اور اگر لکھوں تو پھر آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو، مگر صبر؟ یہ ایک شیوہ فرسودہ اپناے روزگار کا ہے نعتیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ صبر کرو۔ ہائے ایک کا کلیجا کٹ گیا اور لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نہ نڈب۔ بھلا کیوں کر نہ تڑپے گا؟ صلاح اس امر میں نہیں جانی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں، دعا کا لکھو نہیں، چلے بیٹا مرا، پھر باپ مرا۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے -رورا کس کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف میرزا کو۔

مہساری دادی لکھتی ہیں کہ رھائی کا حکم ہو چکا تھا، یہ بات سچ ہے؟ اگر سچ ہے تو جو امرد ایک بار دونوں قیلوں سے چھوٹ گیا۔ نہ قید حیات

(۱) یوسف میرزا کا والد میر محمد نصیر۔ مالک رام صاحب نے لکھا ہے کہ چلے جس دوام، پھر بھانسی کی سزا ملی، لیکن میرزا کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ بھانسی نہیں ہوئی میر نصیر طبعی موت مرا۔



رہی، نہ قید فرنگ۔ ہاں صاحب وہ لکھتے ہیں کہ پنشن کا رویہ مل گیا تھا، وہ تجسّیز و تکفین کے کام آیا۔ یہ کیا بات ہے؟ جو مجرم ہو کر چودہ برس کو مفید ہوا ہو۔ اس کا پنشن کیوں کر ملے گا اور کس کی درخواست ہے ملے گا؟ رسید کس سے لی جائے گی؟

مصطفیٰ خاں (۱) کی رہائی کا حکم ہوا، مگر پنشن ضبط۔ ہر چند اس برسن سے کچھ حاصل نہیں، لیکن بہت عجیب بات ہے، تمہارے خیال میں جو کچھ آئے وہ مجھ کو لکھو۔ (۲) دوسرا امر یعنی تبدیل مذہب، عیاذاً باللہ! علی کا غلام کہیں مرند نہیں ہوگا، ہاں، یہ بھیک ہے کہ حضرت چالاک اور سخن ساز اور ظریف تھے۔ سوچے ہوں گے کہ ان دموں میں اپنا کام نکالو اور رہا ہو جاؤ۔ عقیدہ کب بدلتا ہے۔ اگر یہ بھی تھا تو ان کا گنا غلط تھا۔ اس طرح رہائی ممکن نہیں۔ قصہ مختصر، تمہاری دادی کا خط جو تمہارے بھائی نے مجھ کو بھیجا تھا، وہ میں نے تمہارے ماسوں کو بھیج دیا۔ ان کی جاداد کی واگزارت کا حکم تو ہو گیا ہے، اگر ان کے بڑے بھائی کے باران کو چھوڑیں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔

منظر میرزا کو دعا پہنچے۔ تمہارا خط جواب طلب نہ تھا۔ تمہارے چچا کا آغاز اچھا ہے، خدا کرے انجام اسی آغاز کے مطابق ہو۔ ان کا مقدمہ دیکھ کر تمہاری بھوی کا اور تمہارا سر انجام دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔ ہوگا کیا؟ اگر جادادیں مل نہ سکیں تو قرضدار دام دام لیں گے۔ رازق حقیقی پنشن دلوادے کہ روٹی کا کام چلے۔ جناب میر قربان علی صاحب کو میرا سلام نیاز اور میر کاظم علی کو دعا۔

مرقومہ شعبہ ۷۷۔ سوال (۹۱۷۷) و ۱۹۔ مئی سال حال (۱۸۹۰ء) غالب

(۱) مصطفیٰ خاں نیفتہ۔ (۲) یعنی والد کی پنشن کے باب میں۔



## نواب سجاد میرزا

(۱)

خوشی دین و دنیا تم کو اوزاقی ۔ تمہارے خط کے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہو گئیں، دل کو چین آ گیا۔ چند بد دورہ خط اچھا، عبارت اچھی۔ اردو میں مطلب نویس اچھے ہو ۔ حق تعالیٰ تم کو عمر و دولت عطا کرے اپنے والد ماجد کو سلام کہتا۔ اپنے بھائی مظفر میرزا کو دعا کہتا۔ زیادہ، زیادہ۔

مارچ ۱۸۹۵ء۔ روز چہار شنبہ نجات کا طالب، غالب۔ ۱

(۲)

زیدۃ آل رسولؐ، سجاد میرزا خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا ۔ دانوا ز نامہ پہنچا :

حیران اطوار خودم، دیواندہ کار خودم

ہر لحاظہ دارم نیتے جیوں فرعہ و مالہا

تمہارے بار باقر میرزا (۱) تحصیلداری تحصیلداری بکارتے تھے ۔ یہاں معلوم ہوا کہ تمام قلمرو (۲) میں چھ تحصیلداریاں ہیں اور چھ تھانیداریاں ہیں : ساتواں علاقہ کہاں ہے پیدا کیا جائے ؟ رہی مصابعت (۳) اوس کو پہلے سنن اور پھر علوم رسمہ سے آگئی، پھر زبان آوری، پھر نسبت کی باوری شرط ہے۔ باقر علی خاں کو دین شرمائی درکار ہیں۔ پہلی شرط موجود (۴) ۔ تم کو پہلی شرط ازلّا و ابدّا مفقود (۵) ۔ بعد

(۱) ابن زین العابدین عارف۔ (۲) قلمرو ریاست رام پور (۳) فرمانروا کی مصابعت ۔

(۴) باقر علی خاں مذہباً سنّی ضرور ہے۔ باقی تین شرطیں مفقود ہیں یعنی نہ علوم رسمہ سے آگاہ ہے نہ زبان آوری نہ نسبت باور ہے۔

(۵) تم مذہباً شیعہ ہو ۔



۲۔ سن (۱) وقت رخصت، ان دونوں لڑکوں کے باپ میں، ناظر ہیں اور مظاہر میرزا اور تمھارے باپ میں، محمد میرزا بن عبداللہ اور میاں زکی الدین اور میاں عبدالسلام کے باپ میں کلام کروں گا :

یا بشکرید خواستہ\* کردگار چیست

---

(۱) اس سے مراد ہے نواب کلب علی خان مرحوم کا جشن جلوس (۱۸۶۵ء) - ناظر ہے کہ مکتوب دام پور سے لکھا گیا اور جن لوگوں کے نام لکھے ہیں ان کے متعلق نواب کلب علی خان ہی سے بات کرنے کا قصد تھا۔



## نواب میر غلام بابا خان

نواب میر غلام بابا خان عرف چھوٹے صاحب بن سید امی (قلبی  
نمبر سورت و سجادہ نشین درگاہ میر جلال الدین عرف خواجہ دانا)  
ج۔ شعبان ۱۲۵۰ھ/۹۔ دسمبر ۱۸۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے جد اعلیٰ  
میر جلال الدین، اکبر کے عہد میں خوارزم (ترکستان) سے ہندوستان آئے تھے۔  
کچھ عرصہ بڑودہ میں رہے، پھر سورت منتقل ہو گئے۔ ۵۔ صفر ۱۲۰۹ھ/  
۲۲۔ مئی ۱۶۰۷ء کو انتقال ہوا، سورت میں ان کی درگاہ زیارت گاہ عام  
ہے۔

نواب میر غلام بابا خان کی تربیت ان کے والد اور بڑے بھائی کی نگرانی  
میں ہوئی۔ نواب میر جعفر علی خان کی صاحبزادی رحیم النساء عرف  
چھوٹی بیگم سے شادی ہوئی (۱۲۷۶ھ - ۱۸۶۰ء) جو غالباً میر ابراہیم  
علی خان وفا ساکن بڑودہ کے چچا تھے۔ نواب میر غلام بابا خان نے  
اپنے عہد ریاست میں سید جلال الدین عرف خواجہ دانا کی درگاہ از سر  
نو بڑے اہتمام سے تعمیر کرائی اور ایک ماذنہ بھی بنوایا (۱۲۰۰ھ/  
۱۸۸۳ء) جس کی تاریخ یہ کہی گئی :

زورے بانگ بگو بر عمود دین نیص  
دونابہ اشہد ان لا الہ الا اللہ

نواب موصوف بڑے خلیل و حامی، سلیم الطبع، متواضع اور معتمد مزاج  
بزرگ تھے۔ مشہور اخبار نویس اور مصنف بہرام جی سروان جی ملیاری  
نے ہندوستان کے تمدنی حالات پر ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ اس میں



ایک واقعہ نواب میر غلام بابا خاں کا بھی لکھنا نواب صاحب بھلی سے ہے سویت توین ہر جانا چاہتے تھے ۔ درجہ اول کا ٹکٹ لیا ۔ جب گاڑی میں قدم رکھا تو وہاں ایک انگریز بیٹھا تھا۔ اس نے نواب صاحب کو بہت برا بھلا کہا مگر انہوں نے صبر کیا اور کوئی جواب نہ دیا ۔

میرزا غالب کے ساتھ نواب میر غلام بابا کے روابط بظاہر میاں داد خاں سیاح کی وجہ سے پیدا ہوئے ، جو نواب موصوف کے مصاحب بن گئے تھے ۔ حکومت نے نواب کو خاں بہادر اور سی آئی کے خطاب دیے ۔ ۱۲ ۔ شوال ۱۳۱۰ھ / ۱۹ ۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو انتقال ہوا ۔ کسی نے تاریخ کسی جس کے بعض اشعار میں مرحوم کے سوانح بیان کر دیے ۔ چند شعر درج ذیل ہیں :

سید آل نبیؐ ، ترمذی ، اولاد حسین	نقشبندی سندے بود غلام بابا
الف و نجاہ و دو صد بود سنہ از ہجری	روز شعبان شدہ مولود غلام بابا
روح پرید شب دوازدہم در شوال	رحمہ اللہ ذوی الجود غلام بابا
عمر مرحوم شدہ شصت کہ سن پیک اجل	گفت بر خیز یہ معبود غلام بابا
از سر ہفت فلک گفت چہ رضوان تاریخ	یہ جنات آمد و آسود غلام بابا

## (۱)

سبحان اللہ تعالیٰ شانہ ما اعظم برہانہ ۔ جناب مستطاب ، نواب میر غلام بابا خاں بہادر سے توسط میاں داد خاں صاحب شناسائی ہم پہنچی لیکن واہ ! ”اول ساغر و دردی“ ، کیا جگر خون کنی انفاق ہے ۔ پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا ، اس میں خبر مرگ ۔ اب میں جو اس کا جواب لکھوں ، اور یہ میرا پہلا خط ہوگا، لا محالہ مضامین اندوہ انگیز ہوں گے ۔ نہ نامہ شوق، نہ محبت نامہ، صرف نعرہٴ نامہ ۔ سریر فلم مافیوں کے شبوں کا خرویش ہے، جو لفظ نکلا وہ سیاہ پوش ہے ۔ ہے ہے



میر جعفر علی خان (۱) جیسا امیر روشن گہر نام آور، روشناس اعیان ہند و انگلیٹ وسط جوانی یعنی چھالیس برس کی عمر میں یوں مر جائے !

نخل چمن سروری التاد ز با ہائے

سچ تو یہ ہے کہ یہ دھر آنسو بہ غم ہے، مجموع اہل ہند ماتم دار و سوگوار ہوں، تو بھی کم ہے۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا، مگر اس کے سوا کہ مغفوت کی دعا کروں، کیا کروں؟ قطعہ سال رحلت نواب خفرائی مآب، جب دل خار خار غم سے پر خوں ہوا، یوں موزوں ہوا :

گر دید نہاں سہر جہانناب دریغ شد تیرہ جہاں، بچشم احباب دریغ  
اس واقعہ را ز روئے زاری غالب تاریخ رقم کرد کہ ”نواب دریغ“  
”روئے زاری“ یعنی ”زا“ ہوزہ کے عدد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ پیدا  
ہوئے ہیں۔ لہذا المطلوب۔ شریک بزم ماتم، منشی میاں داد خان  
صاحب کو سلام۔

یکشنبہ ست و یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء

(۲)

یہ جناب نواب صاحب، جمیل الخائب، عظیم الاحسان، سلمہ اللہ تعالیٰ۔  
بعد سلام مستون الاسلام و دعاے دولت و اقبال کہ ہمیشہ ورد زبان ہے،  
گھڑی کے عطیہ کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجا لاتا ہوں۔ پہلے تو آپ  
دوست اور پھر امیر اور پھر سید۔ نظر ان نینوں امور پر اس اومغان کو ہمیں  
نے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔ خدائے عالم آراے  
آپ کو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپ کا مدد و مددگار رہے۔

(۱) نواب میر غلام بابا خان کے خسر اور ان کی بیگم رحیم النساء عرف  
چھوٹی بیگم کے والد ماجد جن کا انتقال ۱۸۶۳ء میں ہوا۔



ظاہر ، بوقت روانگی کنبی کا رکھنا سہو ہو گیا ، خبر یہاں نہ جانے گئی۔  
والسلام بالوف الاحترام۔

مہ شنبہ سوم دسمبر ۱۸۶۳ء خوشنودئی احباب کا طالب، غالب

(۳)

جناب نواب صاحب،

آپ کے اخلاق کا شاکر اور آپ کی یاد آوری کا مسنون اور آپ کے دوام  
دولت کا دعاگو ہوں۔ اگر بوڑھا اور اباہج نہ ہوتا، تو ریل کی سواری  
میں مقرر آپ تک پہنچتا اور آپ کے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔ آپ  
میرے شفیق اور میرے محسن ہیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ سلامت باکرات  
رکھے۔ خط کے دیر دیر لکھنے کا سبب ضعف و قناعت ہے۔ اگر میری  
اوقات شبانہ روزی اور میرے حالات آپ دیکھیں تو تعجب کریں گے کہ  
یہ شخص جیتا کیوں کر ہے! صبح سے شام تک ہلک بر پڑے رہتا اور پھر  
دمدم ہشام کو اٹھاتا۔ ان مجموع مصائب میں سے ایک اذنی مصیبت  
یہ ہے کہ ۱۲۸۲ھ جری شروع ہوئی۔ ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے۔ آپ کے  
رجب کے مہینے سے سترھواں سال شروع ہو گا۔ سترہ ہسترا، ہسترا، بوڑھا، اباہج  
آفسی ہوں۔ جو عنایت ہم میرے حال پر فرماتے ہو، صرف تمنا ہی خوبی  
ہے۔ میں کسی لائق نہیں۔

نجات کا طالب، غالب

چہار شنبہ ۳۱ مئی ۱۸۶۵ء

(۱) اس گھڑی کا ذکر میان داد خان سیاح کے نام ایک مکتوب میں بھی  
آیا ہے (مکتوب ۱۰)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے سیاح کو لکھا  
تھا۔ میں "قاطع برہان"، دوبارہ چھوڑنا چاہتا ہوں۔ اگر نواب میر غلام  
بابا خان دوسو جلدیں خرید لیں تو طباعت میں خاصی مدد مل جائے گی۔  
معلوم نہیں سیاح نے نواب موصوف سے یہ ذکر کیا یا نہیں، انہوں نے  
گھڑی بھیج دی۔ سیاح کو میرزا لکھتے ہیں کہ یہ میرے کس کام کی؟ یعنی  
اس سے طباعت کتاب میں کیا مدد مل سکتی ہے؟ سیاح کے نام مکتوب  
نمبر ۱۸ سے واضح ہے کہ نواب میر غلام بابا خان نے سو روپے نقد  
بھی بھیج دیے تھے، جو "قاطع برہان"، (موسوم بہ دوست کاوبانی) کی طبع  
دوم میں صرف ہوئے۔



### (ج)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، امیدگاہ درویشانی، زاد النضالکم، آپ کا ہند منت پذیر، غالب خونی صغیر، یوں نواسنج ہونا ہے کہ عنایت نامہ عز و رود لایا اور مردہ قبول سے میرا مربہ بڑھایا۔ جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا، اگر اس کو قدر ذاتی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک جانتا ہوں۔ البتہ آپ نے از راہ حق پستلی سخن کی قدر ذاتی اور میری قدر افزائی کی ہے۔ جو اغلاط فارسی در زبان ہند کے ذہن میں راسخ ہو گئے ہیں، ان کو دلع کیا ہے تو کیا برائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اوجہی بولہی والے ”گننام“ اپنی شہرت کے لیے جھ سے لڑتے ہیں۔ واہ واہ اپنے نامور بنانے کو تاحی احمقی بگڑتے ہیں۔

عطیہ حضرت بیوسط جناب سیفالحق (۱) پہنچا اور میں نے اس کو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضیٰ علیہ الصیۃ والثناء آپ کا دادا اور میرا اٹا۔ خدا کا احسان ہے کہ میں احسان مند بھی ہوا تو اپنے خداوند کلمے بولنے کا۔ آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی۔ چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے۔ بس اب اس کے چھپ جانے میں دیر کیا ہے۔

صبح یکشنبہ ۱۷۔ ستمبر ۱۸۶۵ء بھارت کا طالب، غالب

### (د)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سلامت۔ فقیر اللہ عرض کرتا ہے کہ آپ کے خط کے آنے نے میری آبرو (۱) میان داد خاں سیاح جنہوں نے میرزا غالب نے سیفالحق خطاب دے دیا تھا۔ اشارہ سو روئے کی طرف سے جو نواب میر غلام بابا خاں نے ”قاطع برہان“ کی طبع دوم کے لیے مرحمت فرمائے تھے۔ دیکھیے مکتوب نمبر ۱۸ بنام سیاح۔



رُہائی۔ حق تعالیٰ کہیں سلامت رکھے۔ چوبیس ”دولتی کلویانی“ (۱) کی رسید پہنچی۔ حسب الارضاد اب اور نہ بھجوں گا۔ قیلہ عرض شہرت ہے۔ اس ظہرو میں میں نے جلدیں تقسیم کی ہیں، اس ملک میں قُب بابت دیں۔ اتنی سزی عرض قبول ہو کہ رُوند، گجرات میں سید احمد حسن مودودی اور میر ابراہیم علی خان صاحب کو ایک ایک جگہ بھجوا دیجئے گا (۲) اور چھ جلدیں مولانا سیفالحق کو عطا کیجئے گا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھجوا دیں۔

خواجہ بدوالدین خان میرے پیچھے نے پستان خیال کو اردو میں لکھا ہے۔ اس کا ایک اشتہار اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونے والا ہے، اس کے دو اشتہار اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خرویدار ہوں، نو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں۔ والسلام مع الاکرام، میان سیفالحق کو سلام۔

۲۲۔ مارچ ۱۸۹۶ء

## (۶)

نواب صاحب جمیل الخاق، عمید الاحسان، نواب میر غلام بابا صاحب بہادر، زاد بھدہ،

عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ اور مولانا سیفالحق کا مہربانی نامہ دونوں لفافے ایک دن پہنچے۔ سیفالحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیایں قرار بائیں ہیں۔ مبارک ہو۔ اور مبارک ہو۔

(۱) ”قاطع برہان“ کا دوسرا نام جو طبع دوم میں اختیار کیا گیا۔ تاہم پہلا نام بھی قائم رکھا۔ چنانچہ طبع دوم کے سرورق پر اوپر ”قاطع برہان“ ہے اور نیچے ”دولتی کلویانی“۔

(۲) اس سہرے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ میر ابراہیم علی خان اور میر غلام بابا خان میں ناہم رشتہ تھا اور رشتہ بظاہر یہ تھا کہ میر غلام بابا خان کی بیگم میر ابراہیم علی خان کے چچا نواب میر جعفر علی خان کی صاحبزادی تھی اور میر ابراہیم علی خان کی چھتری بہن تھی۔



نظارا بزم جستیدی سے محروم رہوں گا، مگر میرا حصہ مجھ کو پہنچ رہے گا  
خاطر جمع ہے۔

کیوں حضرت صاحبزادے کا اسم تاریخی پسند آ گیا یا نہیں؟ نام  
تاریخی اور پھر سید بھی اور خان بھی۔ "سید مہابت علی خان"۔ عجب ہے  
اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپ کے خط میں  
توضیح، نہ میان داد خان کے خط میں خبر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ خواہی  
نخواہی یہی نام رکھیے۔ پسند آئے یا نہ آئے گی تو قہر کو اطلاع  
ہو جائے۔

۹۔ ماہ اگست ۱۸۶۶ء جواب کا طالب، غالب

(۵)

ستودہ ہر زبان و قلمور پر دیار، نواب صاحب ضلیق کرم گستر، مرادپوری  
دیار، نواب میر غلام بابا خان بہادر کو مسرت بعد مسرت و جشن بعد  
جشن مبارک و ہایوں ہو۔ رقعہ گنگوں نے بہاری سیر دکھلائی، بسواری  
ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ ہاتھ سے اہاج، کانوں سے  
بہرا، ضعف بصارت، ضعف دماغ، ضعف دل، ضعف معدہ، ان سب ضعفوں  
پر ضعف طالع۔ کیوں کر قصد سفر کروں؟ تین چار شہانہ روز قفس میں  
کس طرح بسر کروں؟ گھنٹے بھر میں دوبار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔  
ایک ہفتے دو ہفتے کے بعد ناگہ قوتلج کے دورے کی شدت ہوتی ہے۔

(۱) مطلب یہ کہ ریل کے ٹکے میں کیوں کر تین چار روز بند ہو کر  
بیٹھا رہوں۔ ٹکے کو قفس سے تنبیہ دی ہے۔ میرزا کے کمال تحریر کا ایک  
پتلا یہ بھی ہے کہ وہ بے قصد و ارادہ اپنے عید کے مختلف حالات بتا  
جائے ہیں۔ مثلاً اس قلم سے واضح ہو گیا کہ ۱۸۶۶ء میں ریل  
دہلی سے تین چار روز میں سوڑ چکی تھی۔ میرزا کے مکاتیب کا  
مطالعہ غور سے کیا جائے تو ایسی کئی اہم باتیں معلوم ہو جاتی ہیں،  
جن کے جاننے کا بظاہر اور کوئی ذریعہ نہیں۔



طاقت جسم میں، حالت جان میں نہیں، آنا میرا سویت تک کسی صورت  
حیز امکان میں نہیں۔

خط لکھنے لکھنے خیال میں آیا کہ سید صاحب کی ولادت کی تاریخ  
لکھی، سیدانی صاحبہ کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا جاوے۔ مادہ ”خجستہ بہار“  
ذہن میں آیا ہے۔ سات عدد کم پائے ”خجستہ بہار“ پر ادب کے اعداد  
بڑھائے۔ سہار میں ۱۲۸۳ نظر آئے۔ دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرثوم  
ہے۔ بوڑھوں کی فکر کی طاق معلوم ہے، صرف جوش بہت سے چار  
مصرعے موزون ہوئے ہیں :

گر قبول اللہ زہے عز و شرف

۱۳۔ نومبر ۱۸۹۹ء راقم اسد اللہ خان غالب

سیدالحق صاحب کو سلام۔ ایک میرے دوست منصور خاکسار کا خاکہ  
انار کر، دربار کا نقشہ انارنے کو اکبر آباد گئے ہیں، وہ آجائیں تو شغل  
نصیر تمام ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے۔ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجا جاتا  
ہے۔ قطعہ :

خجستہ جشن دیستان نشینی بیگم بغض ہمت نواب و بن اقبال  
جو از شے ادب آموزی است خوشی باغد اگر ”خجستہ بہار ادب“ نود سالش

(۸)

نواب صاحب، جمیل العنائب، عمید الاحسان، عالی شان، والا دودمان، زاد عبدکم۔  
سلام مسنون الاسلام و دعاے دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا  
جاتا ہے کہ ان ایام مہینت فرجام میں جو از روئے اعتبار بمبئی آپ کی  
افزائش عز و جہ کے حالات معلوم ہوئے، متواتر شکر الہی بجا لایا اور اس  
ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا۔ خصوصاً  
عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا، کیا کہوں (کسی قدر)  
سیرت و فتادمانی کا موجب اور کسی طرح نشاط و انبساط کا سبب ہوا ہے۔  
حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایوں کرے۔ (۹)۔ قطعہ

(۱) یہ ایک خاندانی مقدمے میں کسبائی کا ذکر ہے۔



صبح سید غلام بابا خان خود نشان دوام اقبال است  
 ہم ازیں رو بود کہ غالب گفت کہ "ظفرنامہ" ابد، سال است  
 بیار باغ جاہ و جلال جاوداں یاد!

(ماہِ ۱۸۶۷ء) اسد اللہ خان غالب

(۹)

نواب صاحب، جمیل العنایب، عظیم الاحسان، عنایت فرمائی مخلصان، زاد مجدد،  
 سکر یاد آوری و روان پروزی بجا لانا ہوں۔ پہلے اس سے آپ کا جو  
 مودت نامہ پہنچا ہے، وہ میرے خط کے جواب میں تھا۔ اس کا جواب  
 نہیں لکھا گیا۔ برسوں میں سید الحق کا خط پہنچا۔ خط کیا تھا  
 خوان دعوت تھا۔ میں نے کھائے بھی کھائے، پیوے بھی کھائے، فاج بھی  
 دیکھا، گانا بھی سنا۔ خدا تم کو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش  
 گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو۔

صاحب، ریاست و امارت میں ایسے جھکڑے پتے رہتے ہیں۔ بسبب  
 فرط ہمت اخبار میں تمہاری افزائشی عروج و جاہ دیکھ کر خوش ہوا اور تم کو  
 بہت دی۔ "ظفر نامہ" ابد، بہت مبارک لفظ ہے۔ انشاء اللہ العلی العالی ہمیشہ  
 مطلق و منصور ہوں گے :

کارت بجاہاں جملہ چنان یاد کہ خواہی

سہ شنبہ ۳۔ اپریل ۱۸۶۷ء بھٹ کا طالب غالب

(۱۰)

جناب سید صاحب قیلہ :

بعد ہندگی عرض کرنا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا۔ آپ جو  
 فرماتے ہیں کہ تو اپنی خیریت کبھی کبھی لکھا کر، آگے انی طاقت  
 نالی لہی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھا تھا، اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی۔  
 ہاتھ سی رعنہ پیدا ہو گیا، پتائی ضعیف ہو گئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا



مقدور نہیں۔ عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحبِ وقت پر آگئے تو میں مطلب کہتا گیا، وہ لکھنے لگے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ کل آب کا خط آیا، آج ہی ایک دوست میرا آگیا کہ یہ چند سطریں لکھوا دیں اور یہ آپ کہیں نہ فرمائی کہ منشی میاں داد خاں سے مجھے قطعِ محبت ہو گیا ہے۔ منشی صاحب کی محبت اور ان کے توسط سے آپ کی محبت دل و جان میں اس قدر سا گئی ہے، جیسا اہل اسلام میں ملکہ ایمان کا۔ پس ایسی محبت کا موقوف ہونا کہیں ممکن نہیں۔ امراضِ جسمانی کا بیان اور اخلاصِ ہمدگر کی شرح کے بعد ہجومِ علمِ ہائے نجاتی کا ذکر کیا کروں؟ جیسا ایرِ سیاء چھا جاتا ہے یا نئی دل آتا ہے۔ بس اللہ ہی اللہ ہے۔ سیف‌الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہئے گا اور یہ خط پڑھا دیجئے گا۔

نجات کا طالب، غالب

روزِ چہار شنبہ ۶۔ اپریل ۱۸۶۸ء



## میر ابراہیم علی خان

”تلامذہ غالب“ سے معلوم ہوا کہ یہ تقویٰ حسینی سید تھے۔ سلسلہ نسب حضرت خواجہ قطب الدین مودودی کے ذریعے سے امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اجداد کا وطن سہسوان (ضلع بدایوں) تھا۔ میر ابراہیم علی خان کے دادا سید سرفراز علی خان اٹھارویں صدی کے اواخر میں بڑودہ پہنچے اور سہاراجا گوندنراؤ کائیکواڑ کی خدمات بوجہ احسن انجام دیں۔ سہاراجا نے کائیکواڑ میں کھانڈیا اور دراوڑی کے علاقے بطور جاگیر دوائی انہیں دے دیے۔ سید سرفراز علی خان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے میر اکبر علی خان اور چھوٹے میر جعفر علی خان۔ میر اکبر علی خان نے فرزند اکبر کی حیثیت میں سید سرفراز علی کا منصب سلحداری سنبھال لیا۔ ان کے انتقال پر ۱۸۹۰ء میں میر ابراہیم علی خان جلدی منصب کے وارث ہوئے۔ میر جعفر علی خان کی لبادی سورت کے ایک قدیم امیر گھرانے میں ہو گئی تھی۔ وہ غالباً سورت ہی میں مقیم ہو گئے۔ انہیں کی صاحبزادی سے میر غلام بابا خان کی شادی ہوئی تھی۔

میر ابراہیم علی خان ۱۸۳۵ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۰ء میں سلحدار بنے۔ ابتدائی تعلیم گھور پر پائی۔ تکمیل علوم سورت میں منشی مظاہر فریدی سے کی۔ شادی بڑودہ میں ہوئی۔ وقا اور طالب تخلص تھے۔ ۱۸۸۵ء میں وفات پائی۔ ان کی یادگار چار فرزند تھے : میر احتشام علی خان ، میر ناصر علی خان ، میر یوسف علی خان ، میر محمود علی خان ۔ میر عالم علی خان جن کا ذکر میرزا کے خطوط میں آیا



ھے نواب میر ابراہیم خاں کے اقربا میں سے تھے ۔ حکیم سید احمد حسن سودودی بھی میر ابراہیم علی خاں ہی سے وابستہ تھے کیونکہ دونوں کا وطن بھی ایک تھا اور دونوں سادات کے ایک ہی خاندان سے تھے ۔

## (۱)

میر و مرقد جناب سید ابراہیم علی خاں کو ہندگی۔ غزل پہنچتی ہے ۔ خط از روئے احتیاط یرنگ بھجوا ہے۔ قبلہ! آپ کے بھائی میر عالم علی خاں صاحب مجھ پر کیوں خفا ہیں کہ اپنی غزل نہیں بھیجتے؟ یہ امر ان کے خاطر نشان ہو جائے کہ غالب آپ کے دادا کا غلام اور خدمت بجا لانے کو آمادہ (۱) ہے۔

نیم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ

نجات کا طالب غالب

(۲۱۔ جولائی ۱۸۶۶ء)

## (۲)

ولی نعمت کو غالب کی ہندگی،

یہ سبب ضعف میری کے خدمت گزاری میں درنگ واقع ہو جائے تو معاف رہوں، کبھی ناصر نہ رہوں گا، انشاء اللہ العظیم ۔ دو غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے، دوسری غزل ہلکے آیتہ میں پہنچ جائے گی۔ ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال حواس کا کیا حال لکھوں۔ دو تین دن ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خاں کا خط آیا ۔ وہ لکھتے ہیں کہ آزرہہ لخلص کی دو غزلیں اصلاحی پہنچیں ۔ دیکھیں اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پہنچیں۔ برا اس میں ہے کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا کہ آزرہہ کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے اور کہاں کا ہے؟ شاید اس بندہ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہوں گی

(۱) ظاہر ہے کہ میر ابراہیم علی خاں کے نام یہ پہلا خط نہیں کم از کم عالم علی خاں کے ساتھ اس سے بیشتر بھی خط و کتابت تھی۔ بلکہ وہ اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجتے رہتے تھے۔



خدا کرے وہ بزرگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے تو میر صاحب کی خدمت میں بھیج دوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ان غزلوں کو، جو اب آئی ہیں، دیکھوں گا۔ یہ اکتوبر برس کی عمر کی خوبی ہے۔ آپ میر صاحب قبلہ کو خط پڑھوا دیجئے گا۔

۲۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء لطف و کرم کا طالب غالب

(۳)

سید صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علی خان بہادر کو غالب علی شاہ کا سلام۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے :

بس شوقِ قل سے ہے الخ

گم ہو گئی۔ پھر لکھ کر بھیجئے اور قصور معاف کیجئے۔ یہ غزل جو اس غزل کے بعد بھیجی ہے، فی الحال بعد اصلاح کے پہنچی ہے۔

میر صاحب قبلہ سید عالم علی خان بہادر کی دو غزلیں پہنچیں، مگر وہ یہ لکھتے ہیں کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤں گا (۱)۔ اور وہاں سے قیرے پاس آؤں گا۔ آج بھساب چتری ۲۷، اور از روئے رویت ۲۶ رجب کی ہے (۲)۔ غزلیں ان کی موجود، مگر بھیج نہیں سکتا۔ آپ میری بے گناہی کے گواہ رہیں۔ قبلہ! ضعف نے مضحک کر دیا ہے، حواس بجا نہیں۔ اس مہینے میں رجب کی انہوں نے تاریخ سے بیہوشی شروع ہو گیا ہے۔

لغذا بہ اعتبار آرد و برنج مفقود (م)۔ صبح کو پان سات بادام کا لہرہ، یارو جے آپ گوشت، نام کو چار کباب تلے ہوئے۔ بس آگے خدا کا نام۔ ہاں حضرت جناب حکیم احمد حسن صاحب کی تقریر سے کچھ حال ناسازی کا اخوان و احباب سے معلوم ہوا (م) اور وہ عام باعث

(۱) غالباً وطن سے مراد سہوان ہے۔

(۲) یعنی چتری کے اندراجات کے مطابق ۲۷ اور چاند دیکھنے کی نا۔

- ۲۶ -

(م) مطلب یہ کہ رونی اور چاول بالکل ترک کر دے گئے۔

(م) بھائیوں اور دوستوں سے اختلاف۔



توزیع (۱) ضمیر ہے۔ متوقع ہوں کہ اس نصاب کے راجع ہوئے ہوں اور اپنی طہائیت خاطر سے فقیر کو آگہی بخشے اور اس خط کا جواب مع رسید غزل جلد ارسال فرمائے گا۔

بہجہ دسمبر ۱۸۶۶ء - وجہ کی تاریخ اور لکھ آیا ہوں (۶)۔

اسد سے دستگیر

(۴)

بخدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب دودوی تسلیم۔ جناب میر ابراہیم علی خان بہادر کورنش مقبول باد۔ تصویر مہر تنویر بھجے پہنچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی۔ عجب ہے کہ آپ کو اس کے پہنچنے میں تردد ہے۔ اس سال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا خاکہ یعنی تصویر منشی میاں داد خان کی معرفت نذر کی ہے۔ بایں ہے، وہ بھی پہنچی ہو گی۔ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں۔ اپنی غزل آپ رخصت دیں اور سید صاحب کی غزل ان کے حوالہ کر دیں (۱)۔

جمعہ ۱۷۔ اگست ۱۸۶۸ء بہت کا طالب، غالب

(۵)

جناب نقس انصاف سید صاحب قبلہ، والا مناتب، عالی شان، نواب سید ابراہیم علی خان بہادر، مدظلہ العالی۔ بعد بندگی معروض ہے۔ حضرت سید احمد حسن خان صاحب مدظلہ العالی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود پیدا ہوا۔ ایک عیادت رنگیں مراتب کر کے "اکمل الاخبار" میں میں نے چھپوا دی ہے اور ایک رباعی

(۱) ہرا گندگی، پریشانی۔

(۲) جنتری کے حساب سے ۳۷ اور رویت کے حساب سے ۲۶۔

(۳) یہ مکتوب سید احمد حسن اور نواب میر ابراہیم علی خان کو مشترک لکھا ہے، چونکہ سید احمد حسن کو صرف سلام لکھ دیا ہے باقی پورے خط میں نواب میر ابراہیم علی خان ہی مخاطب ہیں، اس لیے میں نے اسے نواب صاحب کے مجموعے میں شامل کر لیا۔



اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا، جو انہوں نے یہاں بھیجا تھا، وہ بھی چھپوا دیا اور تین قطعے تاریخی بہاری لال منتظم اور میر فخرالدین مجتہم مطبع نے جو یہاں تاریخیں لکھی تھیں، وہ چھپوا دیں۔ چنانچہ اپنی لکھی ہوئی ریاضی اور قطعہ عرض کرتا ہوں۔

### ریاضی

حق داد بہ سید زبئی انعامتس فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش  
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش "ارشاد حسین خاں" کہ باشد تلمش

### قطعہ

غالب حال سفینِ عجری معلوم کن از "خجستہ فرزندان"  
چوں یک حد و بست و چار ماند این است شمارِ عمرِ دلبد  
یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۵ھ ہے۔ جب "خجستہ فرزندان" کے اعداد میں سے  
۱۲۸۵ لے لیے جائیں تو ایک سو چوبیس بچتے ہیں۔ ان کو میں نے دعائے  
عمر مولود قرار دیا۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمرِ طبعی  
کو پہنچائے (۱)۔

خط کی رسید کا طالب غالب

(۱) یہ خط اگست ۱۸۶۸ء کا ہونا چاہیے۔ سید احمد حسن مودودی  
نے غالباً جولائی میں لکھا تھا کہ ثواب میر ابراہیم علی خاں کے  
بچہ ہوئے والا ہے۔ میرزا نے اپنے خط بنام سید احمد حسن مرقومہ  
۱۷ جولائی ۱۸۶۸ء میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تاریخ  
تولد کا مجھے خیال رہے گا۔ بعد میں اطلاع ملی تو یہ تاریخیں کہیں۔



## حکیم سید احمد حسن مودودی

سید احمد حسن بن سید محمد حسن صالحی، وطن سہواں۔ غالباً ۱۳۵۸ھ/۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ تکمیل علوم دہلی میں کی۔ غالباً اسی زمانے میں میرزا غالب سے تعلق پیدا ہوا۔ پھر بڑودہ چلے گئے اور وہاں وقت کے نامور طبیب حکیم ہاشم علی خان موہانی سے طب پڑھی۔ وہیں طب شروع کیا اور ریاست میں ملازمت اختیار کر لی۔ رؤسا بڑودہ کی قدر و منزلت کے باعث وہیں سکونت اختیار کر لی۔ بھائی بدوں اور اربا کو اپنے پاس بلا کر مختلف خدمات پر مامور کرا دیا۔ "حیات العلماء" کا بیان ہے :

بامروت و سیر چشم و کرم و مہمان نواز و قدر شناس اہل علم تھے  
مطالعہ کتب و صحبت ارباب کمال، و تصنیف و تالیف و شاعری  
و انشا نگاری میں زیادہ دلچسپی کے ساتھ اوقات بسر فرماتے۔  
علماً و شعرا صابر و وارہ کو بہ شوق تمام مہمان رکھتے تھے  
(ص ۱۷۱)۔

بڑودہ کی کشش کا خاص باعث غالباً یہ ہوا کہ نواب میر سید ابراہیم علی خان وہاں موجود تھے، جنہیں بڑی جاگیر حاصل تھی اور وہ بھی مودودی سہواں تھے۔ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کے بھائی سید احمد حسن عرضی حج کے لیے جانے وقت حکیم سید احمد حسن ہی کے پاس بڑودہ میں ٹھہرے تھے۔ وہیں بیمار ہو کر وفات پائی۔ حکیم صاحب ہی نے ان کی بیماری اور وفات کے متعلق منجمل خط نواب صدیق حسن



خان کے نام بھوپال بھیجا تھا۔ حکیم صاحب کا کتب خانہ علوم و فنون مختلفہ کا ایک گراں بہا ذخیرہ تھا۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں فوت ہوئے۔ مؤلف ”حیات العلماء“ سید عبدالباقی سہسواڑی نے لکھا ہے :

آپ کے فرزند اوجہند سید محمود حسین سلمہ رہہ جانشین پدر ہیں۔ آپ (حکیم احمد حسن) عمر بطور کے قریبی خال بالافضل تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (ص ۷۱-۷۲)

مالک رام صاحب نے فنا اور جالی تخلص لکھے ہیں (تلامذہ غالب ص ۴۴) ”ضمخانہ جاوید“ سے بھی فنا ہی کی توثیق ہوتی ہے۔ سید ظہیر الدین مدنی نے فنا اور جالی تخلص بنائے ہیں۔

(۱)

حضرت قبلہ

پہلے التماس یہ ہے کہ آپ صحیح النسب سید ، تمام امت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ ، جب آپ مجھ کو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں؟ خدا کے واسطے غور کیجئے کہ ”قبلہ قبلہ“ اور ”کعبہ کعبہ“ یہ کیا ترکیب ہے ؟ چونکہ آپ نے مجھے استاد گردانا ہے ، اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجئے۔ زہار قبلہ قبلہ کہیں نہ لکھئے ، یہ سوء ادب ہے بہ نسبت قبلہ ۔ عیاذاً باللہ !

آپ کا عظمت نامہ پہنچا۔ میرے پہلے خط کا بدیر پہنچنا اور اس کی دیر سی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ اب اس کا خیال رکھوں گا۔ یہ اب آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے۔ دو یا تین خط کا جواب نہیں پہنچا۔ اس کو یہ سمجھیے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے :

چار گلستان احمد حسن

یہ سچ کیا برا ہے ؟

دل حیدر و جان احمد حسن



یہ اس سے بھی بہتر ہے۔ انہیں دونوں میں سے ایک سچ سپر ہر کہہ دیا  
لہجے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچی ہے۔

۱۹۔ ذی الحجہ (۱۲۷۷ھ/۱۸ جون ۱۸۹۶ء) غالب

(۲)

حضرت پیر و مرشد،

غزل بعد اصلاح کے پہنچی ہے۔ غزل سپر سے لکھ گیا ہوں،  
دونوں غزلیں پہنچی ہیں۔ جناب مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو  
تعارف اسی ہے۔ ان کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ حضرت جناب  
مولوی صدوالدین (۱) صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ  
پیش ہوا۔ رویکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا  
حکم دیا۔ نوکری موقوف، جاہداد ضبط۔ ناجار خستہ و تباہ لاہور گئے۔  
قناصل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جاہداد واگرائسٹ  
کی۔ اب نصف جاہداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کراچی  
پر معاش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزائیے کو کافی ہے،  
کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بیٹی، تیس چالیس روپے مہینے کی آمد،  
لیکن چونکہ امام بخش کی اولاد ان کی عورت (۲) ہے اور وہ دس بارہ  
آدمی ہیں، لہذا فراغ مال سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھبر  
لیا ہے۔ عشرہ نامہ کے اواخر میں (۳) ہیں۔ خدا سلامت رکھے، غنیمت ہیں۔  
یکشنبہ ۱۹۔ جنوری ۱۸۹۶ء غالب

(۱) یعنی مفتی صدوالدین آزرہ مرحوم و مغفور۔

(۲) یہ لفظ اولاد کے لیے بھی مستعمل ہے اور خویش و اقارب کے لیے بھی۔  
بیان آخری معنی مراد ہیں۔

(۳) مفتی صدوالدین مرحوم ۱۲۷۷ھ/۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۲۴ ربیع الاول  
۱۲۸۵ھ/۱۵ مئی ۱۸۶۸ء کو وفات پائی۔ ۱۸۹۶ء (۱۲۷۹ھ) میں وہ بہ اعتبار  
ستین قمری چھپترویں سال میں تھے۔ لہذا میرزا کا یہ بیان درست ہے کہ  
عشرہ نامہ کے اواخر میں ہیں۔



سید صاحب قبلہ،

ہدایت نامہ مع قصیدہ پہنچا۔ اس ویڈیو ایک رات نامہ پر مرشد سید ابراہیم علی خان صاحب بہادر اور ایک عطاوت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم علی خان بہادر کا پہنچا۔ میں علی کا سلام ہوں اور اولاد علی کا خانہ زاد، لیکن بڑھا اور تانوان اور مسلوب الحواس اور بے سروسامان۔ خدمت بجا لانے میں عذر کروں تو گتہ گار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔ لا یتکلف اللہ لئلاً الا وسعیاً۔

خداوند نعمت، کیا ہم دلی کو آباد اور قلعے کو معمور اور سلطنت کو مستور سمجھے ہوئے ہو، جو حضرت شیخ کا کلام (۱) اور صاحبزادہ قصاب الدین (۲) ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ کا حال پوچھتے ہو؟ ”اے دفتر را کاف خور و گاڑ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد“۔

بادشاہ کے دم تک یہ باتیں نہیں۔ خود میان کالے صاحب مغمور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو پھیر دی۔ کاشغ کا بڑا، سونے کا تار، پشمینہ کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ کا بھلائی جہاں آبادی رحمہ اللہ علیہ کا مقبرہ اجڑ گیا۔ ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر، اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گول سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں۔ ان کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا، کچھ تبرکات بھی تھے۔ اب جب لوگ ہی نہیں تو کس سے پوچھوں؟ کیا کروں؟ کہیں سے یہ مدعا حاصل نہ ہوسکے گا۔

(۱) شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی وہ جو اپنے عہد کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ وفات ۴۰۰ھ۔ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ/۱۶۷۹ء۔ لال قلعہ دہلی اور جامع مسجد کے درمیان آب کا مزار ہے۔

(۲) مولانا فخر الدین فخر عالم کے صاحبزادے اور بہادر شاہ ظفر کے مرشد شیخ نصیر الدین ”عرف کالے میان“ کے والد ماجد۔



سید صاحب قبلہ کیوں تکلیف کرتے ہیں ؟ اگر یہی مرضی ہے تو اتفاق و اہدا تکلیف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں، اگر کچھ بھیج دیں گے ، رد نہ کروں گا۔ کم و بیش ہر نظر نہ کریں، جتنے کا چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیج دیں۔ والسلام۔

از اسد اللہ

روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۳ء

(۴)

پیرو مرشد،

تین برس عوارض احتراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی۔ آپ کے خطوط آنے ہوں گے۔ کوئی عنوان نا کشودہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفیٰ خاں کا آنا مجھ کو یاد ہے۔ یقین کرتا ہوں کہ انہوں نے از روئے مشاہدہ میری خستگی نہی کا حال حضرت کو لکھا ہوگا۔ اب میں اسی زبان سے یہ کیوں کر کہوں کہ اچھا ہوں، مگر بیمار اور عوارض میں گرفتار نہیں ہوں۔ بوڑھا، بہرا، اچھلچل، بدحواس، ناسوان، فلک زدہ آدمی ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ جب آپ کا خط آئے گا، اس کا جواب لکھوں گا۔ جب غزل آئے گی اس کو دیکھ کر ہنر بھجوں گا، مگر حضرت کے مسکن کا پتا بھول گیا۔ یہ خط نو مصطفیٰ خاں سوداگر کو بھیجے دیتا ہوں، وہ آپ کو بھجوا دیں گے، آئندہ جو عنایت نامہ ڈاک میں آئے، اس میں مسکن و مقام وشہر کا نام لکھا جائے۔

نجات کا طالب غالب

۲۴ جولائی ۱۸۶۵ء

(۵)

حضرت پیر و مرشد،

ان دنوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں تو موجب ملال خاطر القدس نہ ہو :



انسانی سفر اتحاد بہ پیری غالب  
 آنچہ از پائے نیامد ، ز عصای آبد

رام پور کی سرکار کا قہر نکیہ دار روزینہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے  
 مسئلہ نشینی کا جشن کہا۔ دعا گوئے دولت کو در دولت پر جانا  
 واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رام پور کو روانہ ہوا۔ بعد  
 قطع منازل ستہ (۱) وہاں پہنچا۔ بعد اختتام یزم، عازم وطن ہوا۔ ہشتم  
 جنوری کو دلی پہنچا۔ عرض راہ میں بیمار ہوا۔ پانچ دن مراد آباد میں  
 صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرمودہ رواں و ناتواں تھا، ویسا ہوں۔  
 جواب خطوط مجتمعه لکھ سکتا ہوں؟

نواب میر جعفر خان سبرور و مغفور کا خاندان، سبحان اللہ :

ایں سلسلہ از طلائے ناب است  
 ایں خانہ نعام آفتاب است

نواب میر غلام بابا خان میرے دوست اور محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام  
 مفت سے باہم دگر جاری ہے آپ کا حکم کے نکاح ساتوں گا۔ جناب  
 میر ابراہیم علی خان صاحب اور حضرت میر عالم علی خان صاحب کی  
 خدمت گزاری کو اپنا فخر و شرف جانوں گا۔ اس وقت ہمیں کہولا  
 ہے۔ خطوط اطراف و جواب دیکھ رہا ہوں۔ پہلے حضرت کے خط کا جواب  
 بطور اختصار لکھا ہے۔ اب جب اس کا جواب آئے گا، آپ قہر حکم  
 بجا لائے گا۔

امداد اللہ

چارشنبہ ۱۷۔ جنوری ۱۸۶۶ء

(۹)

میر و مرشد،

آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے؟ ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔  
 رشتہ پیدا ہو گیا۔ بھائی میں بڑا شور مچا۔ حواس بختری ہو گئے۔ جہاں تک

(۱) دہلی سے رام پور تک چھ منزلیں۔



ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دھکھتا رہا اور اصلاح دیتا رہا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سمجھئے، نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں شاہ شرف یو علی قلندر کو بسبب کبریا کے خدا تعالیٰ نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط تنویر کا جواب جس صوف سے ہر سکے گا، لکھ دیا کروں گا۔

زیادہ حد ادب

واقعہ امداد خان غالب

۸۔ اپریل ۱۸۶۶ء۔

(۷)

پیر و مرشد،

یکم محرم کا خط کل ۱۸۔ محرم کو پہنچا، آج ۱۹ کو جواب لکھنا ہوں۔ آپ پر اور میرا ابراہیم علی خان پر میری جان نثار ہے۔ مضامین ما مضی۔ اب ایک ایک منزل آپ تینوں صاحب بھیج دیا کیجیے۔ اسی طرح میں فرداً فرداً اصلاح دے کر بھیج دیا کروں گا، مگر میرے قبلہ و کعبہ، واسطے خدا کے شجرۂ منقولہ ارسال نہ فرمائیے گا۔ اس کی اصلاح میری حد وسیع ہے باہر ہے۔ میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا، یہ خط عمدتاً بیرنگ بھیجنا ہوں۔ کہتے ہیں کہ ربڑ کے تانے ہونے کا احتیاج ہے، بیرنگ کا نہیں۔

امداد

شبہ، دوم جون ۱۸۶۶ء۔

(۸)

قبلہ،

ڈاک کے ہرکارے نے کل دو خط ایک بار پہنچائے۔ ایک آپ کا خط مع منزل اور ایک نواب مر ابراہیم علی خان کا خط مع منزل۔ آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں، اس واسطے یہ خط روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات یہ کہ منزل کا کاغذ واپس بھیجنا ہوں۔ نہ اس کو بھاڑ



سکوں ، نہ پانی میں دھو سکوں ۔ شہیدی کی غزل ان قافیوں میں یہ بغیر ردیف ایسی ہے کہ اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیے ۔ آپ اور غزل لکھیے ، اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھیے ۔

یہ بھی اس ضمن میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنی اصلاحی غزل کی رسید کل کے خط میں لکھ بھیجی ، آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھیے ہیں کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں ؟ اسی فصل میں یہ بھی اطلاع دینا ہوں کہ آپ کی غزل ”تھلا کر سوئے“ اور ”تھلا کر سوئے“ اور تاریخ“ ہائے بنائے مسجد دیکھ کر اور اصلاح دے کر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں ۔

دوسری بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل لکھیے ۔ ایسا کہ لاکھ کا ملک بڑوہ کی سرکار سے ہمارے حسن کو ملا ہے کہ ان سے دو لاکھ روپیہ نذرانہ مانگا جاتا ہے ؟ آگے اس راج میں حسام الدین حسین خاں بڑے معزز اور مکرم منسل بھیے اور سیر حاصل جاگیریں رکھتے تھے ۔ سید ابراہیم علی خاں صاحب اسی خاندان میں سے ہیں ؟ اور ہاں یہ بھی لکھیے کہ میر عالم علی خاں کو ان سے اور آپ کو ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے ؟

تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجیے تو اہل کلکتہ کی طرح آدھا آدھا دوبار کر کے نہ بھیجے گا ۔ میرے نام کا لفظ جس شہر سے چلے ، اسی شہر کے ڈاک گھر میں وہ جائے وہ جائے ، ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو ۔

اسد اللہ

۲۵۔ ستمبر ۱۸۹۶ء

(۹)

حضرت ،

یہ آپ کے جد لیجہ کا غلام ہو مر لیا ۔ کثرت احکام ، نواتر ورود اصعار ، پھر یہ ہتجار کہ سو روپے کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو ۔ میر ابراہیم علی خاں صاحب کی غزل ، جس کا ایک شعر یہ ہے :



علی علی جو کہا نا سحر تو یوں سمجھئے  
کہ ذوالفقار سے کشی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اس کا نقاضا کیسے جاتے ہیں۔ غزلیں آپ کی برستی ہیں، کہاں تک دیکھوں؟ آپ کی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی، پور ریجور دائمی، غذا یکم قلم مفقود۔ آٹھ پیر میں ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں، نہ روٹی، نہ بونی، نہ بلاؤ، نہ خشکا۔ آنکھ کی بینائی میں فرق، ہاتھ کی گیرائی میں فرق، رعشہ مستول، حافظہ معدوم۔ جہاں جو کاغذ رہا، وہ وہیں رہا۔

میر عالم علی خان صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ٹوٹ عطیہ سید صاحب کا آپ کے خط میں پہنچا، رویہ وصول ہوا۔ معاخرج ہوا، ان کی ایک غزل ”ساری رات،“ ہماری رات،“ جس کا ایک شعر اوپر لکھ آیا ہوں، بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور کوئی غزل ان کی اب میرے پاس نہیں اور جناب میر عالم علی خان کی دو غزلیں، یاد ہیں کہ آئی ہیں۔ اگر مل جائیں گی تو بعد اصلاح بھیجوں گا۔ آپ کی غزلیں شمار سے باہر ہیں۔ بکس میں دیکھوں گا۔ کتابوں میں ڈھونڈوں گا۔ مدعا یہ کہ آپ اور دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل اور اس خط کا جواب پہنچ جائے، تب دوسری غزل خط میں مانون ہو کر بھیجی جائے اور خط ہر صاحب کا جدا ہو۔ آپ یہ میرا خط غور سے پڑھ لیں اور دونوں سید صاحبوں کو پڑھوا دیں۔ از روئے احتیاط بیرنگ بھیجنا ہوں۔

اسد یک رات

۱۸۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء

(۱۰)

سید صاحب ولیدہ حکیم سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچئے۔ وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض



سے امانت ہے، سو محض غلط ہے۔ آگے فائواں تھا، اب نیم جان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں، وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ آپ سید ہیں اور بزرگ ہیں، میرے حق میں دعا کریں کہ اب نہتر برس سے آگے نہ بڑھوں اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت عنایت کرے تاکہ دوستوں کی خدمت بجا لاتا رہوں۔

غالب

۳۔ جولائی ۱۸۹۷ء

(۱۱)

جناب سید صاحب و قبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی قبول ہو اور یہ عرض بھی قبول ہو کہ جناب معلی القاب نواب ابراہیم علی خان بہادر کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں۔ ہمارے بصورت تصویر دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچنا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا، خدمت بجا لال نہیں ہو سکتی، مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر رہوں گا۔ عنایت کی نظر رہے میرے حال پر یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ نواب صاحب قبلہ کے ہاں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہوئے والا ہے، مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہے گا جب آپ کی تحریر سے نوید تولد معلوم کر لوں گا، آپ قطعہ یا رباعی جو کچھ ہو گی، وہ بھیج دوں گا اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے، مجھے اس حکم کی تعمیل بہ دل منظور ہے۔ جس مہینے تک میں زندہ ہوں، اس مہینے تک خدمت بجا لاؤں گا۔

۱۔ جولائی ۱۸۹۸ء



## میان داد خان سیاح

نام میان داد خان ، ابتدا میں نخلص عشائی تھا ۔ میرزا غالب نے ان کا نخلص سیاح تجویز کیا اور سیف الحق لقب ٹھہرایا ۔ وطن اورنگ آباد ۔ سیاح کے والد منشی عبداللہ خان اورنگ آباد کے امیر لوگوں میں سے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیاح ہی کے اصراف سے نہ محض روپیہ بلکہ جہاداد بھی ٹھکانے لگ گئی ۔ نلامذہ غالب کا بیان ہے :

یازدانی زندہ دل آدمی تھے ۔ مزاج میں نفاست بہت تھی ۔ خوش لباس ایسے کہ کپڑے دہلی سے سلائے ۔ عطر کا شوق اس درجہ کہ جس گلی کوچے سے نکل جاتے وہ سبک اٹھتے اور لوگ محض نصا کی خوشبو سے کہہ دیتے کہ سیاح اس طرف سے گزرے ہیں (ص ۱۰۰)۔

ایک بیان کے مطابق وفات پر بھی ان کے ہاں سے کچھ شاعر ہوشاکیں اور کم و بیش بیسیوں جوڑے جوئے نکلے ۔

مجبور ہو کر وطن چھوڑا ، بمبئی ہوتے ہوئے سوہنہ پہنچے ۔ جہاں غلاب میر غلام بابا خان نے انہیں مصاحبوں میں داخل کر لیا ۔ یہ ۱۸۳۳ء یا ۱۸۳۷ء کا واقعہ ہے ۔ بعد ازاں شوق سیاحت میں نکل پڑے ، کہتے ہیں انہوں نے ایران ، عرب ، مصر وغیرہ کی سیر بھی کی تھی ۔ ہندوستان میں وہ دہلی ، کان پور ، لکھنؤ بنارس وغیرہ دیکھنے ہوئے کلکتہ پہنچے ۔ "سخن شعراء" کا بیان ہے کہ ۱۸۶۲ء میں کلکتہ آئے تھے



(ص ۲۳) لکھنؤ، بنارس اور کاتکھ پہنچنے کی تصدیق میرزا غالب کے خطوط سے بھی ہوئی۔ دہلی میں میرزا غالب سے خوب ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔

سفر سے مراجعت پر سویت ہی میں رہے اور وہیں ۱۸۹۵ء میں نکاح کیا۔ کئی بچے ہوئے، مگر سب کم مٹی میں فوت ہو گئے۔ پھر ایک بچی لے کر بانی اور عبدالرشید خان نامی ایک صاحب سے اس کی شادی کر دی۔

”غلامہ غالب“ کا بیان ہے کہ ۱۸۷۸ء میں ان پر جعلی سکے بنانے کا الزام لگا۔ بہت اچھے خطاط اور مصور تھے۔ غالباً اسی وجہ سے قلع سازی کی طرف مائل ہوئے۔ سو سو روپے کے نوٹ بنائے تھے۔ گرفتار یوں ہوئے کہ ایک مرتبہ بمبئی سے حیدرآباد جا رہے تھے۔ سو روپے کا نوٹ دے کر ریل کا ٹکٹ خریدا۔ سوء اتفاق سے ان کے بعد جو آدمی ٹکٹ خریدنے کے لیے آیا۔ اس کے پاس بھی سو روپے کا ایک نوٹ اسی نمبر کا تھا۔ فوراً تفتیش شروع ہوئی، گرفتاری کے بعد مقدمہ چلا اور چودہ سال قید کی سزا ہوئی۔ جیل خانے کا داروغہ ایک پارسی تھا۔ اس نے سیاح کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے مقرر کر لیا۔ ۱۸۸۷ء میں وکٹوریا کی جوبلی پر تصدیق لکھوا کر سفارتی کے ساتھ اوپر بوجھایا اور رہائی کا انتظام کر دیا۔

۱۸۷۱ء میں منشی نولکشور نواب میر غلام بابا خان کے بچوں کی تقریب ختنہ میں سویت آنے نو سیاح سے وعدہ لیا کہ وہ منشی صاحب کے ساتھ کشمیر جائیں گے۔ سیاح، سچیں، بمبئی وغیرہ ٹھہرتے ہوئے کان پور پہنچے تو منشی نولکشور انتظار کر کے روانہ ہو چکے تھے، مگر اتفاق کی بات ہے کہ شدید بارشوں کے سبب راستہ خراب ہو گیا اور لوٹ آئے۔ سیاح کو لکھنؤ لے گئے۔ خوب خاطر و مدارات کی۔ ایک مشاہرہ لکھنؤ میں اور دوسرا کان پور میں ہوا۔ اس سفر اور مشاہروں کا حال سیاح نے ”سیر سیاح“ کے نام سے لکھ دیا تھا اور مطبع نولکشور میں یہ کتاب چھپ گئی تھی۔ اب کعباب ہے۔ سیاح نے ایک مشاعرے میں جو طرحی غزل پڑھی تھی۔ اس کے دو شعر یہ ہیں :



نادان غلط سمجھتے ہیں توقیر زر کے ساتھ  
عزت ملی بشر کو ہے عام و ہنر کے ساتھ  
سیاح تا یہ سدود و کرسی ہے اپنی سیر  
بابا نہیں یہ نام زمیں کے سفر کے ساتھ

نواب میر غلام بابا خاں کی زندگی تک انہیں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔  
مگر ان کی وفات پر سیاح کی زندگی لٹکی نہیں بسر ہوئی اور ایک دوست ان  
کی خدمت کرتے رہتے تھے۔

میرزا غالب نے اپنی کتاب ”لطائف غیبی“ سیاح ہی کے نام سے شائع کی تھی  
اس کی عبارت کا انداز میرزا کا ہے۔ ”سیر سیاح“ کا اسلوب بیان بالکل  
عکس ہے۔ میرزا خود سیاح کو ”لطائف“ کا ایک نسخہ بھیج کر لکھتے  
ہیں :

یہ نسخہ میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر درست کر دیا  
ہے۔ باقی نسخوں کو بھی ان کے مطابق صحیح کر لو۔

۱۹۰۷ء میں انتقال ہوا مالک رام صاحب کا بیان ہے ، صورت میں۔  
(تلاش غالب ص ۱۵۷) میرزا عسکری مرحوم فرماتے ہیں کہ یہی میں۔  
یہ ہر حال انہیں سید جمال الدین عرف خواجہ دانا کی درگاہ میں دفن کیا گیا۔  
مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق عمر فریباً پچاسی برس کی تھی۔  
اسے درست مان لیا جائے تو یہ حساب سنیں تقریباً ۱۲۳۰ یا ۱۲۳۱ھ  
(۱۸۴۴ء) کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے ، میرزا عسکری نے عمر ستر برس  
بٹائی ہے۔ مگر مالک رام صاحب کا بیان زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے۔

## (۱)

برخوردار کلنگار، سعادت نشان، منشی میاں داد خاں سیاح طال عمر،  
درویش گوشہ نشین، غالب حزیں کی دعاے درویشانہ سے کلیات و  
بہرہ مند ہوں۔ لکھنؤ کی ویرانی پر دل جلتا ہے مگر ہم کو یاد رہے کہ



وہاں بعد اس فساد کے ایک کون (۱) ہوگا، یعنی راہیں وسیع ہو جائیں گی۔ بازار اچھے نکل آئیں گے۔ جو دیکھتے گا وہ داد دے گا اور دلی کے فساد کے بعد کون نہیں ہے۔ یہاں فساد در فساد چلا جائے گا۔ شہر کی صورت سوائے اس بازار کے، جو قلعے کے لاہوری دروازے سے شہر کے لاہوری دروازے تک (۲) ہے، سراسر بکڑ گئی اور بکڑتی جاتی ہے۔

دیوان کا چہا ہا کیسا؟ وہ شخص نا آشنا، موسوم بہ عظیم الدین (۳)، جس نے مجھ سے دیوان منگا بیچا، آدمی نہیں، بھوت ہے، پلید ہے، غول ہے، قصہ مختصر سخت نا معقول ہے۔ مجھ کو اس کے طور پر انطباع دیوان نا مطبوع ہے۔ اب میں اس سے دیوان مانگ رہا ہوں اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہاتھ آجائے۔ تم بھی دعا مانگو۔ زیادہ کیا لکھوں (۴)۔

غالب

دوشنبہ ۱۱۔ جون ۱۸۶۰ء

(۲)

برخوردار،

مہاراجا خط پنچا۔ لکھتو کا کیا کمنا! وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ! وہ سرکار امیرگر نہیں۔ جو بے سرو پا وہاں پنچا، امیر بن گیا۔ اس داغ کی یہ فصل خزاں!

(۱) یعنی بکڑ کے بعد بناؤ کی صورت نکلے گی۔

(۲) اس سے مراد وہ بازار ہے، جو چاندنی چوک سے آگے مسجد فتح پوری کی تہالی سمت کے ساتھ ساتھ لاہوری دروازے تک جاتا ہے۔

(۳) عظیم الدین میرٹھی جسے دیوان چہا ہا کے لیے دیا تھا، پور اس وجہ سے واپس مانگ لیا تھا کہ منشی شبو نرائن آرام نے کہا تھا، دیوان میں چہا ہوں گا۔

(۴) اس خط کے انداز سے ظاہر ہے کہ یہ غالب کی طرف سے سیاح کے نام کا پہلا خط نہیں ہو سکتا۔ اور خط بھی لکھے ہوں گے جو سائے ہو گئے۔



میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ اردو کا دیوان غاصب ناانصاف سے ہاتھ آ گیا اور میں نے فورچشم منشی شیونرائن کو بھیج دیا۔ یقین کلی ہے کہ وہ چھاپی گئے۔ جہاں تم ہو گئے، ایک نسخہ تم کو پہنچ جائے گا۔ طریقہ سعادت مندی یہ ہے کہ عم کو اپنی خیر و عافیت کا طالب جان کر جہاں جاؤ، وہاں سے خط لکھتے رہو اور اپنے مسکن کا پتا ہم پر ظاہر کرتے رہو۔ ہم تم سے راضی ہیں اور چونکہ تمہاری خدمت اچھی طرح نہیں کی (۱) شرمندہ بھی ہیں۔

مراقبہ شنبہ روز عید مطابق ۳۰۔ جون ۱۸۹۰ء

’راقم اسد اللہ خاں‘

### (۴)

بھائی،

تمہاری جان اور اپنے ایمان کی قسم کہ فن تاریخ کوئی و معا سے بیکارہ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی (۲)۔ فارسی زبان میں دو چار تاریخیں ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھتے کہ میں کیا کہتا ہوں؟ حساب سے میرا جی

(۱) بظاہر، سیاح کے قیام دہلی کے زمانے کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) یہاں ذرا مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ مطبوعہ اردو دیوان میں کم

از کم دو تاریخیں موجود ہیں ایک ہجری، دوسری عیسوی :

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا بزم طرب میں رقص ناہید کہا۔ غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے تو بولا اشراج جشن جمشید

خجستہ اہمن طوے میرزا جعفر  
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ  
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب  
نہ کہوں ہو مادہ سال عیسوی محظوظ



کھیراتا ہے اور مجھ کو جبراً لکنا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ بناؤں گا ، حساب دوست نہ پاؤں گا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادہ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈ لا دیتے ، موزوں میں کرتا۔ اگر آپ مادے کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے تعمیے اور طرحے آگئے ہیں کہ وہ تاریخ ، ہنسی کے قابل ہو گئی ہے۔ کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خان مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے۔ ان کے بیٹے مولوی ولایت حسین خان نے استدعاے تاریخ کی۔ میں نے لکھی۔ چنانچہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے :

منفی عقل از ہنر تاریخ امی بنا ایما بسوی من ز رہ احترام کرد  
گفتم بہ وے بدیدہ "خوشا خانہ" خدا، شد خشمگین دمی کہ نظر در کلام کرد  
خاشاک رقت و ہائے ادب در شکنجہ ریخت ایام را بہ تخریج معنی تمام کرد  
واسطے خدا کے غور کرو "خوشا خانہ" خدا، مادہ پھر اس میں سے "خاشاک"،  
کے عدد دور کرو، نو سو اکیس کا تخریج۔ پھر بھی دو اور زیادہ رہے۔  
"ہائے ادب"، یعنی "پ" کو اڑایا۔ پہلا یہ بھی کوئی تاریخ ہے؟ مگر  
خان حساب کے قاعدے سے باہر کبچہ معنی سکالی کے طور پر میرا ایجاد  
ہے اور وہ لطف رکھتا ہے۔ ایک شخص ۱۶۴۸ء میں مرا۔ اس کی تاریخ  
میں نے لکھی :

ز سال واقعہ میرزا مسیحا بیگ مات راست شہر ائمہ ایجاد  
محبکہ ہائے سیاہی مبین از عشرات حدیثہ ہائے ہشتی مشخص از آباد  
ائمہ بارہ یعنی "بارہ سو"، پھر کتب سیاہی "چارہ"، دھاگے کے چار یعنی  
چالیس ، ہشت آٹھ، چالیس اور آٹھ اڑتالیس ، بارہ سو اڑتالیس۔

دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی :

از ہرج سپہر جوئی مات عشرات از کواکب سیار



بروج بارہ ، سات دعا کے ستر ۔

یہ جو لکھتے ہو کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا ، کیوں نہیں آتا ؟

جب کہ سید غلام بابا نے مسند عیش و طرب جگہ پسانی  
ایسی رون ہوئی رات کی رات کہ کواکب ہوئے مماشانی  
دوسری بحر سنو :

ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے فراز مسند عیش و طرب جگہ پائی  
زمین پہ ایسا کمانا ہوا رات کی رات کہ آہاں پہ کواکب بنے تماشانی  
اس بحر میں سانا ہوا کوئی مادہ بہم پہنچاؤ ، تاریخ کہہ لم ۔ وہ دوست  
جو مادہ ڈھونڈ دیتے تھے ، وہ جنت کو سدھارے ۔ جیسا کہ اوپر لکھ  
آیا ہوں معذور اور مجبور ہوں ۔

سہ سبتہ ۱۱۔ محرم ، ۳۱۔ جولائی سال حال

غالب

(۱۲۷۷ھ و ۱۸۶۰ء)

### (۴)

سعادت و اقبال نشانہ منشی میاں داد خان سے میں بہت شرمندہ ہوں  
کہ ان کے خطوط کا جواب نہیں لکھا ۔ غزلوں کے مسودے گم ہو گئے ۔  
اس شرمندگی سے پاسخ نگار نہ ہوا ۔ اب یہ سطرین جو لکھتا ہوں ، اس  
خط کے جواب میں ہیں ، جو بنارس سے آیا ہے ۔

بھائی، بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے ۔ ایک مثنوی میں نے  
اس کی تعریف میں لکھی ہے اور ”چراغ دیوار“ (۱) اس کا نام رکھا ہے ۔  
وہ فارسی دیوان میں موجود ہے ، اس کو دیکھتا ۔

(۱) یہ مثنوی کلیات قنظم فارسی میں بہ اعتبار ترتیب تیسری مثنوی ہے ۔

اس میں کل ایک سو چار شعر ہیں ۔ پہلا شعر یہ ہے :

نفس با طور دمساز است امروز خموشی بھتر راژ است امروز



اشرف حسین خان صاحب میرے دوست ہیں۔ فتنہ و فساد (۱) کے زمانے سے بہت پہلے ان کا خط اور کچھ ان کا کلام میرے پاس آیا ہے۔ تم ان کو میرا سلام کہنا اور میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنؤ سے جارس تک کے سفر کی سرگزشت لکھی ہے، اسی طرح آئندہ بھی لکھتے رہو گے۔ میں سیرو سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں۔

اگر یہ دل نہ خلد ہرچہ از نظر گزرد زبہ روانی عدوے کہ در سفر گزرد  
خیر اگر سیرو سیاحت مہم نہیں، نہ سہی، "الاکرالعیش نصف العیش" پر قناعت کی۔ میان داد خان سیاح کی سرگزشت سیرو سفر ہی سہی۔

غزل نگہاری رہنے دیتا ہوں، اس کے دیکھنے کی ابھی فرصت نہیں ہے۔ جیسا تم نے وعدہ کیا ہے، جب اور غزلیں بھیج دو گے، ان کے ساتھ اس کو بھی دیکھ لوں گا، بلکہ احتیاطاً مستثنیٰ اس کی ہے کہ ان غزلوں کے ساتھ اس کو بھی لکھ بھیجنا۔

نانوائی زور پر ہے، بڑھاپے نے نکلا کر دیا ہے۔ ضعف، سستی، کاهلی، گرانجائی، گرائی۔ رکاب میں پاؤں ہے، ہانگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر دور و دراز درپیش ہے، زاد راہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر نا پرمیدہ بخش دیا تو خیر، اگر باز پرس ہوئی تو سفر مقرر (م) ہے اور حاویہ زاویہ (م) ہے۔ دوزخ جاوید ہے اور ہم ہیں۔ ہمارے کسی کا کیا لہجہ شعر ہے :

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجانی گئے  
مرگے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (م)

(۱) یعنی ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ جسے انگریز "۱۸۵۷ء" کہتے رہے۔

(۲) سفر : دوزخ، مقر : جائے فرار۔ ٹھکانا۔

(۳) حاویہ : دوزخ، ایک بیان کے مطابق دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ ان میں سے چار سفر اور آخری حاویہ ہے۔

(۴) یہ شعر شیخ ابراہیم ذوق کا ہے اور بہت عمدہ شعر ہے، اگرچہ اصل مضمون عرفی کے اس شعر سے ماخوذ ہے :

اسد عالیت از مردن است، می ترسم  
کہ مرگ دیکر و آسودگی دگر باشد



صبح دوشنبہ ۳۰ دسمبر ۱۸۶۰ء نجات کا مطالب ، طالب

(۵)

منشی صاحب،

تمہارے خط کے پہنچنے کی اطلاع دیتا ہوں اور مطالب مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں اور اپنے دوست روحانی مرزا رجب علی بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں کہ یہ دفعہ دیکھا دیجئے گا۔ ۱۲

بعض لوگ ”آں بان“ بولتے ہیں، مگر فقیر کے نزدیک ”آں نان“ صحیح ہے اور یہی نصیح ہے۔ ۱۲

”پر“ بمعنی ”لیکن“، لفظ مشہور ہے اور ”پہ“ اس کا مخالف ہے۔ اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو۔ کوئی اور لکھتے یا نہ لکھتے، میرے اردو کے دیوان میں سو دوسو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا۔ ۱۲

مجھ کو ہنگامے سے آئے ہنس تہنس برس ہوئے۔ بہت احباب مر گئے، بہت بٹرق ہو گئے۔ اب ایسا وہاں کوئی نہیں جس سے ارسال، رسائل کی رسم و راہ ہو۔ ۱۲

صاحب، وہ شعر جس کو تم نے بوجھا، یہ ہے :  
واعظ نہ تم بیونہ کسی کو پلا سکو  
دو شعر اس غزل کے اور یاد آ گئے ہیں، وہ دوسرے صفحے پر لکھتا ہوں :

کیا فرض ہے کہ سب کو مالے ایک سا جواب  
اؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی  
گو واں نہیں یہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں  
کعبے سے ان جنوں کو بھی نسبت ہے دور کی

دیکھو یہ ”پر“ کا مخالف ”پہ“ ہے، بمعنی لیکن۔ ۱۳  
بنارس کا کیا کہنا ہے ! ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے ! انتہائے جوانی



میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ آتا۔

عبادت خانہ، ناقوسیان است، ما نا کبہ، ہندوستان است (۱)  
جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آسکے، اس کی تدبیر فردوسی و خالق  
سے بھی نہ ہوگی۔ میں کیا کروں گا؟ نام تمہارا آسکتا ہے، لیکن الف  
دجا رہتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کی تدبیر سرور صاحب سے بھی ضرور  
پوچھنا۔

سہ شنبہ ۱۲۔ فروری ۱۸۹۱ء نجات کا طالب، غالب

### (۶)

مثنوی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف العن میں داد خاں سیاح کو  
دعا۔ صاحب وہم اور چیز ہے اور احتیاط اور چیز ہے۔ کارپردازان ڈاک میرے  
خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ دیائیں گے اور میرے خطوط کبھی نہ تلف ہوں گے۔  
آدم آنے کی جگہ دوست کا ایک آنہ کیوں کھوؤں؟

”گلشن“ بعض کے نزدیک موت اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔  
”قلم“، ”دھ“، ”خلعت“ ان کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی موت  
کوئی مذکر یونہی ہے۔ میرے نزدیک ”دھ“ اور ”خلعت“ مذکر ہے اور  
قلم مشترک۔ چاہو مذکر کہو، چاہو موت۔ ”گلشن“ البتہ مذکر مناسب  
معلوم ہوتا ہے۔

بہائی، جہان الف دجا ہے، میرے کالجے میں ایک تیر لگتا ہے۔  
”رکھتا ہے گلشن بھی“۔ یہ الف دجا ہوا دیکھ کر میں نے رکھتی  
ہے، بنا دیا، مگر ”گلشن“ مذکر مناسب ہے۔

”بھلکی“ یا ”بھلکا“ تنہا ہے معنی مٹتی ہے۔ ”بھلکی بھلکی“ یا ”بھلکا بھلکا“  
یوں آئے تو دوست، وزنہ لغو اور جو ”بھلکا“، بھلی چپاتی کو کہتے ہیں،  
(۱) یہ بھی مثنوی ”چراغ دیر“ کا شعر ہے، جو بنارس کے متعلق لکھی  
گئی تھی۔



یہ دوسرا لغت ہے۔ "ہینکے" کہیں کوئی نہ بولے گا۔ "ہانی والی"۔ "حقہ  
 وقفہ" بول کہیں گے۔ "نرا" "والی" اور "نرا" "وقفہ" نہ کہیں گے۔  
 "ہلکا ہلکا"، "ہلکی ہلکی" کہیں گے سبک چیز کو۔ "نرا" "ہلکا"، یا "نری"  
 "ہلکی"، نہ کہیں گے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی  
 بیگ سے مشورہ لیا کرو اور دیتے ہوئے حروف بھی ان سے پوچھ لیا کرو (۱) - ۱۲  
 غالب

## (۷)

بھائی،

ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ (۲) کے شاگرد  
 ہو جاؤ اور اپنا کلام ان کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث  
 کو ان سے پوچھ لیا کرو۔ دکن ہنکالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص  
 میں دلی لکھنؤ کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے۔ ۱۲

ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے۔ عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔  
 جس لغت میں عین ہو اس کو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد معلوم ہونے اس  
 قاعدے کے یہ سمجھو کہ "غریبال" (ثین نقطہ دار مکسور اور رائے ثروت اور  
 بالے موحده اور الف و لام) یہ لغت فارسی ہے، ہندی اس کی چھلنی اور  
 مرادف اس کی "پرویزن"، (یعنی فارسی میں چھلنی کو "غریبال"، اور "پرویزن"، کہتے  
 ہیں) اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نہ جانے۔ رہا عربال  
 عین معقص اور بالے تختانی ہے، فصیح کیا بلکہ غلط محض و مضی غلط ہے،

(۱) اس خط پر تاریخ درج نہیں، لیکن آخر میں تذکیر و تانیث کے متعلق  
 رجب علی بیگ سرور سے مشورہ کر لینے کا لکھا ہے۔ اس سے صراح  
 نے سمجھا کہ میرزا نے سرور کا تلمذ اختیار کر لینے کے لیے کہا ہے۔  
 اس غلط فہمی کا علم میرزا کو ہوا تو اگلے خط میں لکھا کہ میں  
 کے شاگرد ہونے کے لیے نہیں لکھا، صرف مشورہ کر لینے کے لیے لکھا  
 ہے، لہذا میں نے یہ خط (خط نمبر ۷) سے چلے دکھا۔ سرور اس زمانے میں مہاراجا  
 بنارس کے پاس ملازم تھے۔

(۲) رجب علی بیگ سرور مصنف قصائد عجائب وغیرہ۔



ہاں اگر عربی میں چھٹی کو عربال کہتے ہوں تو فارسی غریبال اور عربی غریال، مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ غریال کا عربی میں کچھ اور اسم ہوگا، عربال نہ کہتے ہوں گے۔

اب تم سنو، فن لغت میں ایک امر ہے کہ اس کو تصحیف کہتے ہیں، یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور تعلقوں میں فرق، جیسا کہ سعدی "بوستان" میں کہتا ہے:

مرا ہوسہ گفتا بہ تصحیف وہ کہ درویش را توشہ از ہوسہ بہ  
 "توشہ،" و "ہوسہ،" و "نوشہ،" یہ تین لفظ مصحف ہمدگر ہیں، حال آنکہ  
 معانی میں وہ فرق کہ جیسا زمین و آسمان میں۔ "نوشہ،" ترجمہ زاد کا  
 "ہوسہ،" ترجمہ ٹیلہ کا، "نوشہ،" اسم "دولہ،" کا۔ صاحبان فرہنگ میں  
 "برہان قاطع،" والا تصحیف میں بہت مبتلا ہے، گزر اور کزر، خربزہ اور خربزہ۔  
 کہتا ہے کہ "سدا،" بہ سین سے منص لفظ فارسی ہے، بمعنی آواز اور "سدا،"  
 بہ صاد تعریب ہے۔ جو لغات "تے" میں لکھے ہیں، انہیں لغات کو "طوے" میں  
 میں لکھتا ہے، حال آنکہ جس طرح عربی فارسی میں نہیں ہے طوے بھی نہیں ہے۔ مثلاً  
 نشت لغت فارسی الاصل ہے، املا اس کی طوے سے غلط ہے۔ "برہان قاطع،" والا  
 اس کو "تے" سے بھی لایا ہے اور طوے سے بھی۔ محققین جانتے ہیں کہ "سدا،"  
 بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے، نہ معرب اور "سدا،" سین سے ہرگز فارسی میں  
 آواز کو نہیں کہتے، ہاں اودو کے محاورے میں بمعنی "ہیشہ،" کے مستعمل ہے  
 قصہ کوتاہ، غریبال بمعنی چھٹی کے، لفظ فارسی الاصل، صحیح اور نصیح  
 ہے اور عربال اگر کسی اور فرہنگ میں مثل "قاموس،" اور "صراح،" وغیرہ کے  
 بمعنی چھٹی کے نکلے تو اس کو مانو، ورنہ یہ "برہان قاطع،" والے کے خرافات  
 میں سے ہے (۱)۔

بجائے کا طالب، غالب

۷ فروری ۱۸۶۱ء

(۱) "برہان قاطع،" میں مجھے "غریبال،" یا "غریال،" نظر نہیں آیا، البتہ "سدا،"  
 (سین دال اور الف) بہ بمعنی آواز موجود ہے۔



صاحب،

کل آپ کا خط آیا۔ میرا دھیان لگا ہوا تھا کہ آیا میان سیاح کہان ہیں اور مجھ کو کیوں بھول گئے؟ پہلا خط تمہارا جس کا حوالہ اس خط میں دیتے ہو، میں نے نہیں پایا، ورنہ کیا امکان تھا کہ جواب نہ لکھتا۔ جناب منشی میر امیر علی صاحب سے مجھ سے ملاقات نہیں، لیکن ان کے حامد و مکارم سنا ہوں۔ جناب مولوی اظہار حسین صاحب سے البتہ اسی شہر میں دو ملاقاتیں ہوئی ہیں، لیکن میں نے ان کو فقیر دوست اور درویش نواز نہ پایا۔ انہما کے واسطے اچھے ہیں۔ ہمارے مولوی محمد حسن اور مولوی عبدالکرم! اس عہد میں اگر ان بزرگوں میں سے ایک ہوتا تو میں کہوں اپنی قسمت کو روٹا؟ وقت گزر جاتا ہے، بات رہ جاتی ہے۔

ہاں، خان صاحب، آپ جو کلکٹے پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق (۱) کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رھائی کیوں نہ دئی اور وہاں جزیرے میں (۲) اس کا کیا حال ہے: گزارا کس طرح ہوتا ہے؟

طالب

جمعہ ۳ ماہ اکتوبر ۱۸۹۱ء

(۱) مولانا فضل حق خیر آبادی جو آخری دور میں ادب اور معقول کے امام مانے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں ان پر بھی منظم چلا تھا اور جس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا ملی تھی۔ اب ثابت ہو چکا ہے کہ مولانا بالکل بے گناہ تھے۔ اصل مجرم ان کا ایک ہم نام تھا، مگر اس زمانے میں انگریز جنوں انتظام کے باعث تحقیق کا سکہ بھی کھو چکے تھے۔ جو سامنے آ جاتا اسے پھانسی کا یا جیس دوام کا حکم سنا دیا جاتا۔ مولانا کے فرزند ارجمند نے بڑی کوشش سے رھائی کا حکم حاصل کیا، لیکن مولانا اس سے پیشتر واصل بحق ہو چکے تھے۔ انہیں انڈیمان ہی میں دفن کیا گیا۔

(۲) جزیرے سے مراد انڈیمان ہے۔



صاحب،

آج مجھارے کئی خطوں کا جواب لکھتا ہوں۔ مولوی کرامت علی صاحب میرے شلیق ہیں۔ جی زمانہ میں وہ دلی آئے تھے، میری ان سے ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ وہ میرے دوست ہیں، شاگرد نہیں اور ہرگز تعبد انہوں نے میری مدح میں نہیں لکھا۔ آغا عبدالرزاق شیرازی نے گویا میری خدمت کی اور نیت زندگی کا انتقام لیا۔ پھر حال میں مجھارا احسان مند ہوں۔ اگر تم نہ ہوتے تو میری اور میر منشی کی صفائی نہ ہوتی۔ ان دنوں ضعف دماغ و دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں کہ والی رام پور کا بہت سا کلام ہوں ہی دھرا ہے۔ دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ مجھاری بھیجی ہوئی غزلیں سب محفوظ دھری ہیں، خاطر جمع رکھو۔ جب نواب صاحب کی غزلیں دیکھوں گا تو یہ بھی دیکھی جائیں گی۔

جب حال یہ ہو کہ اصلاح نہ دے سکوں تو فکر تاریخ کیا کروں؟ اگر میرا حال درست ہوتا تو جناب مولوی عبدالغفور خان صاحب نسخ کے دیوان کی تاریخ ضرور لکھتا اور اس خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھتا۔ آپ جناب مولوی صاحب سے میرا سلام کہیں اور یہ میرا واقعہ ان کو دکھا دیں۔

نہات کا طالب، غالب

چهار شبہ ۲۰۔ نومبر ۱۸۹۱ء

جناب منشی صاحب،

آپ کا خط میری لفٹ گورنر آگرہ کہ وہ میرا بھیجا ہوا تھا، پہنچا۔ اس کے بھیجنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ جب گورنمنٹ اعلیٰ نے مجھ کو خط لکھنا موقوف کیا تو لفٹ گورنروں کے اگلے زمانے کے خطوط سے میرا کیا دل خوش ہوگا۔ ایسے ایسے بچاس ساٹھ خط میرے پاس موجود ہیں۔ مجھ کو تو چہہ آنے کے پسوں کا احساس ہے، جو تم نے بابت محصول لکھا۔

راقم امداد

مرقوم ۱۰۔ فروری ۱۸۹۲ء



آئیے بیٹھئیے مولانا صباح، السلام علیکم - مزاج مبارک - صورت کا پہنچنا یہ ہر صورت مبارک ہو۔ بیٹائی میرا دل بہت خوش ہوا کہ تم اپنے وطن پہنچے، لیکن تم کو چین کہاں، خدا جانے کسے ہفتے یا کسے مہینے ٹھہرو گئے اور پھر سیاحت کو نکلو گئے۔ جی میں کہہ دوں گے آؤ اب دکن کی سیر کریں۔ حیدرآباد، اورنگ آباد دونوں شہر اچھے ہیں، ان کو دیکھیں۔

میرزا معین الدین حسین خان اور میرزا محمد حسین خان (۱)، یہ دونوں بیٹے ہیں۔ نواب قدرت اللہ بیگ خان کے اور قدرت اللہ بیگ خان ابن عم تھے نواب احمد بخش کے خان اور معین الدین حسین خان کی بہن منسوب ہے بیٹائی خیا الدین خان سے۔

یہاں کوئی امر نیا واقع نہیں ہوا، وہی حالات و اطوار ہیں، جو دیکھ گئے ہو۔ مسجد جامع کے باب میں کچھ برہمنی لاہور سے آئی تھیں، یہاں سے ان کے جواب گئے ہیں۔ یثین ہے کہ واگزار کا حکم آئے اور مسلمانوں کو مل جائے۔ عتوز دستور پیرا بیٹھا ہوا ہے اور کوئی جانے نہیں پاتا۔ والسلام مع الاکرام۔

صبح شنبہ ۲۔ ذیقعدہ و مئی ۱۸۶۲ء غالب

(۲۔ ذی قعدہ ۱۲۷۸ھ و ۲۔ مئی ۱۸۶۲ء)

(۱) میرزا معین الدین حسین خان اور میرزا محمد حسین خان، نواب احمد بخش خان کے چچے بیٹائی قدرت اللہ بیگ خان (بن شرف الدولہ قاسم جان) کے بیٹے تھے۔ میرزا معین الدین نے بھی ۱۸۵۷ء کا ایک روزنامہ لکھا تھا جو ۱۸۵۸ء میں اس شرط کے ساتھ ٹیپو پریس شکف کے حوالے کیا گیا تھا کہ میرزا کی زندگی میں اسے لہ چھاپا جائے۔ ۳۱ جنوری ۱۸۸۵ء کو معین الدین نے حیدرآباد میں ولادت پائی۔ اس کے بعد شکف نے اس روزنامے نیز جونیئل کے روزنامے کا جو انگریزی ترجمہ مرتب کر دیا تھا وہ ۱۸۶۸ء میں لندن سے شائع ہوا۔ (Two Native Narratives of the Muting in Delhi) Pl. اس کتاب کا اردو ترجمہ خواجہ حسن نظامی مرحوم نے "عذر کی صبح و شام" کے نام سے چھاپا تھا۔



منشی صاحب ، سعادت و اقبال نشانہ

شکوہ تمہارا میرے سر آنکھوں پر ، مگر کوئی خط تمہارا جواب طلب نہ تھا۔  
انصار کی اصلاح سے میں نے عاتق اٹھایا۔ کیا کروں؟ ایک برس سے  
عوارض قنات خون میں مبتلا ہوں۔ بدن پھوڑوں کی کثرت سے سرو و اغان ہو  
گیا ہے۔ طاقت نے جواب دیا۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ کھانا کھانے وقت  
ہلنگ پر سے اتر بیٹھتا ہوں۔ کھانا کھا کر ، ہاتھ دھو کر پھر پڑ رہتا  
ہوں۔ حاجتی ہلنگ کے پاس لگی رہتی ہے ، اتر کر پیشاب کیا جاتا ہے۔  
بیت الخلا جانا ایک مصیبت ہے۔ نشت چوکی سہی ، مگر کئی قدم جانا ،  
پھر آنا کیا ایسا آسان ہے۔ ایک کم ستر برس کی عمر ہوئی۔ اب نجات چاہتا  
ہوں۔ بہت جبا ، کہاں تک جیوں گا۔ (اب تم دوسرے صفحہ کو پڑھو)۔

جناب نواب سید غلام بابا خاں صاحب کی خدمت میں سلام کہنا اور ولادت  
فرزند کی مبارک باد دینا اور یہ قطعہ "تاریخ" نذر کرنا :

میر بابا یافث فرزندے کہ ماہ چار دہ بر فراز لوح گردوں گردنہ بختال اوست

۱۲۲۱

فرخی بیہ و بالی بہر از ناز و طرب از سر ناز و طرب "فرزند فرخ قال" اوست  
۱۲۸۰ھ۔ "ناز" کے نون کے "بجاس" اور "طرب" کی طوے کے "نور" "فرخ قال" پر  
بڑھانے ہوں گے۔

غالب

پنجشنبہ ۱۶۔ اگست ۱۸۹۳ء

صاحب،

یہ سریشے کی جگہ ہے کہ تمہارا کوئی خط ڈاکہ میں ضائع نہیں ہوتا اور  
میرا کوئی خط تم کو نہیں پہنچتا۔ سنو ، چھوٹے صاحب (۱) کا خط آیا۔ اس  
میں قطعہ کا شکریہ اور اجزائے کتب کے بھیجنے کی تاکید کی تھی (۲)۔

(۱) نواب میر غلام بابا خاں۔

(۲) غالباً یہ "لطائف شبی" کا معاملہ ہے۔ میرزا نے لکھا ہوگا کہ یہ کتاب  
چھپوا دی جائے۔ وہاں سے اطلاع آئی کہ اجزائے کتاب بھیج دیجیے۔ اس اتنا  
میں "لطائف" کی طباعت دہلی میں شروع ہو چکی تھی۔



میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ اس کتاب کا چھاپا یہاں ہی شروع ہو گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد اظہار ایک مجلد آپ کے واسطے اور ایک منشی بیان داد خان کے واسطے ہسپتال ڈاک ہاؤس بھیجوں گا۔ اب ہم نواب صاحب سے میرا سلام کہو اور یہ اپنے نام کا خط ان کو بڑھا دو اور ایک پتا ہم کو دیتا ہوں۔ نواب صاحب کا جو خط طلب کتاب کے باب میں آیا تھا، اس میں مندرج تھا کہ اب میں سورت کو جانا ہوں۔ ہم اجڑے کتاب کا ہاؤس اس لئے سے سورت بھیجنا۔ ہوائی میں نے اس لئے سے خط بھیجا تھا، یہ پہلے او میرا کہا گیا۔ یہ خط گم گم تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر، یہ خط ہم کو بیرنگ بھیجنا ہوں تا کہ ضائع نہ ہونے کا احتیال قوی رہے۔ فقط۔

صبح دوشنبہ ۱۳۔ ربیع الثانی مطابق ۱۷۔ ستمبر سال حال۔

(۱۳۔ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۷۔ ستمبر ۱۸۶۳ء) غالب

(۱۳)

منشی صاحب،

یہ کہا اطلاق ہے کہ میری بات کوئی نہیں سمجھتا :

کس زبان مرا مجھے فہم

یہ عزیزان چہ اٹھاس کٹم

یاد کرو اصل مقدمہ یہ تھا کہ میں "نقاط برہان" کو دوبارہ چھاپانا چاہتا ہوں، نواب صاحب مدد دیں، یعنی دو سو جلدیں خرید لیں۔ حضرت صاحب نے ایک گھڑی عنایت فرمائی۔ پہلا یہ میرے کس کام کی؟ چار دن سوچا کہا کہ پتھر دوں، پھر سوچا کہ برا مانیں گے۔ آخر کو گھڑی رکھ لی اور خیال کیا کہ کتاب کے اظہار کے بعد سو ڈیڑھ سو جلدیں بھیج دوں گا۔ اسی خط کے ساتھ نواب صاحب کے نام کا خط گھڑی کی رسید کا ہم کو پہنچتا ہے اور یہ بھی ہم کو معلوم رہے کہ گھڑی کی کتنی نہیں آئی۔ ظاہراً، سہو سے وہی رہ گئی ہوگی۔



ہاں صاحب ، تیس جلدیں ”لطائف غیبی“ کی دو پارسلوں میں آگئے تھیں ہیں ، جس کی قیمت دس روپے مجھ کو پہنچے ۔ فی الحال ایک جلد اور اپنی طرف سے بھیجی ہے ۔ رسید جلد لکھو ۔

غالب

۳۰ دسمبر ۱۸۹۳ء

## (۱۵)

سعادت و اقبال نشان، سیف الحق منشی میاں داد خان سیاح کو فقیر غالب کی دعا پہنچے ۔ خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے ۔ مگر تیس کتابوں کے دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی ۔ یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے ، اس میں وہی ”لطائف غیبی“ ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے ۔ اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے کہ تم اون تیس رسالوں کو اس کے مطابق صحیح کر لو اور اگر چھوٹے صاحب نے رکھ لیا ہے ، تو اون سے مستعار لے کر اپنی سب کتابیں صحیح کر لو اور وہ نسخہ اون کی تذر کر دو ۔

صاحب ، میں نے اپنے صرف زور سے ”لطائف غیبی“ کی جلدیں نہیں چھپوائیں ۔ مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپی ۔ بیس میں نے مول لیں ، تیس تم کو دلوا دیں ۔ بیس بوائی خیا الدین نے لیں ، دس معین الدین خان صاحب نے لیں ۔ باقی کا حال مجھے معلوم نہیں ۔

دیکھو سیف الحق ! سعدی رح کا قول کیا سچا ہے :

اگر دنیا نہ باشد ، درد مند و گمراہ باشد ، یہ مہرشی ہمارے بندم  
ہلائے زہی جہاں آشوب تر نیست کہ رنج خاطر است ، ارہست ، ورنست

جہاں دولت نہیں وہاں مصیبت ہے ۔ جہاں دولت ہے وہاں خصومت ہے ۔  
میں تو میر غلام بابا خاں کا دوست ہوں ، ان کی فتح کی دعا مانگتا ہوں ۔  
آپ اتنی مہربانی کریں کہ یہ حالات جو واقع ہوا کریں ، وہ مجھ کو لکھا کریں ۔



غریبہ کی ہندی ”نغمہ“ ہے ، فارسی میں غریبہ بولتے ہیں ۔

پنجم شعبان ۱۲۸۱ھ

(مطابق ۳- جنوری ۱۸۶۵ء) نجات کا طالب، غالب

(۱۶)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، سیف الحق میان داد خان، مالکم اللہ تعالیٰ !  
قبر کی طرف سے دعا و سلام قبول کریں۔ چھوٹے صاحب (۱) کی تصویر  
کی رسید میں بھائی محمد حسین خان سے کہا گیا تھا کہ تم تصویر کے  
پہنچنے کی اطلاع دے دینا۔ سو اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ  
انہوں نے اطلاع دی ہے۔ حال تصویر کا یہ کہ میں نے اسے سر پر رکھا ،  
آنکھوں سے لکایا ، گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا، لیکن اس کا سبب نہ معلوم  
ہوا کہ ثواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر، دیدار تو مہسر ہوا ، گفتار  
بھی اگر خدا چاہے گا تو سن لیں گے۔

دیکھو منشی صاحب آئیے کی تصویر (م) کی صحت کو سب پسند کرتے  
ہیں، مگر قبر اس کا معتقد نہیں۔ اب دیکھو حضرت کی تصویر میں  
کہنویں تک حاتو کی تصویر ہے، آگے پہنچے اور نیچے کا پتا نہیں۔ مکالمہ  
ایک طرف مصافحہ کی بھی حسرت رہ گئی۔ اس وقت جداگانہ خط لکھنے کی  
فرصت نہیں۔ ثواب صاحب سے میرا بہت بہت سلام اور اشتیاق کہتا، بلکہ یہ  
خط ان کو ضرور دینا کہ وہ پڑھ لیں۔ میں سعادت کا نیازمند اور علی رضا کا  
غلام ہوں :

بندۂ شاہ شائیم و ثنا خوان شاہ

۱۷- ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ نجات کا طالب، غالب

(مطابق ۱۳- اپریل ۱۸۶۵ء)

(۱) ثواب میر غلام بابا خان۔ (م) قولو۔



صاحب،

مہربانی نامہ کہ گویا الفاظ اس کے سرسبز نواب میر غلام بابا خان صاحب کی زبان تھے، پہنچا۔ جواب لکھتا ہوں اور پرسش کا شکر بجا لاتا ہوں۔ ایک قرن بارہ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علی خان والی رام پور اپنے اعتبار میرے پاس بوجھے تھے اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بسبیل ہندوی بھجوانے لگے۔ اس معطور کی اندازہ دانی دیکھو کہ عہد سے کبھی اس روپے کی رسید نہیں لی۔ اپنے خط میں ہندوی بوجھا کرنے، میں خط کا جواب لکھ بوجھا۔ اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو، کبھی ڈھائی سو بوجھتے رہتے۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پٹنن مسلوہ۔ یہ بزرگوار (۱) وجہ مقری ماہ بماء اور قروح گاہ بوجھا رہا۔ تب میری اور میرے متوسلوں کی زیست ہوئی۔ راس حال کو خدا بدولت و اقبال ابداً موداً سلامت رکھے۔ وجہ مقری کی ہندوی ہر مہینے حسب دستور قدیم بوجھے جاتا ہے۔ قروح کی رسم دیکھو جاری رہے یا نہیں۔

میرے پاس روپیہ کہاں جو "قاطع برہان" کو دوبارہ چھوڑوں؟ پہلے یہی نواب معطور نے دو سو روپے بیع شے تھے، تب پہلا مسودہ مال ہو کر چھوڑا گیا تھا۔ اب بھی وعدہ کیا تھا کہ اپریل کی وجہ مقری کے ساتھ دو سو پہنچیں گے، وہ آخر اپریل ۱۸۶۵ء حال میں سر گئے۔ اپریل کا روپیہ راس حال سے میں نے پایا، مصرف کتاب کا روپیہ نہ آیا۔ یاد دلاؤں گا، مگر اس مرحوم کا وعدہ سرشتہ دفتر سے نہ تھا، جو از روئے دفتر اس کی تصدیق ہو۔ یہ ہر حال فکر میں ہوں، اگر ایسا ہی نے مساعدت کی فہوالمراد، ورنہ :

(۱) نواب کلب علی خان والی رام پور۔



آپہ مادر کار دارم اکثرے درکار نیست

منشی صاحب ، اس خط کو ضروری جان کر بیرنگ بھیجتا ہوں۔

۳۔ جولائی ۱۸۶۵ء۔ بہات کا طالب ، غالب

(۱۸)

منشی صاحب ، سعادت و اقبال نشان ، منشی میان داد خان سیاح ، سرفاضل حق سلمکم اللہ تعالیٰ!

دعا اور سلام اور شکر اور سپاس۔ تمہارا خط مرقومہ ۳۔ اگست برسوں بروز جمعہ ۸۔ ستمبر ۱۸۶۵ء کو پہنچا۔ کل دسویں ستمبر ماہ حال کو سو روپے مندرجہ اس کے ایک صراف سے وصول ہو گئے (۱)۔ چھوٹے صاحب نے بڑی جواہردی اور بڑی ہمت کی۔ اس صرف میں میرا کام ہوا اور ان کا نام ہوا۔ اللہ اللہ! اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ میں نے ان کو دیکھا ، نہ انہوں نے مجھ کو دیکھا ، نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت ، نہ ان کو کوئی خدمت مجھ سے اپنی منظور۔ خیر، غیر ہوں جب تک جیوں کا دعا دوں گا ، تمام عمر ممنون اور شرمندہ رہوں گا۔ تمہارا بھی احسان مانوں گا۔ اب دو ایک دن میں کاغذ آجائے تو اس کا الطباع شروع ہو جائے۔ تم نواب صاحب کو میرا سلام کہو اور یہ خط دکھا دو اور عرض کرو کہ آج تک کسی بھائی یا کسی دوست کا روپہ پیسے کا احسان متد نہیں ہوا تھا۔ اب احسان بھی اٹھایا تو اپنے آقا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند کا۔

وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملائے مکتب دار کا خط ہے ، رحیم بیگ اس کا نام ، میرٹھ کا رہنے والا ، کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ باوجود نابینائی کے ادنیٰ بھی ہے۔ اس کی تحریر میں نے دیکھی ، تم کو بھیجوں گا (۲)۔ مگر ایک بڑے سزے

(۱) یہ وہی رقم ہے جو نواب میر سلام بابا خاں نے "طالع برہان" کی طباعت قانیہ کے لیے یہ طور امداد بھیجی تھی۔

(۲) "طالع برہان" جو میرزا رحیم بیگ نے "طالع برہان" کے رد میں لکھی تھی۔



کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں، جن کو ”لطائف لریبی“ میں رد کر چکے ہو۔ یہ ہر حال اس کے جواب کی تکرر نہ کرنا۔ فقط والسلام والا کرام۔

نجات کا طالب، غالب

دوشنبہ ۱۱۔ ستمبر ۱۸۹۵ء

(۱۹)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف الحقی میاں داد خاں تم سلامت رہو۔ تمہارے خط کے صفحہ سادہ پر یہ سطرین رقم کرتا ہوں تا کہ تم اپنے خط کے پہنچنے سے اطلاع پاؤ۔ ”نامہ“ غالب، صاحب مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپی، جو میں مول لے کر بی بیوں اور تم سے اس کی قیمت مانگ لوں۔ میں نے آپ تین سو جلدیں چھپوائیں۔ دور و نزدیک بانٹ دیں۔ آج یکشنبہ ہے، پارسل روانہ نہ ہوگا۔ جتنے یہ نسخے اب میرے پاس باقی ہیں، کل کہیں بیچ دوں گا۔

ہاں صاحب، سو روپے کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول ہوا۔ کاپی آج (۱) شروع ہو گئی ہے۔ جس دن نوٹ پہنچا، اس کے دوسرے دن روپیہ مل گیا۔ تیسرے دن میں نے تم کو تمہارے رجسٹری دار خط کا جواب لکھ بھیجا۔ یقین ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا اور تم نے بموجب میری خواہش کے نواب صاحب کو دکھایا ہوگا۔ کل حضرت کا بھی ایک خط آیا ہے، اس کا جواب بھی آج تمہارے خط کے ساتھ ارسال ہوتا ہے۔ بندہ پرور، سچ کہتے ہو رحیم دیک کا وطن اعلیٰ سردھنہ اور الیہال میراثہ میں مقیم اور معلم اس کا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا، نظم و اثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔

راقم : غالب علی شاہ

یک شنبہ ۱۷۔ ستمبر ۱۸۹۵ء

(۱) ”قاطع برهان“ کی طبع ثانی کے لیے کتابت شروع ہو گئی۔



صاحب،

میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ تم اپنے وطن گئے اور عزیزان وطن کو دیکھ کر خوش ہوئے اور مع الخیر والعافیہؒ اپنے محسن و مری کی خدمت میں پھر آ چلے۔ نواب صاحب سے میرا بہت سلام کہنا اور کہنا کہ اس خط میں سلام صرف وفور اشتیاق سے لکھا ہے۔ محبت نامہ جداگانہ بھیجوں گا۔

اجی ہاں میان سیف الحق، رام پور سے آ کر تین سو جلدیں ”درفش کاویانی“ (۱) کی تیار پائیں۔ نواب میر غلام بابا خان صاحب سے حصہ برادرانہ کو ڈیڑھ سو جلد کا ہشتارہ بنوایا، اس پر ٹاٹ لپٹوایا، ڈاک گور بھیجوا یا، مسترد آیا۔ سرکاری ڈاک والوں نے ہرگز اس کا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے، ہمنٹ ہاکٹ والے، ریل والے، متفق النقطہ اس کے ارسال سے انکار کرتے ہیں۔ تم یہ رقمہ حضرت کو پڑھو اور اس باب میں جو وہ فرمائیں، وہ مجھ کو لکھو۔ مدعا یہ ہے کہ کسی طرح یہ ہشتارہ وہاں پہنچ جائے اس خط کا جواب جس قدر جلد لکھو گئے، مجھ پر زیادہ احسان کرو گئے۔

سہ شنبہ ۲۳۔ جنوری ۱۸۶۶ء

نجات کا طالب، غالب

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف الحق میان داد خان کو فقیر اسد اللہ کا۔ سلام۔ کل سہ شنبہ ۲۔ فروری صبح کے وقت چھ پارسل چھپنس ”درفش کاویانی“ کے، نواب میر غلام بابا کی خدمت میں ارسال کیے۔ کل ہی شام کے وقت آپ کا عنایت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا۔ خیر، اب اور نہ بھیجوں گا۔

(۱) قاطع برہان طبع ثانی کا دوسرا نام۔



صاحب، یہ تم نے ہانچ رہے کے لکٹ کیوں بھیجے؟ میں نہ کتاب فروش۔ نہ دلال۔ یہ حرکت بھیجے پسند نہ آئی اور تم نے برا کیا۔ حضرت، سولہ جلدیں ”لطائف عجیبی“ کی بھیج کر، اس کے ہاں سات دن کے بعد اس ”نامہ“ غالب، کا ہارسل ارسال کیا ہے۔ ”لطائف“ کی رسید تم نے بھیج دی، یقین ہے کہ ”نامہ“ غالب، کا ہارسل بھی پہنچ جائے گا، گھبراؤ نہیں۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام اور لشیاق ملاقات عرض کرنا۔

۲۱۔ فروری ۱۸۶۶ء نجات کا طالب، غالب

(۲۲)

خان صاحب، سعادت و اقبال نشان، میاں داد خان سیاح کو قہر گوشہ نشین کا سلام پہنچے۔ تمہارا کوئی خط، سوائے اس خط کے جس کا جواب لکھتا ہوں، ہر گز نہیں پہنچا۔ بہت دن سے مجھ کو خیال تھا کہ مولانا سیاح نے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ کل ٹاکہ تمہارا خط پہنچا، آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔

مہر میں تو کھوشی کا نہیں جو اس قدر عذر چاہتے ہو، کھدوا دینے میں کیا تکلیف اور کیا زحمت؟ میں احباب کا خادم ہوں۔ میر غلام بابا خان سے میرا سلام کہئے اور وہ نگین مع نقشہ بے تکلف بھیج دیجیے۔ آپ کے حکم کی تعمیل اور اس نگین کی دوستی ہو جائے گی۔ خاطر جمع رہے۔ زیادہ کیا لکھوں؟

ابھی سیاح صاحب، ہارا دھیان تم میں لگا رہتا ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرو۔ میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ اگر میر غلام بابا خان صاحب کو مہر کھدوائی نہ ہوتی اور وہ تم سے نہ کہتے تو تم ہرگز مجھ کو خط نہ لکھتے۔ یہ تمہارا خط گویا میر غلام بابا خان کے حسب الحکم تھا۔ جی میں آیا تھا کہ انہی کو اس کا جواب لکھوں اور ان کے نام کا خط بھیجوں، مگر پھر سوچا کہ تم آزدہ ہو جاؤ گے، تمہیں کو خط لکھا، یہاں یہ



طریقہ فراموش کاری کا اچھا نہیں۔ کہہ کہہ خط لکھا کرو۔ والسلام  
 یکم مارچ ۱۸۶۶ء نجات کا طالب، غالب

(۲۳)

اہل نشان، سیف الحق کو دعا پہنچے۔ بانیج اشتہار اخبار کی خریداری اور نین  
 اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچنے میں۔ چھوٹے صاحب کو  
 ملاحظہ کروائیے اور اطراف و جوانب، دور و نزدیک بھیجئے۔ جو صاحب  
 کتاب و اخبار دونوں کے خریدار ہوں، وہ اس کے خریدنے کی اطلاع کا خط  
 میر لغزالذہن مستم اکمل المطایع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس  
 بھیج دیں۔ جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔

غالب

۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء

(۲۴)

مولانا سیف الحق،

اب تو کوئی خط تمہارا نوٹ اور منڈوی اور لکٹ سے خالی نہیں ہوتا۔  
 پہلا یہ نو فرمائیے کہ یہ ڈھائی روپے کس بابت کے اور کس جنس کی  
 قیمت کے ہیں؟ اگلے بانیج روپے ہر میں بے مزہ ہوا تھا، یہ ڈھائی اور طرہ  
 ہوئے۔ یہ ہر حال ان کا حال لکھو کہ کیسے ہیں اور کاشے کے ہیں؟  
 اس دفعے کا جواب جلد لکھو۔ ٹوپیاں بعد عید بھیجی جائیں گی۔

عناہت کا طالب، غالب

۲۳۔ اپریل ۱۸۶۶ء

(۲۵)

حیات،

میرا سلام۔ تمہارا خط پہنچا۔ دونوں غزلیں دیکھیں۔ خوش ہوا۔ بغیر کا  
 شیوہ خوشامد نہیں اور فن شعر میں اگر اس شیوے کی رعایت کی جائے تو  
 شاگرد ناقص رہ جاتا ہے۔ یاد کرو، کبھی کوئی غزل تمہاری اس طرح کی



نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوئی ہو، خصوصاً روزمرہ اردو میں۔  
 دونوں غزلیں لفظاً اور معنی کے عیب ہیں، کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفرین  
 اور صد ہزار آفرین۔

میر غلام ہانا صاحب واقعی ایسے ہی ہیں، جیسا ہم لکھتے ہو۔  
 سیاحت میں دس ہزار شخص بھاری غار سے گزرا ہوگا۔ اس گروہ کثیر میں  
 جو ہم ایک آدمی کے مداح ہو، تو بیشک وہ شخص ہزاروں میں ایک ہے۔  
 لاریب فیہ۔ کیا فرمایا کروں اور کیا ہم ہے مشکاؤں؟ وہاں کونسی چیز  
 ہے کہ یہاں نہیں۔ آم مجھ کو بہت مرادوب ہیں، انگور سے کم عزیز نہیں  
 لیکن بمبئی اور سورت سے یہاں پہنچنے کی کیا صورت؟ مالٹے کا آم یہاں  
 ہونڈی اور ولایتی کوڑے کے منہور ہے۔ اچھا ہونا ہے۔ کمال یہ کہ وہاں  
 بہت اچھا ہوگا۔ سورت سے دلی آم پہنچنے بعض تکلف ہے۔ روپے کے آم  
 اور چار روپے محصول ڈاک اور پھر سو سے شاید دس پہنچیں۔ میرے سر کی  
 کی قسم کبھی ایسا ارادہ نہ کرنا۔ یہاں دہسی آم انواع و اقسام کے بہت  
 پاکیزہ، لذیذ اور خوشبو (۱) افراط سے ہیں۔ ہونڈی آم بڑے بہت ہیں۔  
 رام پور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر سپہیل اور سفان  
 بھیجتے رہتے ہیں اے لو! آج بریلی سے ایک بہنگی ایک دھوت (۲)  
 کی بیچی ہوئی آئی۔ دو ٹوکریں، ہر ٹوکری، میں سو آم۔ کلو داروغہ  
 نے میرے سامنے وہ ٹوکریں کھولیں، دو سو میں سے تراسی آم اچھے نکلے اور  
 ایک سو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے۔ اوائل جون ماہ حال میں ایک  
 ہفتہ مینہ برس کر پھر اب وہی آگ برس رہی ہے اور لو چل  
 رہی ہے۔

۱۷۔ جون ۱۸۶۶ء

(۱) یعنی سونگھا جائے تو اچھی خوشبو آئے۔

(۲) قاضی عبدالجلیل جنوں بریلوی۔



بھائی سیف‌العین ، تمہارا خط پہنچا۔ قاضی صاحب بڑودہ کو معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ اسے براہِ اوں کے عتاب کی پاتا تو اوں سے غدر کرتا اور اپنا گناہ معاف کرواتا۔ جب سبب ملال کا ظاہر نہیں تو میں کیا کروں؟ تم برا نہ مانو، کس واسطے کہ اگر میں برا ہوں، تو اوس نے سچ کہا اور اگر میں اچھا ہوں اور اوس نے برا کہا تو اوس کو خدا کے حوالے کرو :

خائب برا نہ مان جو دشمن برا کہیں  
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

صاحب، اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کہاں کوچا کوچا پھروں؟ گوشہ نشین آدمی، عکس کی تصویر اتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں؟ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کوچی ہوئی ہے، اگر ہاتھ آجائے گی تو وہ ورق بیچ دوں گا۔

اچی، وہ تو میں نے نواب صاحب کو ہنسی سے ایک بات لکھی تھی، دوستانہ اختلاط تھا۔ بھئی میں برا ہوں، گنا کیا سنوں گا؟ بڑھا ہوں، ناچ کیا دیکھوں گا؟ غذا چھہ ماشے آلا، کھانا کیا کھاؤں گا؟ بھئی، سورت میں انگریزی شرابی ہوئی ہیں اگر وہاں آتا اور شریک محل ہوتا تو بی لیتا۔

نجات کا طالب ، خائب

۵- ستمبر ۱۸۶۶ء

صاحب،

میں تم سے شرمندہ (ہوں)۔ پہلا خط تمہارا مع قصیدہ پہنچا۔ میں قصیدہ کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا۔ اب دوسرا خط دیکھ کر قصیدہ یاد آیا۔ ہر چند ڈھونڈا، نہ پایا۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس قدر مجھ کو



یاد ہے کہ اسی وقت میں نے اوّل اشعار کو سرسری دیکھ لیا تھا۔  
 اشعار سب عموماً تھے۔ ہم اندیشہ نہ کرو اور قصیدہ نذر گزراؤ اور  
 مع الخیر وطن کو جاؤ، لیکن بھائی وطن پہنچ کر ضرور مجھ کو خط  
 لکھنا اور اپنے گھر کا پتا لکھنا تاکہ میں اسی نشان سے تم کو  
 خط بھیجوں۔ نواب میر غلام بابا خان صاحب کو فقیر کی طرف سے سلام  
 کہنا۔ فقط۔

صبح ۱۸ شبہ ۱۸ - نومبر ۱۸۶۶ء

(۲۸)

منشی صاحب،

وہی جہان، وہی زمین، وہی آسمان، وہی -ورت، وہی دل، وہی  
 نواب میر غلام بابا خان، وہی سیف الحق سیاح، وہی غالب نیم جان - انگریزی ڈاک  
 جاری، ہرکاروں کو ریل کی سواری - ربیع الاول میں تمہارا خط آیا - ربیع الثانی،  
 جمادی الاول، جمادی الثانی، ربیع، آج شعبان کی ۲۶ ہے۔ صبح کے وقت یہ خط لکھ  
 رہا ہوں۔ آٹھ بج گئے ہیں۔ اس وقت تک نہ کوئی تمہارا خط آیا، نہ کوئی نواب  
 صاحب کا غناوت نامہ - واسطے خدا کے میرے اس خط کا جواب جلد  
 لکھو اور اس خط میں ترک نامہ و پیام کا سبب لکھو۔ آج ہی کے دن  
 ایک پارسل چھ ٹویوں کا ارسال کرتا ہوں، خدا کرے پارسل پہنچ جائے  
 اور ٹویاں تمہارے ہسٹ آئی - نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا  
 اور غائب کی وجہ دریافت کر کے لکھنا۔ خط بیرنگ ہے اور پارسل ہلکا۔

نجات کا طالب، غالب

۳ - جنوری ۱۸۶۷ء

(۲۹)

منشی صاحب شفیق، یہ دل مہربان، عزیز تر از جان، سیف الحق میان  
 داد خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ ہر سو نواب صاحب کا  
 خط آیا۔ صاحب ٹویوں کی حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ”لطائف غیبی“ کی



پندرہ چاندی سات روپے آٹھ آنے دام بیچ کر منگوائیں، پھر دو روپے کے ٹکٹ بیچ کر ٹوئیاں منگوائیں۔ میں نے تمہارے بیچے ہوئے روپیہ کی ٹوئیاں خرید کر تم کو بیچ دیں۔ چاہے تم پہنچو، چاہے چھوٹے صاحب کی نظر کرو۔

تمہیں جو میں نے ”سیف الحق“ خطب دیا ہے، انہی فوج کا سبہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو، تم میرے بازو ہو، میرے نطی کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔ ”لطائف غیبی“ نے اعدا کی دھجیاں اڑا دیں۔

ایک نئی بات سنو۔ محمد میرزا خان میرے سببی بھائی کا نواسہ ہے۔ اوس نے ایک اخبار نکالا ہے۔ اسمعیل بہ ”انوار الاخبار“۔ اوس کا ایک لفظہ تم کو پہنچتا ہوں۔ اوس کو بڑھ کر معلوم کر لو گے کہ تمہارا ایک اعتراض قبیل کے کلام پر چھایا گیا ہے۔ اس اوسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے (۱)۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گزر جائے اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جائے اور تم اون کی طرف سے حکم خریداری ابتداً جنوری ۱۸۶۷ء سے بنام محمد میرزا خان لکھو اور وہ خط اس بنے سے دلی روانہ کرو، جو اون کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے۔

حیران ہوں کہ چھوٹے صاحب کے خط کا کیا جواب لکھوں۔ انہوں نے مجھے شرمندہ کیا۔ اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بزرگ لکھا۔ سید نو سب مسلمانوں کے بزرگ ہوتے ہیں۔ میں تو مسلمانوں میں ہی ایک ذلیل، غلیل، فقیر، حقیر آدمی ہوں۔ یہ اون کی بزرگی، اون کی کی خوبی، اون کی مہربانی ہے۔ حق تعالیٰ اون کو سلامت رکھے اور

(۱) گویا میرزا غالب نے خود ہی اعتراض لکھ کر صحاح کے نام سے شائع کر دیا تھا۔



ان مقدسات میں من کرا الوجوه اون کو فتح و ظفر نصیب ہو۔ میرا سلام کہتا اور یہ عبارت پڑھا دینا۔

خان صاحب، برادر بھائی برابر میرزا معین الدین حسین خان بہادر کو میرا سلام کہتا اور کہتا کہ بھائی، میرا جی دیکھنے کو بیٹ چاہتا ہے۔ پہلے برخوردار شہاب الدین خان صاحب سے بوجھو، (۱) وہ اجازت دے تو فوراً ریل پیل کرنے چلے آؤ۔ فقط

سہ شنبہ ۷۔ شوال ۱۳۸۳ مطابق ۱۲ فروری ۱۸۹۷ء

دیدار کا طالب، غالب

(۳۰)

بھائی،

تم جیتے رہو اور مراتب علیا کو پہنچو۔ تو ایک عسی کی بات سنو۔ گہارا خط منشی کشیا لال کے نام کا میرے پاس آیا۔ ہر چند میں نے خیال کیا، اس نام کا کوئی آشنا مجھے یاد نہ آیا۔ یہ نادانی ان کی کہ بھہ ہے کہہ نہ دیا کہ میرے نام کا خط آئے تو میرے پاس بھیج دینا۔ بے خبری میں جو خط آیا، میں نہ نام سے واقف، نہ مقام

(۱) میرزا معین الدین حسین خان حیدرآباد میں منہم ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ معلوم نہیں اس عبارت سے مقصود یہ تھا کہ انہیں خط لکھا جائے یا یہ کہ وہ بمبئی یا اور کسی قریبی مقام پر آ گئے تھے۔ میرزا شہاب الدین نائب کے بوجھنے کا ایک پہلو یہ ہے کہ میرزا معین الدین حسین اور شہاب الدین کے درمیان ماموں بھائی کے رشتہ تھا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ میرزا معین الدین حسین خان کچھ مدت تک ۱۸۸۷ء کی سرگرمیوں کے باعث روپوشی پر مجبور ہو گئے تھے۔ شاید میرزا غالب کو خیال ہو کہ ان کے آ جانے پر باز پرس کا کوئی اندیشہ شاید ہوگا اور اس معاملے سے میرزا شہاب الدین جس درجے میں آگہ ہو سکتے تھے، میرزا غالب نہیں ہو سکتے تھے۔



سے واقف، خط نہ پھر دوں تو کیا کروں؟ خط کے واسے کرنے کے بعد ایک دن آپ (۱) بھائی میرزا محمد حسین خان (۲) کے ساتھ میرے پاس آئے اور تعارف قدیم یاد دلایا۔ دیکھنا یہاں کہا خوب یکن ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں غدر سے پہلے دو تین بار تیرے پاس حاضر ہوا ہوں۔ انصاف کرو، دو تین ملاقاتیں اور دس گیارہ برس کی بات۔ میں نسیان کا پتلا، میرا تصور کیا؟ یہ ہر حال یہ شریف ہیں اور عمدہ روزگار کئے ہوئے ہیں۔

صاحب، میں نے ”اودھ اخبار“ میں دیکھا کہ جھوٹے صاحب مقدمہ جیتنے اور بجٹی کے صاحبوں میں ان کی افزایش جاہ و جلال و تعظیم و توقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہمت میں خط لکھوں گا مگر رشک آنا ہے کہ بھوالہ ”اودھ اخبار“ لکھوں اور بھوالہ سیف الحق نہ لکھوں۔ زیادہ۔ زیادہ۔

امدادت غالب

۳۱۔ مارچ ۱۸۶۷ء

### (۳۱)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشانہ عزیز تر از جان سیف الحق، میان داد خان سیاح کو غالب کی دعا پہنچے۔ برسوں ایک خط تمہارا ایک جھوٹے صاحب کا پہنچا۔ بچاس بچاس روپے کے نوٹ دو پہنچے، سو (۱۰۰) روپے وصول ہو گئے۔ آج تم کو اطلاع اور نواب صاحب کا شکریہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔

بھائی تم نے اخبار اطراف و جواب میں میرا حال دیکھا ہوگا۔ میں اب محض نکلا ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے، بچاس جگہ سے اشعار واسطے اصلاح کے آئے ہوئے بکس میں دھرے ہیں۔ ازاں جملہ

(۱) منشی کنہیا لال۔

(۲) بن میرزا قدرت بیگ خان یعنی میرزا معین الدین حسین خان کے جھوٹے بھائی۔



میں صاحبوں کے نام لکھتا ہوں : میرا ابراہیم علی خان صاحب ، میرا عالم علی خان صاحب ، ثواب عباس علی خان، رئیس حال رام پور کے حقیقی ماموں - تحریک کے اہم اوروں میں تمہارے کاغذ بھی دھرے ہوئے ہیں - جس دن ذرا افاقہ - پاؤں کا تو ان سب کو الگ کو دیکھوں گا -

۲۳- اپریل ۱۸۹۷ء

(۳۲)

بھائی،

تمہارا خط پہنچا، آج جواب لکھتا ہوں - پہلے یہ سوچتا ہوں کہ میری طرف سے جو اعتذار چھپا ہے، وہ تمہاری نظر سے گزرا ہے یا نہیں؟ (۱) نہ گزرا ہو، تو ”اکمل الاخبار“ ماہ سوال کے چاروں ہفتے کے دو ورگے دیکھ لو، ایک ہفتے میں نکل آئے گا ۱۲

واقعی اعتراض کے جواب ایک مولوی نے لکھے ہیں - اس ہفتے کے ”اکمل الاخبار“ میں دیکھ لو جو تم سے کلام کرے، اسی انداز سے تم بھی کلام کرو (۲)۔

نجات کا طالب، غالب

۲۹- اپریل ۱۸۹۷ء

(۳۳)

منشی صاحب ، سعادت و اقبال نشان، سیدالحق ، منشی میاں داد خان سیاح کو غالب ناتواں نیم جان کی دعا پہنچے - بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا - آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا، اب رعشہ و ضعف بصرانہ کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا - جب حال بہ ہے تو کہو صاحب، میں اشعار کو اصلاح کیوں کر دوں؟ اور پھر اس موسم میں کہ گرمی میں سر کا بھجکا بکھلا جاتا ہے - دھوپ کو دیکھنے کی تاب

(۱) اصلاح شعر اور جواب خطوط سے عذرخواہی کا اعلان (دیکھو خط ۳۲)۔

(۲) فتول کے کلام پر جو اعتراض ”انف الاخبار“ میں سیاح کے نام سے چھاپا تھا - اس کا جواب ، پھر جواب الجواب -



نہیں۔ رات کو صحن میں سونا ہوں، صبح کو دو آدمی ہاتھوں میں لے کر دالان میں لے آتے ہیں۔ ایک کونٹھری ہے اندھیری، اس میں ڈال دیتے ہیں تمام دن اس گوشہٴ تاریک میں بڑا رہتا ہوں۔ شام کو پھر دو آدمی بستور لے جا کر بلنگ پر صحن میں ڈال دیتے ہیں۔ گہاری غزلیں، میر ابراہیم علی خان بہادر کی غزلیں، میر عالم علی خان بہادر کی غزلیں، حکیم میر احمد حسن صاحب کی غزلیں اور کیا کہوں کس کس کی غزلیں، یہ سب ایک جگہ دھری ہیں۔ اگر کوئی دن زندگی اور ہے اور یہ گرمی خیر ہے گزر گئی تو سب غزلوں کو دیکھ لوں گا۔

تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مصور صاحب میرے دوست، میرے چہرے کی تصویر ابار کر لے گئے۔ اس کو تین مہینے ہوئے، آج تک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے۔ میں نے گوارا کیا، آنکھ پر نقشہ اتروانا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں۔ عید کے دن وہ آئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی میری شبیہ کھینچ دو۔ وعدہ کیا تھا کہ کل نہیں، نو برسوں اسباب کھینچنے کا لے کر آؤں گا۔ سوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، ہرم، یہ ہانچواں مہینا ہے، آج تک نہیں آئے۔

غلام حسین خان صاحب کا قلعہ پہنچا۔ اس میں کچھ نو سہر اصلاح طلب بھی تھے، اب اصلاح دے کون؟ میں تو اپنی مصیبت میں گرفتار۔ یارے ایک میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ سواری ریل میرے دیکھنے کو آیا تھا۔ اس کو مولع محل بتا دیا۔ جو میں کہتا گیا، اسی طرح وہ بنانا گیا۔ وہ قلعے کا کالعدم بعد اصلاح کے ”اکمل المطالع“ میں بھیج دیا۔ غصہ آہندہ میں تم بھی دیکھ لو گئے۔

مرگ ناکہ کا طالب، غالب

۱۱ جون ۱۸۶۷ء

(۳۴)

نور چشم، اقبال نشان، سیف الحق، میان داد خان سیاح کو غالب



نیم جان کی دعا پہنچے۔ واقعی تمہارے دو خط آئے ہیں۔ آگے میں لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا، اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رشید آنکھوں میں ضعف پھر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آ جاتا ہے تو اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔

بھائی، میں تو کوئی دن کا مسیان ہوں۔ اور اخبار والے میرا کیا حال جانیں؟ ہاں، ”اکملی الاخبار“ اور ”اشرف الاخبار“ والے کہ یہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملتے رہے ہیں، سو ان کے اخبار میں میں نے اپنا مفصل حال چھپوا دیا ہے اور اس میں میں نے عذر چاہا خطوں کے جواب اور اشعار کی اصلاح ہے۔ اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا قتلخا اور اشعار واسطے اصلاحوں کے چلے آئے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا، اباہج، بورا بہرا، آدماء، دن رات پڑا رہتا ہوں۔ حاجتی ہلنگ کے تلے دھری رہتی ہے۔ نشت، چوکی ہلنگ کے پاس لگا رہتا ہے۔ سو نشت چوکی پر تیسرے چوتھے دن اتفاق جانے کا ہوتا ہے اور حاجتی کی حاجت بسبب سرعت بول کے گھٹہ پھر میں بانچ جہ بارہوئی ہے۔

نصیر کھینچنے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا، شہر سے چلا گیا۔ ایک انگریز ہے، وہ کھینچتا ہے۔ مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھے پر سے اتروں، بالکی میں بیٹھوں اور اس کے گھر جاؤں اور گھٹہ دو گھٹے کسی پر بیٹھوں اور نصیر کھینچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پر پھر آؤں۔ اب تم ازراہ سہیلانی میرا ابراہیم علی خان جہاد اور حکیم سید احمد حسن صاحب کو اور جب بمبئی سے واپس آ جاؤ، نواب شلام بابا خان کو یہ خط پڑھوا دینا۔

تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور مر جانا معلوم ہو کر بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حلیف مجھ سے بوجھو کہ اکثر برس کی عمر تک سات چھ پیدا ہوئے۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے



سے زیادہ نہ ہوئی۔ تم انہی جوان ہو ، حق تعالیٰ تمہیں صبر اور نعم البدل دے ، والسلام

غالب

۲۵۔ اگست ۱۸۶۷ء

(۳۵)

صاحب ،

تمہارے خط کے پہنچنے سے کمال خوشی ہوئی ۔ ٹوہیاں اگرچہ تمہارے سر پر ٹھیک نہ آئیں لیکن ضائع نہ گئیں ۔ میرے شفیق اور تمہارے مری کے صرف میں آئیں ۔ تم کو اور ٹوہیاں بھیجوں گا۔

مصور سے سخت عاجز ہوں ۔ وعدہ ہی وعدہ ہے ، وفا کا نام نہیں

کلیات میر تقی کا انتخاب تمہارے خط کے پہنچنے سے دودن پہلے میر فخرالدین نے ارسال کر دیا ۔ نکٹ ان کے حوالے کر دیے۔

حضرت ! پہاڑ لگانے کی خو کس سے سیکھے ہو ؟ میرے پاس کوئی غزل تمہاری نہیں ہے ۔ نواب (۲) صاحب کو کہنا کہ ٹوہیوں کو میرا ارغوان سمجھنا ۔ سیفانہی کی نذر تصور نہ کرنا ۔

نجات کا طالب، غالب

۲۵۔ جنوری ۱۸۶۸ء

(۱) یعنی نواب میر غلام بابا خاں۔ (۲) مراد نواب میر غلام بابا خاں ہی ہیں۔



## میر حبیب اللہ ذکا

حبیب اللہ نام ، ذکا تخلص ، نیلور (مدراس) وطن تھا ۔ وہیں ۱۲۴۳ھ - ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے ۔ والد کا نام حافظ محمد میراں اور دادا کا نام حافظ محمد علی تھا ۔

آپ کے اجداد بیجا پور سے نقل مکان کر کے نیلور میں مقیم ہوئے تھے ۔ علم و فضل اس خاندان کا امتیازی نشان تھا ۔ منشی حبیب اللہ پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ۔ ابتدائی تعلیم بڑے بھائی منشی رحمت اللہ رسا سے حاصل کی ، جو راجہ کٹ گری کے دیوان تھے ۔ پھر مدراس جا کر عربی و فارسی کی متداولہ کتابیں پڑھیں ۔ تعلیم نے طبعی جوہروں کو چمکا دیا ۔ شعر و ادب کی محفلوں میں بڑا نام پیدا کر لیا ، اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر اور ادیب تھے ۔ انشا فارسی میں خاص مہارت حاصل کر لی اور مدراس کے حلقوں میں بے مثل منشی سمجھے جاتے تھے ۔

اس زمانے میں مدراس کے دو سید فارسی شاعری کے استاد مانے جاتے تھے : ایک سید محمد مہدی ثاقب ، دوسرے سید محمد مرتضیٰ ینش ۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے ۔ ان کے جد اعلیٰ مشہد سے ہندوستان آئے اور کپڑا گہ میں مقیم ہوئے ۔ ان کے ایک پوتے خواجہ محمد گیسو دراز رح کے خالو تھے ۔ پھر اس خاندان کا ایک فرد ارکٹ میں متوطن ہوا ۔ اس کی اولاد میں سے ایک صاحب سید ابراہیم نام مدراس چلے گئے ۔ ثاقب اور ینش انہیں سید ابراہیم کے 'پوتے' تھے ۔ ذکا ابتدا میں انہیں سے اصلاح لینے رہے ۔



کچھ مدت اس حالت میں گزری تو ذکا کو غالب سے غائبانہ عہدیت پیدا ہو گئی۔ واقف حال اصحاب کا بیان ہے کہ عہدیت دیوانگی کی حد تک جا پہنچی تھی اور ذکا ہر وقت اس کوشش میں رہتے لگتے کہ غالب سے ملیں۔ ثاقب وقتاً فوقتاً حیدرآباد آتے تھے اور یہاں ان کے اعزاز میں مشاعرے ہوتے تھے۔ ذکا کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ پہلے حیدرآباد پہنچنا چاہیے۔ وہاں پہنچ کر غالب سے ملنے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکل آئے گی۔ چنانچہ وہ اپنے اہلکار کو خبر کیجے بغیر گھر سے نکلے اور پیدل سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے حیدرآباد پہنچے گئے۔

حیدرآباد میں ایک صاحب مولوی عبدالوہاب نواب مختارالملک سر سالار جنگ اول مرحوم و مغفور کی ڈیوڑھی میں میز خانے کے مہتمم تھے ان سے ذکا کی جان پہچان تھی۔ ذکا انہیں کے ہاں مقیم ہو گئے اور انہیں کی سفارش پر نواب مختار الملک نے ذکا کو صدر مجلسی کے دفتر میں میر منشی کی خدمت عطا کر دی تھی۔ پھر اپنی جاگیر میں ایک اچھی ملازمت دے دی۔ بالآخر، علاقہ دیوانی میں دوم تعلقداری (جو ہارے ہاں ای، اے، سی، کے برابر ہے) پر مامور ہو گئے۔

حیدرآباد پہنچنے کے بعد غالب کے ساتھ مکاتبت کا سلسلہ جاری ہوا اور سرزا کے خطوں سے ظاہر ہے کہ وہ ذکا کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ شعرا کے ایک قلمی تذکرہ سے معلوم ہوا کہ غالب کی شاگردی کے بعد ذکا نے اپنا پہلا کلام طائع کر دیا تھا۔ پھر جب تک جتنے وہ غالب ہی کے انداز میں شعر کہتے رہے۔

ہجو و مزاح میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کی ہجوئیں اور مزاحیہ نظمیں موجود ہیں۔

۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵-۵۶ء) میں حیدرآباد آئے، تو اٹھائیس برس کی عمر تھی۔ انیس برس ملازم رہنے کے بعد ۱۲۹۱ھ/ (۱۸۷۳ء) میں لالچ



سے وفات پائی۔ صرف سیتالیس برس کی عمر تھی۔ چنچل گورہ میں دفن ہوئے۔

ذکا نے دو شادیاں کیں : پہلی بیوی کے بطن سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی، دوسری کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا۔ بڑے بیٹے کا نام محمد میراں تھا۔ غالب کے خطوں میں ان کا ذکر ہے۔ یہ بھی فارسی کے شاعر تھے اور سہا نخلص کرتے تھے۔ صدر مجلس سرکار عالی میں انہیں منتظم کا عہدہ حاصل تھا۔ ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ء) میں محمد میراں نے ذکا کا متفرق فارسی اور اردو کلام نظم و نثر ”خاص خاص“ کے نام سے چھاپ دیا تھا۔ اب یہ بالکل کھیاں ہے۔ میرے پاس اس کا ایک ناقص نسخہ ہے۔ جس کا کاغذ اتنا بوسیدہ ہو چکا ہے کہ ورق گردانی کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔

دوسرے صاحبزادے محمد اسحاق صاحب بھی صدر مجلس میں منتظم رہے۔ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (اکتوبر ۱۹۱۴ء) میں بغرضہ طاعون فون ہوئے۔

### (۱)

صبح ۱۰ شنبہ ۱۳۔ صفر سال غفر (۱۲۸۰ھ) صاحب، میں تم کو اخوان الصفا میں گیتا ہوں۔ اپنا نور نظر ولخت جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبط راز نہیں کر سکتا اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں ۱۲

تصیہ و غزل میں صلہ و تحسین بہ اقتضا بہت و قسمت ہے، نہ



یہ اندازہ ارزش کلام (۱) - ۱۲ ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا۔ اغنیاء (۲) کو نہ مذاق شعر سے نسبت ، نہ مطالعہ اشعار کی فرصت - متوسط نے ہندو (ہمت ؟) سلسلہ چنبائی کی ، لیکن مرجع (۳) نے نہ قدردانی کی - ۱۲

مولوی غلام غوث خان بیخبر میر منشی لفٹنٹ گورنر غلام غلام الاخلاص ہیں ، ہرگز ان کو مدعی (۴) سے تلمذ نہیں - البتہ اس کو خوشگوار جانتے ہیں اور یہ کہیں نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور ”قاطع برہان“ کا جواب لکھیں :

باطل است آنچه مدعی گوید

مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے - میں امیر علی شیر (۵) جیسا محاسب اور مولوی جامی (۶) جیسا مقلی

(۱) قصیدہ ہو یا غزل ، ان میں صلہ و تحسین کا معاملہ ، نصیبے اور قسمت کی یاوری پر موقوف ہے ، کلام کی حیثیت و قیمت پر نہیں ، جس حد تک میرزا کے عام حالات کا تعلق ہے ، ان کا یہ تجربہ بالکل درست تھا - تفصیل کا یہ موقع نہیں - (۲) ارباب دولت و ثروت -

(۳) محل رجوع یعنی ممدوح - ظاہر ہے کہ یہ بخارا وال ملک سالار جنگ اول کا ذکر ہے ، جن کی مدح میں میرزا نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ بوجھا تھا - (کلیات نظم فارسی قصیدہ ۹۳) (۴) مدعی سے بظاہر اشارہ مولانا غلام امام شہید کی طرف ہے ، جو اس وقت حیدر آباد میں تھے -

(۵) نظام الدین علی شیر نوائی ہرات کے مغل بادشاہ سلطان حسین بایقرا کا ہم مکتب تھا - جب سلطان حسین تخت نشین ہوا تو شیر نوائی کو مصاحب بنا لیا - اس کی سرپرستی میں ہرات علم و ہنر کا مرکز بن گیا - نوائی خود ترکی اور فارسی کا خوش ذوق شاعر تھا - دونوں زبانوں میں اس کے دیوان موجود ہیں - ”عجالی النقائص“ کے نام سے شعرا کا ایک تذکرہ بھی لکھا تھا ، جو چھپ گیا ہے - مولانا جامی اسی کے دربار سے وابستہ رہے -

(۶) علم ، شعر اور تصوف میں مولانا جامی کا درجہ بلند کسی شرح کا محتاج نہیں - تصانیف شعری کے علاوہ متعدد علمی کتابوں کے مصنف ہیں ، ۵۸۱۵ - ۱۲۱۳ء میں پیدا ہوئے ۵۸۹۸ - ۱۲۹۳ء میں وفات پائی -



کہاں سے لاؤں جو نیاؤں کرے اور کاذب کو سزا دے ؟ شکر ہے خدا کا کہ ہم مخدور اور مخندان ہو اور یقین ہے کہ قلمرو ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رتبے کو سمجھ (۱) ہو سکیں گے :

عید است یادہ شد فلک و ساحر آفتاب

خالصاً اللہ ، فلک ظرف اور آفتاب مظلوف ہے ، یہ شخص ظرف کو مظلوف اور مظلوف کو ظرف ٹھہراتا ہے ۔ اس کو کون مسلم رکھئے گا ؟ اس سے بڑھ کر ایک اور خشنہ ہے ، یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے ۔ آفتاب و ساحر میں تدویر (۲) وجہ شبہ ہے ، شراب اور فلک میں وجہ شبہ کہاں ؟ ۱۲

میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں ۔ قدردانی کیوں کر کہوں ، قدر افزائی کرتے ہو ۔ دوستانہ ، نہ استادانہ ، جون خیال میں آئے گا کہا جائے گا ۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح (۳) کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے ، ماسکتب یہ شہرت نہ پایا کرے (۴) ۔ مجموعہ کلام سابق بھیج دو گئے ، میں ہیکال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دوں گا ۔ استجازت (۵) کیا ضرور ؟ ۱۲

۱۳۔ صفر (۱۲۸۰ھ مطابق ۳۰۔ جولائی ۱۸۶۳ء) نجات کا طالب ، غالب

(۱) مہم اول مضموم و مہم ثانی مفتوح اور پائے مشدد ۔ پائے مکسور ۔ تعیز کنندہ ۔ خوب و زشت کا پرکھنے والا ۔

(۲) گولائی ۔ (۳) اصلاح لینا ۔

(۴) یعنی جب تک اشعار بعد اصلاح میرے پاس سے واپس نہ پہنچیں ، انہیں کہیں چھاپا یا کسی اور ذریعے سے شائع نہ کیا جائے ۔ مقصود یہ تھا کہ اگر اتفاقیہ شاگرد سے غلطی ہو جائے تو اس کا التزام استاد پر لگے گا ۔ (۵) اجازت طلب کرنا ۔



حضرت مولوی صاحب :

میں برس دن سے بیمار اور تین مہینے سے صاحب نراش ہوں۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار، پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے ایسے، جیسے انگارے چمکتے ہیں۔ اعضا پر دس جبکہ بھائے لگتے ہیں۔ ضعف و ناتوازی علاوہ، سوز غم عالمی نہایت علاوہ۔ صنعت سہل مستح میں، میں نے نواب مختار الملک (۱) کو قصیدہ (۲) بھیجا، کچھ قدردانی نہ فرمائی۔

رد فرقہ و عاہیہ میں ایک مثنوی (۳) جو سابق میں لکھی تھی، وہ محی الدولہ کو (۴) بھیجی، رسید بھی نہ آئی۔ اب سننا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید (۵)، شاگرد قلیل وہاں کوس ”اٹا و لا غیری، بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں۔ ایک کم ستر برس کی عمر میری ہوئی۔ حوالے شہرت خشک کے نن کا کچھ پھل نہ پایا۔ ”احسنت“ و ”مرحباء“ کا شور سامعہ فرما ہوا۔ خبر، ستایش کا حق ستایش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے

(۱) حیدرآباد کے امیر اور شہرہ آفاق وزیر اعظم۔ ۸۔ فروری ۱۸۸۳ء کو ہیضے سے انتقال کیا۔

(۲) وہی قصیدہ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اس میں اپنی کیفیت کس درد انگیز انداز میں پیش کی :

کس نیست متاع را خریدار      یا آنکہ چا گراں نہ گویم  
زاں رو کہ خردوران گیتی      رنجیدہ چو قدر دان نہ گویم  
ناچار متاع عرضه دارم      بے رونقی دکاں نہ گویم

(۳) کلیات نظم فارسی کی چھٹی مثنوی۔

(۴) حیدرآباد کا ایک بڑا امیر۔

(۵) ان کے حالات دوسری جگہ لکھے جا چکے ہیں۔



یہ بھی نہ کیا ، نہ مدح کی داد دی ، نہ مدح کا صلہ دیا ۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے ! بحوالہ سے اور کچھ نہیں کہتا ، مگر یہ کہ خدا سمجھے ۱۰

کل سے ہلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطرین لکھتا ہوں :

دیدم گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

لقیر کے نزدیک دیدم زائد ہے ، اگر یوں ہو تو بہتر ہے :

ہر یک ز گل و لالہ (۱) الخ

بالقد شقے کاں باب لعل نو ماند

کو چرخ یکم دل ما رنگ بر آورد

”باشد“ غل معنی ہے ۔ اگر اس کی جگہ ”آرد“ ہو تو بہتر ، مگر ”آرد“

صیغہ مستقبل کا اور ”آورد“ ماضی کا اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ ۔

ہر چند اسانہ نے یوں بھی لکھا ہے ، مگر فارسی گوینان ہند نہ مانیں گے۔

پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے :

حاشا کہ شقی مثل لب لعل نو باشد

کے چرخ یکم دل مارنگ بر آورد

مصرع :

خون شد دل غم دیدہ (۲) الخ

(۱) دکا کا شعر یوں تھا :

دیدم گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

رخسار نو زہی ہر دو جدا رنگ بر آورد

سیرزا نے پہلا مصرع بدل کر یوں بنا دیا :

ہر یک ز گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

(۲) پورا شعر یوں ہے :

خون شد دل غم دیدہ و از دیدہ نورویخت

دیدنی کہ جنابت چہ ہلا رنگ بر آورد؟



یہ شعر ہموار ہے۔ نہ صاد کے قابل، نہ اصلاح کا محتاج۔ چوتھا اور پانچواں یہ دو شعر، واہ کیا کہنا ہے (۱) :

اے اہل ورع (۲) الخ یہ بھی ہموار ہے۔ نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح :

گوئی کہ زباں درد دھنم برگ حنا بود

نا بوسہ زدم آن کف پارنگ بر آورد

مولوی صاحب، یہ باب تو کچھ نہیں۔ زبان چائے کا آلہ ہے، نہ چومنے کا۔ زبان برگ حنا بن گئی تو بوسہ سے کف یا کہوں حنائی ہو جائے؟

گوئی دھنم لب زرگ برگ حنا داشت

نا بوسہ زدم آن کف پارنگ بر آورد (م)

مقطع اور اس کے اور کا شعر دونوں اچھے۔

اب آپ اس خط کی رسید لکھیے اور اس میں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھیے کہ ان کی وہاں کیا صورت ہے۔ ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ رضاالملک نے منہ نہ لگایا، مگر محی الدولہ نے چار سو روپے سپینا سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہے۔

روز چہار شنبہ ۱۰۔ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ (م)

مطابق ۲۹ اگست ۱۸۶۳ء

(۱) چوتھا اور پانچواں شعر ملاحظہ فرمائیے :

نا بند کشائیم ہر انگشت حنائی لب

از عکس پنج ہیکہ حنا رنگ بر آورد

خون کرد جگر حسرت اظہار مینا

لب بستن من ہم چو حنا رنگ بر آورد

(۲) شعر یہ ہے :

اے اہل ورع چوں نتوان داشت عزیزش

مے سرخ تر از خون شاہ رنگ بر آورد

(۳) ڈکانے کلام مرعوب کرتے وقت یہ شعر، مقطع نیز دو اور شعر حذف کر دیے تھے۔

(۴) بعض مطبوعہ نسخوں میں ۱۲۶۹ھ چہا ہوا ہے جو غلط ہے۔



مولانا ،

ایک نغمہ نامہ پہلے بھیجا تھا ۔ اس کے جواب میں یہاں سے خط جواب طلب لکھا گیا تھا ۔ پھر ایک اور سہیلی نامہ آیا ۔ اس میں میں نے اپنے خط کا جواب نہ دیا ۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر مولوی اور ہمت آزادانہ ، نہ فطرت کیا درنہ اس تحریر کے ہائے پر مصروف رکھی گئی ۔ بارے وہ کل نظر افروز ہوا اور طبیعت اس کے مشاہدے سے طرب اندوز ہوئی اب درنگ وزری کی تقصیر معاف کیجیے اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجیے ۔

صاحب ، تاریخ انطباع کلیات خوب لکھی ہے (۱) ۔ مگر ہزار حیف کہ بعد از انطباع پہنچی ۔ کتاب کی روئی افزا نہ ہوئی ۔

خندہ پرور نیم چراغ دود مان سپر و وفا اور منجملہ اخوان الصفا ہو ۔ مجھ سے تمہیں محبت روحانی ہے گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے ۔ دوست کی بھلائی کے طالب ہو ، اس شیوے میں شریک غالب ہو ۔ ایک خواہش مبری قبول ہو ، تا کہ مجھ کو راحت حصول ہو ۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں ۔ واقعہ حال دل نشین کرتا ہوں ۔

جناب مولوی مؤلف الدین خاں صاحب کے بزرگواروں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت (۲) و صفوت (۳) مرعی نہیں کہ وہ مقتضی اس کی ہوئی

(۱) غالباً یہ قطعہ مراد ہے :

غالب کہ فنی مطلق اگر معنی کم است گویم کہ ہمسری بہ سخن کمتر آئندہ دیوان او ز مطبع منشی نول کشور طومار سعی کار گزاران پر آئندہ تاریخ انطباع نویسد دکا ہمے جان سخن بہ قالب طبع اندر آئندہ حد ہائے ہا ز رشک بر آمد ز متکبران یک حرف ”ہا“ چہ شد ہمہ زائد گر آئندہ (۲) دوستی ۔ (۳) صفا و برگزیدگی ۔



کہ ہم میں اور ان میں برادراتہ ارتباط و اختلاط باہم رہے اور ہمیشہ یونہی بلکہ روز افزوں رہے گا۔ خط میں خط مملوف کرتا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر ہوں نہ ہوتا تو میں ان کے نام کا خط تمہارے خط میں مملوف کر کے بھیجتا۔ ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور ان کو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام، میرے کلیات کے پارسل کا ان کے پاس اور ان کے ذریعہ عنایت سے اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب عثمان الملک جہاد کی نظر سے گزرتا اور جو کچھ اس کے گزرنے کے بعد واقع ہو، دریافت کر کے مجھے مطلع فرمائیں۔

جمعہ ۱۔ ربیع الثانی ۱۲۸۰ مطابق ۲۵۔ ستمبر ۱۸۹۳ء غالب

(۴)

بندہ پرور،

آج تمہارا عنایت نامہ آیا اور آج ہی میں نے اس کا جواب ڈاک میں اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارہویں دن خط اور پہلے بیس دن میں پارسل پہنچے گا (۱)۔ خط کا جواب ضروری الاسال نہیں، لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیے گا۔

آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا، لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ میں نے پارسل کسب آپ کے پاس بھیجا اور کسب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل مولدالدین خان کو دے دیجیے گا؟

پارسل کا لفظ (۲) مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولدالدین خان صاحب سے ملے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے انہیں دکھائیے اور ان سے پارسل کا حال

(۱) یہ پارسل جس میں کلیات کا نسخہ تھا، غالباً ڈاک کے لیے بھیجا گیا تھا۔

(۲) یہ پہلے پارسل کا ذکر ہے، جو مولوی مولدالدین کے ذریعے سے سالار جنگ کو بھیجا تھا۔



دریافت فرمائیے۔ آپ ولایتی ہی نہیں جو میں یہ تصور کروں کہ اردو عبارت سے استنباط مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہ ہر حال اب مدعا صحیحہ لیجئے اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمائیے اور باؤسل کا حال معلوم کر کے لکھیے۔

۵- چادی الاول ۱۳۸۰ و نوزدهم اکتوبر ۱۳۶۳ داد کا طالب ء غالب  
روز ورود ناسه نامی



پہلے مطلع میں لطف نہیں، ہاں مضمون لطیف ہے، وہ فرد میں خوب آ گیا ہے۔ مطلع ثانی بسبب تعلقات کے سہل و گیا۔ ”وندہ“ (کذا) کا قافیہ اور شعر میں، اور طرح سے بندھ گیا ہے۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا۔ جو شعر ے تصرف بدستور رہا اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔

سابقہ ایسی چیزیں (۱) اللہ

چھٹی لفظ بحریب ہے ، نہ اہل دہلی کے زبان زد ، نہ گوش زد ۔ بحریال کو چھٹی کہتے ہیں جس کی فارسی پرویزن ہے ۔ اور جس کپڑے میں سائنات (۲) کو چھانیں ، فارسی اس کی "لائے ہالاہ اور اردو "اصافی" ہے ۔ یہ نام معروف "براہر نہ ہوا تھا ، الخ تقریر وقت سرگ کا انکار حشو بلکہ سہل ہے ، مگر ہاں تقریر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے ۔ مقطع میری پسند نہیں ہے ، میرے سر کی قسم اس کو نہ رکھو ، اور مقطع (ج) لکھ لو ۱۲

100

این روش را می توان به صورت زیر نوشت:

(۱) ڈکا کا اردو کلام میری نظر سے نہیں گزرا ، اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ اصل شعر کیا تھا ۔

(۶) بننے والی چیزیں مثلاً شراب ، عرق وغیرہ ۔ (۷) بعض دھیرا ۔



محمداے دونوں خط پہنچے غالب گسستہ دم ، کوئہ قلم ، نہ لکھے تو یہ اور بات ہے ۔ دونوں خط آپ کے اور ایک ہارسل محمد نجیب خاں کا یہ تقدیم و تاخیر دوسہ روز موصول ہوئے ۔ آپ کا ہارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائے گا ۔ خاں صاحب کے ہارسل میں ایک کتاب ارساق اور اوراق اصلاح بھیجے جائیں گے ۔

اغاھا ! ”مہرق قاطع“ کا محمداے پاس پہنچنا :

کلمے کہ خواستہ ز خدا شد میسر

میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا ؟ مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آ گیا ۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کئے (۱) ۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے (۲) جدا جدا لکھے ۔ داتا ہو اور منصف ہو ۔ ”مہرق“ کو دیکھ کر جانو گے کہ مؤلف اس کا احمق ہے اور جب وہ احمق ”دافع ہذیان“ و ”سوالات عبدالکریم“ اور ”لطائف غیبی“ کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور ”مہرق“ کو دھو نہ ڈالا تو معلوم ہوا کہ بے حیائی ہے ۔ ”دافع ہذیان“، ”سوالات“، ”لطائف غیبی“ ، تینوں نسخے ایک ہارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوئے ہیں ۔ یقین ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر یک دو روز (۳) نظر انور سے گزریں ۔ فی الحال اس ہارسل کی رسید

(۱) اشارہ ہے ”دافع ہذیان“ مصنفہ مولوی نجف علی جچہری کی طرف ۔

(۲) ”سوالات عبدالکریم“ اور ”لطائف غیبی“ یہ دونوں کتابیں خود میرزا کی مرتبہ تھیں ۔

(۳) ایک دو روز آگے بھیجے ۔



ہنرورود لکھیے ۔ جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مسرود پہنچے ، تو اس کی رسید رقم کی جائے گی ۔ چار نسخے ہارسل میں ہیں : دو آپ لہجے اور دو محمد نجیب خاں کو دیجیے ۔

غالب

دوشنبہ ۲۸ - نومبر ۱۸۶۳ء

(۷)

ہندہ برور ،

کل آپ کا تققد نامہ پہنچا ، آج میں پاسخ طراز ہوا ۔ جس کاغذ پر میں یہ قوش کھینچ رہا ہوں ، آپ کے خط کا دوسرا سرورق ہے ، پہچان لہجے اور معلوم کیجیے کہ آپ کا مجموعہ کلام سمجیز نظام اور اس کے بعد دو خط پہنچے ۔ میں صحیفہ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں ، بلکہ اس خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور اوسان کا شکر اور اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے ۔ ہارسل کے سرائے سے میرا نام مٹا نہیں ، ہارسل تلف ہوا نہیں ۔ آٹھ دس روز ہونے ہوں گے کہ وہ مجھ اس ہارسل میں کہ اس کو دو گزداں کر لیا ہے ، بعد اداے حصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے ۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا ۔

ہاں صاحب ، خط دیروز کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی کے نام ، مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب کے پاس پہنچاؤں ، میں نے پایا ۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے موری ملاقات نہیں ۔ صرف تضاد معنوی کے اقتضا سے انہوں نے "دائع ہذیان" لکھ کر فن سخن میں مجھ کو مدد دی ہے ۔ منشی گووند سنگھ دہلوی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں ۔ ان کو وہ خط بھجسہ بھیج دیا ۔ یقین ہے کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھیج دیں گے ۔ انہیں کے اظہار سے دریافت ہوا کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنکالے میں ہیں ۔ نواب فاطم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے ۔



ہر شخص نے ہندو حال ایک ایک قدردان پایا۔ غالب سوچتے اختر کو ہر کی داد ہی نہ ملی :

کسم بخود نہ بغیرقت و دھر بازم برد  
چو نامہ کہ بود تا نولستہ عنوانی

یہ شعر میرا ہے ، ولیمہ خسرو دہلی میرزا فتح الملک بہادر (۱) مفعول کے قصیدے کا اور دیکھو ایک رباعی میری :

دستم بہ کلید ہنر نے می ہایست و بود تہی بہ داننے می ہایست  
یا هیچ گہم یکس بنفادے کار یا خود بہ زمانہ چوں منے می ہایست  
انا لله وانا الیہ راجعون

## (۸)

اے غائب یہ عنایت ہم شکل

آپ کا خط حاوی حل شہات جس دن پہنچا ، اس کے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا ۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے ۔ دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی ۔ دو تین شعروں میں گہاری والے مسلم رہی ۔ باوجود فقدان حافظہ واستیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے :

چہ غرہ غرہ پیشانی بسند عمر

بدل مصرع :

چہ غرہ غرہ پیشانی نکور عمر

دوسرا تبدیل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ ”شہگرد گراں رکاب“ کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے ، اے واؤ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے ۱۲

صبح شبہ ۳۔ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ۱۲ غالب

(۱۲۸۲/۱۸۹۹ء)

(۱) غلام فخر الدین غائب بہ میرزا فتح الملک معروف بہ میرزا خسرو متخلص بہ رمز ولی عہد بہادر شاہ ثانی میرزا غالب کے شاگرد تھے ۔ ۱۸۵۹ء میں بہ عارضہ ہیضہ وفات پائی ۔



میرے مشفق ، میرے شفیع ، مجھ سے، هیچ اورج کے ماننے والے ، مجھ سے برے کو اچھا جانتے والے ، میرے غم ، میرے محبوب ، تم کو میری خبر بھی ہے ؟ آگے ناتوان تھا ، اب ہم جان ہوں ۔ آگے بہرا تھا ، اب اندھا ہوا چاہتا ہوں ۔ رام پور کے سفر کا وہ آورد (۱) ہے ، رعشہ وضعف بصر ۔ جہاں چار سطریں لکھیں ، انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں ، حرف سوجھنے سے رہ گئے ۔ اکہتر برس جیا ، پتہ ہیا اب زندگی برسوں کی نہیں ، سپینوں اور دنوں کی ہے ۔

پہلا خط تمہارا پہنچا ، اس سے تمہارا مریض ہوتا معلوم ہوا ۔ متواتر دوسرا خط مع غزل آیا ۔ غزل کو دیکھا ۔ سب شعر اچھے اور لطیف ۔ حافظے کا یہ حال ہے کہ غزل کی زمین یاد نہیں ، اتنا یاد ہے کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا ۔ غرضیکہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو ۔ کل ایک خط رجسٹری دار آیا ، گویا ستارہ دنیا الہ دار آیا ۔ حیران کہ ماہرا کیا ہے ۔ بارے کہولا اور دیکھا ۔ خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور شکوہ ہائے بے جا سے لبریز ۔

صاحب ، میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہوا وہیں وہ جانے تو رہ جانے ، ورنہ دل کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا مجال ہے ، جو مجھ تک نہ پہنچے ۔ وہاں کے ڈاک کے کار بردازوں کو اختیار ہے ، مکتوب الہ کو دیں یا نہ دیں ۔ آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں ، اس کا حال یہ ہے کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہو گیا ۔ اب ایک مجلد اس کا کہیں نظر نہیں آتا ۔

(۱) وہ آورد ایسے غلے کو کہتے ہیں ، جو سفر سے لایا جائے ۔



بس اب بھیجے اتنا لکھنا باقی ہے کہ اس خط کی رسید اور اپنی  
خیرو عاقبت جلد لکھو۔

صبح جمعہ ۲۵۔ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ / ۱۲۔ مئی ۱۸۹۹ھ

جواب کا طالب ، غالب

### (۱۰)

دوست روحانی ، برادر ایمانی ، مولوی حبیب اللہ خاں میر منشی کو  
فقیر غالب کا سلام۔ تم نے یوسف علی خاں کو کہاں سے ڈھونڈ  
نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے معلوم کیا ؟ بغیر نشان  
محلہ کے ان کو خط کیوں کر بھیجا اور وہ خط ان کو کیوں کر  
پہنچا ؟ :

حیرت اندر حیرت است اے ہار من

پہلے یہ تو کہو کہ " دولہا کاویاں" اور وہ قطعہ جس کی پہلی  
بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں ؟ اگر پہنچا تو مجھ کو رسید  
کیوں نہ لکھی ؟

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ

در خصوص گفتگوئے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید  
کی داد دو اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ  
اور بھیجوں۔

زیستن دشوار۔ اس سہیلے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہنرواں  
پرس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات۔ بادام کا شیرہ ، قند کے شربت  
کے ساتھ ، دوپہر کو سیر بہر گوشت کا گاڑھا باقی ، قریب شام کبھی  
کبھی تین نلے ہوئے کیاب۔ چھ گھنٹی رات گئے پانچ روپہ بہر  
شراب خانہ ساز اور سی قدر عرق شیر۔



اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اٹھ نہیں سکتا اور اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر ، چار ہاتھ بن کر اٹھتا ہوں ، تو ہڈیاں لڑتی ہیں ۔

معمداً دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے ۔ حاجتی پشتک کے پاس لگی رہتی ہے ، اٹھا اور پیشاب کیا اور پڑ رہا ۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بد خواب نہیں ہوتا ۔ بعد ازاں بولے نکلف نیند آ جاتی ہے ۔ ایک سو باسٹھ روپے اٹھ آنے کی آمد ، تین سو کا خرچ ، ہر سیٹے میں ایک سو چالیس کا گھٹا ۔ کہو زندگی دلوار ہے یا نہیں ؟ مردن ناگوار بد یہی ہے ، مرنا کیوں کر گوارا ہوگا ؟

بھائی یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجنا ہوں ۔

جواب خط کا طالب ، غالب

سہ شنبہ از روئے جنتری ۲۶ ، اور از روئے رویت

۲۵۔ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۳۰۔ دسمبر ۱۸۶۶ء

(۱۱)

جاتان بلکہ جان ، مولوی منشی حبیب اللہ خان کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ و سرور سینہ منشی محمد میراں (۱) کو دعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کی نوید ۔ جو نگارش صاحبزادے کی طرف سے تھی ، رسم الخط بھینٹے تمہاری نہیں اب تم بتاؤ کہ رقعہ اس کی طرف سے تم نے لکھا ہے یا خود اس نے تحریر کیا ہے ؟ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدر آباد نہیں آیا ، ظاہراً اب تم نے وہاں سے بلایا ہے ۔ مفصل لکھو کہ نعل مراد کا شعر یہی ہے یا اس کے کوئی بیٹا بن اور بھی ہے ؟ یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے ؟ ہاں صاحب ، محمد میراں ، یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں ۔ منشا افرات پریش ، وفور محبت ہے ، نہ فضولی ۔

(۱) فرزند ذکا ۔



یوسف علی خان شریف و عالی خاندان ہیں۔ بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپے مہینہ ہائے تھے۔ جہاں سلطنت گئی وہاں تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں، ریختہ کہتے ہیں۔ ہوس ہیشہ ہیں، مضطر ہیں، ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ غلام اسی قدر ہے کہ لکھ بڑھ لیتے ہیں۔ ان کا باپ میرا دوست تھا۔ میں ان کو بھائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بقدر اپنی دستگاہ کے کچھ مہینہ مقرر کر دیا ہے، مگر یہ سب کثرت خیال وہ ان کو ممکن نہیں۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے تو کیا کرو گے؟

صاحب، میں بعین عنایت الہی کثیرالاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے، نام اس کا "موئد برہان" ہے۔ اس رسالے میں دفع کیے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کیے ہیں اور تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کیے ہیں اور اہل مدرسہ اور شعراء کلکتہ نے تقریبات اور ناریخی بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ اس طائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق اس دوست کو اور دو چار جلدیں "درفش کاویانی" علاوہ اوراق مذکور بیچ دیے۔ اسی زمانے میں تین چار ورق، خوب یاد ہے کہ "درفش" کی جلد میں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے یا تم نے "درفش" کو کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع "درفش" زینت طاق ٹسپاں ہیں۔ وہ ورق اس لفافے میں اپنے نزدیک مگر ہویجنا ہوں تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھئے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی بھی ہے اور نہیں۔

ہاں صاحب، اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا، "مکان تنگ است" "جہاں تنگ است" مدح غناارالملک میں، متضمن استدعاے مسکن وسیع۔ پھر مہینے بعد اسی "اودھ اخبار" میں



یہ خبر دیکھی کہ نواب نے سکین نو نہ بدلا، مگر تیس روپے  
 مہینا بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا کہ ایک صاحب نے  
 مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے اور ان کے شاگرد وضع  
 تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس رویداد کی تفصیل اور جواب  
 اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں، بسبیل استعجاب۔

دوشنبہ ۱۶۔ شعبان ۱۲۸۳ ہجری (مطابق ۱۱۔ جنوری ۱۸۶۷ء)

## (۱۲)

بیانی، میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت  
 کیوں ہے ظاہراً معاملہ عالم ارواح ہے۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔  
 تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ روانہ ہو چکا، وقت پر پہنچے گا۔

”نثر پتراء“ اردو میں ترجمہ“ پر حرف ہے۔ میری تہر برس کی عمر  
 ہے، اس میں ”الحرف“ ہوا، گویا حافظہ کبھی تھا ہی نہیں۔  
 سامعہ باطل بہت دن سے تھا، رفتہ رفتہ وہ بھی حافظے کی طرح معلوم  
 ہو گیا۔ اب مہینے بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں، رسی  
 پریشی مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے، وہ کالغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا  
 مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرہ بادام مقرر، دوپہر کو گوشت کا پانی، سرشام  
 گوشت کے تیلے ہوئے چار کباب، سونے ہوئے پانچ روپے بھر شراب اور اسی قدر  
 گلاب۔ حرف ہوں، بوج ہوں، غاصی ہوں، فاسق ہوں، رویا ہوں، یہ شعر  
 میر تقی کا مہرے حسب حال ہے:

مشہور ہیں عالم میں، مگر ہوں بے گہنی ہم  
 القصہ نہ درے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اس وقت کچھ اوقات نہیں۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا۔ بکس کھولا  
 تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب



کے جواب لکھے ہیں گئے ۔

ناچار اب کثابت جداگنہ میں لکھتا ہوں تاکہ خلعت کا حال اور میرے حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہ میں قوم کا ترک ساجوقی ہوں۔  
دادا میرا ساوراالنہر سے شاہ عالم کے وقت ہندوستان میں آیا ۔ سادقت ضعیف ہو گئی تھی ، صرف پچاس گلوڑے تقارہ و نشان سے شاہ عالم (۱) کا نوکر ہوا ۔ ایک برگہ سیر حامل ذات کی تنخواہ اور رسائے کی تنخواہ میں پایا ۔ بعد انتقال اس کے جو ذوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا ، وہ علاحدہ نہ رہا ۔ باپ میرا عبداللہ یک خان بہادر لکھنؤ جا کر نواب

---

(۱) شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی جو ۱۸۵۹ء میں تخت نشین ہوا اور ۱۸۵۶ء میں اس کا انتقال ہوا ۔ میرزا نے کئی جگہ لکھا ہے کہ ان کا دادا شاہ عالم کے عہد میں ہندوستان آیا ، نیز لاہور میں معین الملک کے پاس ملازم رہا ۔ یہ بیان تھوڑی سی توضیح کا محتاج ہے۔ اول ممکن ہے میرزا کے ذہن میں یہ دونوں واقعے الگ ہوں یعنی دادا لاہور میں معین الملک کے پاس ملازم رہا ۔ اور اصل ہندوستان میں ، جس کی سرحد سرحد سے شروع ہوتی تھی ، شاہ عالم کے عہد میں وارد ہوا ۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب شاہ عالم الہ آباد سے دہلی پہنچا تھا ۔ (۱۷۷۳ء) اگر دونوں باتوں کو الگ الگ نہ سمجھا جائے تو یقیناً میرزا کا بیان ڈھول پر مبنی ہے ۔ ان کا دادا احمد شاہ بن محمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آیا ۔ پہلے معین الملک کے پاس لاہور میں رہا ۔ اس کا انتقال محرم ۱۱۶۷ھ ۔ نومبر ۱۷۵۳ء میں ہوا ۔ پھر میرزا کے دادا نے ہندوستان کا قصد کیا ، ذوالفقار الدولہ نجف خان کے ساتھ میرزا کے دادا کا خاص تعلق ہے ۔ یقین ہے کہ شاہ عالم کی ملازمت نجف خان ہی کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہوگی ۔ نجف خان کی وفات (۱۷۸۲ء) کے بعد میرزا کے دادا نے پھر پور میں ملازمت کر لی اور آگرے میں توپان اختیار کر لیا ۔



آصف الدولہ (۱) کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدرآباد جا کر نواب نظام علی خان (۲) کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ ٹوکری ایک خانہ جنگی کے بکھڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راجا بختاور سنگھ (۳) کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا (۴)۔ نصر اللہ بیگ خان بہادر میرا حلیقی چچا مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا، اس نے بھٹے ہالا۔ ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا حمل ہوا، صوبہ داری کمشنری ہو گئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سوار کا برگڈیر ہوا۔ ایک ہزار سات سو روپہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر سرزمینی کے تھے کہ ہمرگ ناکہ مر گیا (۵)۔ رسالہ برطرف ہو گیا، ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی، وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا، جو باب مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا، جو چچا مر گیا۔ ۱۸۳۰ء (۶) میں کلکتہ گیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری رہاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی، سات ہارچے اور حیفہ، سر بیچ، مالائے مروارید، یہ تین رقم

(۱) نواب وزیر اودہ۔

(۲) نظام علی خان بن آصف جاہ اوں۔ انہیں عموماً آصف جاہ دوم کہا جاتا ہے (وفات ۶۔ اگست ۱۸۰۳ء)۔

(۳) بختاور سنگھ والی الور (وفات مئی ۱۸۱۵ء) اس کے بھتیجے بنی سنگھ اور خواص کے بیٹے بلونت سنگھ میں جانشینی کے لیے تنازع شروع ہوا۔ آخر بنی سنگھ کو راج گئی ملی۔

(۴) ۱۸۰۲ء میں ایک سرکشی زمینداری سرکشی کے لیے عہدہ بیگ خان کو بھیجا گیا اور اتفاقہ کوئے لگنے سے وفات پائی۔

(۵) ۱۸۰۶ء میں۔ (۶) صحیح یہ ہے کہ میرزا ۱۸۲۷ء میں کلکتہ گئے اور ۱۸۲۹ء میں واپس آئے۔



خلعت ملا۔ زان بعد جب دھلی میں دربار ہوا، مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدیر، ہجرم مصاحبت بہادر شاہ، دربار و خلعت دونوں بند ہو گئے۔ میری برأت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوئی تھی۔ تین برس کے بعد پنڈ چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ غرض کہ یہ خلعت ریاست کا ہے، عوض خدمت نہیں، انعامی نہیں، معوج الذہن (۱) نہیں ہوں، غلط فہم نہیں ہوں، بد گمان نہیں ہوں، جو جس کو سمجھ لیا اس میں فرق نہیں آتا، دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کبھی صاحب نے حیدرآباد سے گفنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بری طرح کیا تھا، کھولنے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ سے نہیں جانا۔ بھیجنے والی کی غرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط جبکہ تمہارے پاس اس خط میں مضمون کر کے بھیجا ہوں۔ زہار دستخط پہچان کر کاتب سے چھکڑا نہ کرتا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے کہ تمہاری ترقی منصب اور اتوں مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

صبح جمعہ دھم شوال ۱۲۸۳ھ ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء

(۱۳)

جان غالب،

تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے اور آمد و رفت ڈاک کی مدت گزر گئی۔ اس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ ”موند برہان“ میرے پاس بھی آ گئی ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شہر صفحہ وسط لکھ رہا ہوں، وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ شرط مودت، بشرط آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی ہو، یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب لکھو۔ میرے بھیجے ہوئے احوال جہاں جہاں مناسب جاتو درج کردو۔

(۱) وہ شخص جس کا ذہن کج ہو۔



میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی۔ بہتر پرہیز  
کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میان محمد میراں کو دھا۔

جواب کا مطالبہ، غائب

۱۳۔ مارچ ۱۹۶۷ء

(۱۳)

بلند پرواز،

آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم  
ہونے سے دل خوش ہوا۔ جو آپ کی عبارت سے سمجھ گیا ہوں، اس کا جواب  
لیجئے اور جو نہیں سمجھا وہ مطابق میری التماس کے بھیجے سمجھا دیجیے۔  
عبارت (۱)، عبارت شعرائے قدیم میں ہے۔ اس کی ہان سات بیت کی ایک محفل  
ہے، جس کا مطلع یہ ہے :

ہائے سر تا تشوہ راہ تو رفتن توان

جز یہ جاروب مزہ کوئے تو رفتن توان

پہلے مصرع میں بے منتوج اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار  
میں گشتن و سطن و بحرہ قافیے ہیں۔ استاد دو مصرعوں میں حرکت  
ما قبل روی مختلف لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں  
ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غصہ ہوا؟ آیا معترض صاحب استناد  
بمثل و نظیر کو نہیں جانتے اور نہیں مانتے؟ یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں،  
قدیم سے ہے۔

بلند نواز میں نے لکھا کہ ”موئد برہان“ میرے پاس آ گئی ہے اور  
میں اس کے اعتراضات کے جواب یہ نشان صنفجہ و سطر کا ایک  
نختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے  
بھیجوں گا کہ تم از راہ عنایت ”موئد“ کا جواب لکھو۔ میری نگارش  
جو پسند آئے اس کو بھیجا جا بجا درج کر دو۔ تم نے اس درخواست کا

(۱) کرمان کے اکابر میں سے تھا اور اسے اچھا شاعر مانا جاتا ہے۔  
(وقت ۱۲۷۵/۱۹۷۳ء)۔



جواب ہاں ، نا ، کچھ نہ لکھا (۱)۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے۔ میاں محمد میراں کو دعا۔

۱۸- مارچ ۱۸۹۷ء

(۱۵)

منشی صاحب ، الطاف نشان ، سعادت و اقبال توامان ، منشی حریب اللہ خاں کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا ، رڑھ کو دل خوش ہوا۔ تم میری بات بوجھتے ہو ، لیکن میں کیا لکھوں ؟ انگلیاں کہنے میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زائل۔ جب کوئی دوست آ جانا ہے تو اس سے خط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی اپنے عزیز کی فتنہ دلاتا ہے ، موتی کی روح کو اس کی پر پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں غذا کو۔ پہلے مقدار غذا کی تولیوں پر منحصر تھی ، اب ماشروں پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے۔ بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے ، بالکل میرا جی حال ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

دوم سوال ۱۲۸۳ھ (مطابق ۲۷- جنوری ۱۸۹۸ء)

اپنی مرگ کا طالب ، غالب

(آ) پہلا خط ۱۴ مارچ کو لکھا گیا تھا۔ معلوم نہیں چار دن کے اندر اندر اس کا جواب نہ ملنے کی شکایت کیوں پیدا ہو گئی ؟ کیا ۱۴- مارچ کے خط کو حقیقتہً ۱۴- مارچ کا سمجھا جائے ؟  
اسکے سوا ۱۸- مارچ کے خط کی زبرد غور عبارت کے لیے کوئی وجہ جواز سمجھ میں نہیں آتی۔



## قاضی عبدالجمیل جنون

قاضی صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ان کے بزرگ مغلوں کے عہد میں مصر سے ہندوستان آئے اور اونچے عہدوں پر فائز رہے۔ پھر کسی بزرگ کو بریلی میں منصب قضا مل گیا اور وہی شہر ان کا وطن بن گیا۔ ان کے جد امجد قاضی ثناء اللہ شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے معتمد علیہ بن گئے تھے۔ جاگیر بھی مل گئی اور وظیفہ بھی معقول ملتا تھا۔ پھر ان کے بیٹے قاضی غلام نبی اور پوتے قاضی غلام احمد بریلی میں منصب قضا کے حامل رہے، بالکلہ صدرا الصدور اور جسٹس جگ کورٹ بھی ہو گئے تھے۔ ۲۰۔ اگست ۱۸۳۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کے بڑے بیٹے صدرا بن تھے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی قاضی محمد حمزہ کو آبائی اور موروثی منصب دلا دیا اور خود صدرا بن ہی رہے۔ یہی قاضی محمد حمزہ، ہمارے جنون کے والد ماجد تھے جن کی وفات ۱۰۔ رمضان ۱۲۸۷ھ / ۳۔ دسمبر ۱۸۷۰ء کو ہوئی۔

قاضی عبدالجمیل ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ درسی کتابیں منشی عنایت اللہ مرحوم کا کوروی مصنف ”تواریخ حبیب اللہ“ سے پڑھیں، جنہیں ۱۸۵۷ء میں کالجے ہائی کی سزا بھی ہوئی تھی۔ مگر بعد میں یہ سزا منسوخ ہو گئی تھی۔ اٹھارہ برس کی عمر تک عربی و فارسی کے علوم سے بھی فارغ ہو گئے تھے۔

قاضی صاحب کے نام میرزا غالب کا پہلا خط جو فارسی میں ہے ۲۸۔ صفر ۱۲۶۶ھ / ۱۳۔ جنوری ۱۸۵۰ء کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے



کہ میرزا کا قلم بذریعہ خط اختیار کیا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شہر کہتے تھے۔ آخری عمر میں سارا کلام خود تاق کو دیا تھا۔

میرزا کو وقتاً فوقتاً آم ہدیہ بھیجتے رہتے تھے۔ میرزا نے ایک مرتبہ ان کے لیے سیاہی اور قلمیں دہلی سے بھیجیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کے نام صرف سترہ خط تھے۔ منشی مہیش برہاد نے قاضی صاحب کے صاحبزادے قاضی محمد خلیل سے مل کر تیرہ نئے خط حاصل کر لیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اٹھارہ آئیں سال کے گہرے تعلقات میں خطوط کا مجموعہ اس سے زیادہ ہوگا۔ اغلب ہے بہترے خط تاق ہو گئے۔

قاضی صاحب بھی آہلی منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں انہیں خان پادار کا خطاب ملا تھا۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔ مجموعہ کلام خنڈانہ جاوید اور ادبی خطوط غالب ہی میں تھا۔ مالک رام صاحب نے تلامذہ غالب میں بھی چھاپ دیا اور ”قوش“ کے تازہ خطوط کبر میں ان کے اشعار مع اصلاحات غالب چھپ گئے ہیں۔

## (۱)

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجلیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مستنون الاسلام کے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت مجدد کو ذریعہ نحر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامے آپ کے اوقات بخت میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیے اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی تھیک کہ حروف اچھی طرح پڑھ نہیں جاتے۔ اگرچہ کتابی میری اچھی ہے اور میں ٹینک کا محتاج نہیں، لیکن باقی ہند اوس کے پڑھنے میں بہت تکلف (کروٹا) پڑتا ہے علاوہ اس کے جبکہ اصلاح کی بات نہیں۔ چنانچہ اوس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تا کہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط بھاڑ کر پھینک دیا ہوگا اور معذرت



میرا اندیشہ آپ کو بھی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دی جاوے۔ واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجیے، اس میں بین الافراد و بین المصارعین (۱) فاصلہ زیادہ چھوڑیے۔ اب کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اس کے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپ کی خاطر سے رنج کتابت اٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو اس ورق پر بعد اصلاح لکھنا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا، اس سے مقابلہ کر کر معلوم کر لیجئے گا کہ کسی شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کون سی بہت موقوف ہوئی؟

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگان نیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعہ طرہی کو کیا کیجیے گا اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا؟ میں کہیں اوس محفل میں جاتا ہوں اور کیسی نہیں جاتا اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے، اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے اب ہی نہ ہو، اب کے ہو، تو آئندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام ۱۲۔

اسد اللہ

۱۸۵۳ء

(۲)

قبلہ،

آپ کو خط پہنچنے میں تردد کیوں ہوتا ہے؟ ہر روز دو چار خط اطراف و جواتب سے آتے ہیں، کہ کد انگریزی بھی، اور ڈاک کے ہرکارے میرا گھر جانتے ہیں۔ نوٹس ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے، وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے، محلہ بھی ضرور

(۱) سطروں اور مصرعوں کے درمیان یعنی دو شعروں کے درمیان بھی اور دو مصرعوں کے درمیان بھی فاصلہ زیادہ چھوڑنا چاہیے تاکہ حسب ضرورت اصلاح دی جا سکے۔



نہیں۔ آپ می انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے رہے اور مجھ کو بلی ماروں میں خط پہنچا رہا۔

یہ اب کے آپ نے حکم کالے کا نام کیسا لکھا ہے؟ اس غریب کو تو شہر میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خط آپ کا کوئی تلف نہیں ہوا۔ جو آپ نے بھیجا، وہ مجھ کو پہنچا۔ جواب لکھنے میں جو میری طرف سے تصور ہوتا ہے، اس کے دو سبب ہیں: ایک تو یہ کہ حضرت مہینے بھر میں نو پتے لکھتے ہیں۔ میں کہاں تک یاد رکھا کروں؟ ایک مکان ہو تو اوس کو لکھ رکھوں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ شوقہ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں اور کیا لکھوں؟ میں نے آئین نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں؟

اب آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے: ایک تو وہ رباعی جو آپ نے اس ننگ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے۔ اس کا جواب بندگی ہے اور کورنش اور آداب۔ دوسرا مدعا خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ، سو اس کا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب مولوی اللہ یار خان صاحب کا میرے ہاں آنا اور میرا اوس وقت مکان میں موجود نہ ہونا۔ واللہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہے گا اور میرا ملال ان سے بیان کیجے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعے کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اول روز آئے ہوں گے۔ جب سوار ہو جاتا ہوں، تب بھی دو چار آدمی مکان پر ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھتے، حقہ پیتے۔ اگر قلعے جاتا ہوں تو پھر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

نگاشتہ نم ربيع الاول ۱۲۷۲ھ مطابق ۲۰۔ نومبر ۱۸۵۵ء از اسد



پیر و مرشد :

فقیر ہمیشہ آپ کی خدمت گزاری میں حاضر اور غیر حاضر رہا ہے ۔  
جو حکم آپ کا ہوتا ہے ، اس کو بجا لانا ہوں ۔ مگر معدوم کو موجود  
کرنا میری وسع (۱) قدرت سے باہر ہے ۔ اس زمین میں کہ جس کا آپ  
نے قافیہ و ردیف لکھا ہے ، میں نے کبھی غزل نہیں لکھی ۔ خدا جانے  
مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر لے کر میرا  
کلام گمان کیا ہے ۔ ہر چند میں نے خیال کیا ، اوس زمین میں میری  
کوئی غزل نہیں ۔ دیوان ریختہ چھاپے کا یہاں کمپنی کمپنی ہے ۔ اپنے  
حافظ پر اعتماد نہ کر کر اوس کو بھی دیکھا ۔ وہ غزل نہ نکلی ۔

سنیے ، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر اوگ بڑھ  
دیتے ہیں ۔ چنانچہ انہیں دنوں میں ایک صاحب (۲) نے مجھے آگے  
سے لکھا کہ یہ غزل ہدیج دیجیے :

اسد اور اپنے کے دینے بڑے ہیں

میں نے کہا لاحول ولا قوۃ ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت ۔

اسی طرح زمانہ ' سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ  
مطلع بڑھا :

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی

مرے خیر ، شاہاں رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب ، جس بزرگ کا یہ مطلع ہے  
اس پر بتوں اس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت ۔ اسد اور

(۱) فسترس ، توانائی ۔

(۲) منشی شیو نرائن آرام ، جیسا کہ ان کے نام کے مکاتب مرثیہ ۶-۲-اپریل ۱۸۵۹ء  
میں مذکور ہے ۔



”شیر“ اور ”بتہ“ اور ”خدا“ اور ”جفا“ اور ”وفا“ میری طرز گفتار نہیں ہے۔ یہاں ان دونوں شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے ، وہ میرا شعر کیوں کر سمجھا گیا؟ واقعہ بات وہ شعر ”خدا نکہ“ ”رنگہ“ کے قافیہ کا میرا نہیں ہے ۱۲ والسلام۔

غالب

مرحلہ جمعہ ۲۵ ماہ صیام (۱۲۷۵ھ) و

۲۶۔ اپریل سال حال (۱۸۵۹ء)

(م)

حضرت ،

کیا ارشاد ہوتا ہے ؟ آگے اس سے جواب کے اشعار آئے توئے ، وہ دودن کے بعد اصلاح دے کر بوجھ دے۔ خط ڈاک میں تکف ہو جائے تو میرا کیا گناہ ؟ آج اب کا یہ خط صبح کو آیا ، میں نے آج ہی دوپہر کو دیکھ کر ڈاک میں بوجھ دیا ، اب چنچے یا نہ چنچے۔

دو باتیں سنئے : ”طرح“ بسکون رائے قرشت بہ معنی فریب ہے ، لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں۔ وہ دوسرا لغت ہے۔ ”طرح“ ہرکت رائے قرشت ، پروژن ”فرح“ اس کو بسکون رائے مہملہ بولنا عوام کا منطقی ہے۔ معاذ اللہ ! اگر تقریر میں اس طرح یعنی بہ سکون بولوں ، تو زبان اپنی کلٹ ڈالوں ، چہ جائے آنکہ نظم میں لاؤں۔ ہاں غزل ”طرح“ کی، زمین ”طرح“ کی یہ بسکون ہے اور بمعنی ”روش و طرز“ ”طرح“ ہے یہ فتحین۔

(دستاں....) السانہ نہیں۔ دستاں کے تین معنی ہیں : ایک تو

رستم کے باپ کا نام اور وہ علم ہے۔ دوسرے (۱)۔۔۔ تیسرے آواز

(۱) جہاں قطع لگائے گئے ہیں۔ وہاں کی عیادت کیڑا جاٹ گیا۔ بظاہر یوں لکھا ہوگا کہ دوسرے معنی مکرو حیلہ کے ہیں۔



خوشی اور یہ جو بلبلی ہزار داستان کہتے ہیں، سو (۱) اور مریویہ (لوگ کہتے) ہیں۔ صحیح ”ہزار داستان“ ہے، یعنی بہت طرح کی آوازیں ہوتا ہے۔

جناب مولوی احمد حسن صاحب عرش (۲) کو میرا سلام پہنچے۔  
(۲۸۔ اگست ۱۸۵۹ء)

(۵)

صاحب،

وہ خط جس میں اشعار مید مظلوم کے تھے، مجھ کو پہنچا اور میں نے اس خط کا جواب تم کو بھیجا اور ذکر اشعار قلم انداز کیا۔ فارسی کیا لکھوں، یاں ترکی تمام ہے۔ اخوان و اعیان یا مقول یا مفقود الخبر۔ ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں۔ آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں۔ اس سے قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پر کھڑا ہے، یا برکاب ہوں۔

طرح بالفتح بمعنی ”بوندہ“ اور بمعنی ”فریب“ سچ، لیکن طرح بالفتحین اور چیز ہے غیاث الدین رام پور میں ایک ملائے مکتبی تھا، ناقل نا عاقل۔ جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہوگا۔ اس کا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا؟

کیستم من کہ تا ابد بزم

(۱) یعنی بازاری لوگ۔

(۲) نواب صدیق حسن خاں مرحوم توحید نام بھوپالی کے بڑے بھائی اور میرزا غالب کے شاگرد۔ حالات دیکھئے ان کے نام مکاتیب کے آغاز میں۔



لا حول ولا قوۃ ! یہ مصرع سرا نہیں۔ ”اگر بزم، یہ فارسی لائق  
قبل کی ہے۔ میرا قطعہ یہ ہے :

کیسٹم من کہ جاوداں باشم خون نظیری نہاد و طالب مرد  
ور ہگویند در کدامیں سال مرد غالب؟ بگو کہ ”غالب مرد“ (۱)  
یہ مادۂ تاریخ از روئے مجہوم نہیں، بلکہ از روئے کشف ہے۔ اناجہ وانا  
الہد واجمعون

غالب

پنجشنبہ ۸۔ ستمبر ۱۸۵۹ء

(۶)

حضرت،

بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا۔ سال گزشتہ ان دنوں میں میں رام پور  
تھا۔ مارچ ۱۸۶۰ء میں جہاں آ گیا ہوں اور یہیں میں نے آپ کا خط  
پایا ہے۔ آپ نے سرقائے پر رام پور کا نام نالقی لکھا۔

حق تعالیٰ والی رام پور کو مدد دے۔ اہمیت رکھتے، ان کا عطیہ ماہ بہ ماہ  
مجھ کو پہنچتا ہے۔ کوم گسٹری و استاد یورپی کو رہے ہیں۔ میرے  
ونچ سفر اٹھانے کی اور رام پور جانے کی حاجت نہیں۔ مولوی احمد حسن  
عرشی کے فراق کو نہیں سمجھتا کہ کہوں واقع (م) ہوا، بلکہ یہ بوی  
نہیں معلوم کہ آپ اور وہ یکجا کہاں تھے اور کب تھے؟ حلیقہ حسین  
علی صاحب رام پور میں مجھ سے ملے ہوئے گئے۔ مگر واقعہ مجھ کو یاد  
نہیں۔ نسیان کا مرض لا حق ہے۔ حافظہ گویا نہ دارد۔ شامہ ضعیف،  
سامعہ باطل، باصرہ میں نقصان نہیں۔ البتہ حدت کچھ کم ہو گئی  
ہے (۳)۔

(۱) یہ قطعہ یوں بھی دیکھا اور سنا ہے :

من کہ باشم کہ جاوداں باشم خون نظیری نہاد و ”طالب مرد  
ور بہ برسد در کدامیں سال مرد غالب؟ بگو کہ ”غالب مرد“

(۲) وہ حج کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ بڑوند پنج کر ولات ہائی۔

(۳) یعنی نظر میں پہلے کی سی تیزی نہیں رہی، کسی قدر کم ہو گئی ہے۔



پیری و صد غیب چہیں گفتہ اند

یہ ہر حال چونکہ میں دلی میں ہوں اور وہ رام پور گئے ہیں تو البتہ وہ آپ کے پیام جو ان کی زبان کے محول (۱) تھے، بستور ان کی تحویل میں رہے اور مجھ تک نہ پہنچے۔ یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ نہ اشخاص باقی، نہ اسکے۔ کتاب فروشوں سے کہہ دوں گا، اگر مہری نظم و نثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آجائے گا تو وہ دل لے کر خدمت میں پہنچ دیا جائے گا۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت..... الخ

ایک دوست کے پاس بغیۃ النیب و الغارۃ (۲) میرا کچھ کلام موجود ہے، اس سے یہ غزل لکھ کر بھیج دوں گا۔

[دل میں ایک حکیم تھے، ان کا نصر اللہ خان نام تھا۔ وہ مر گئے اس نام کا کوئی وکیل عدالت دیوانی میں بھی گئے نہیں۔ مگر کیسا ڈیرہ پور، کیسا کان پور۔ اب میں کس سے پوچھتا ہوں کہ نصر اللہ خان کے ہم آشنا ہو یا نہیں؟ جب حضرت کو ان کا مسکن مع عہدہ معلوم ہے، تو پھر ان کے احباب کو کیوں ڈھونڈتے ہو؟

غزلیں اصلاح کے بعد پہنچتی ہیں۔

نجات کا طالب، غالب

”تنگے پاؤں، واو کے ضمے کو اشباع کیسا؟ یہ تو ترجمہ ”پایم“ کا ہے (یعنی پالتن ہے) اور پھر پاؤں کی یہ املا غلط ”پاؤں، “ ”گنڈو، “ ”چھانڈو، “

”گھنسیٹے گا، نوں کیسا؟ “ گھنسیٹے گا، اس کی املا یوں ہے (۳)

۲۲۔ فروری ۱۸۶۱ء

(۱) جو ان کے حوالے کیے گئے تھے کہ زبانی کہہ دیں۔

(۲) یعنی لوٹ سے بچا ہوا کلام۔

(۳) اس مکتوب کی جو عبارت قوسین میں ہے، وہ منشی مہیشی پرشاد نے اصل خط سے مقابلے کے بعد شامل مکتوب کی۔ بیشتر وہ نقل و کتابت میں حادث ہو گئی تھی۔



(۷)

جناب قاضی صاحب کو ہندگی پہنچے۔

غایت نامہ کئے ورود نے شادمان کیا، مگر امور مہمہ جو نگارن اور  
تھے، انہوں نے حیران کیا۔ ایہام کی توضیح اور اجال کی تفصیل کا مشتاق  
ہوں۔ آئوں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا؟ اہدا کو دوام کیا ضرور  
ہے خصوصاً جبکہ ہذاں خود حادث ہو؟ حضرت آپ کے سال مر جبکہ  
آم کم ہے اور جو کچھ ہے وہ خشک اور غم مزہ ہے۔ آم کہاں سے  
ہو؟ نہ سپاوت، نہ برسات۔ دریا پایاب ہو گئے، کنویں سوکھ گئے۔  
انہار میں طراوت کہاں سے ہو؟ جناب اس کا خیال نہ فرماویں۔ اپنے کسٹ  
کو غلط کردوں گا (۱)، بریکال آہندہ تک جیوں گا۔ آپ کے موہنی آم  
کہاؤں گا۔

جواب کا طالب غالب

جون ۱۸۶۱ء

(۸)

.....سلامت،

یہ عہدہ (۲) آپ کو مبارک ہو اور عجب کو اسی طرح عبدالصوری کے  
منصب کی مبارکباد لکھنی نصیب ہو۔ غزلیں دیکھ کر پہچنا ہوں۔  
اب کے اصلاح کی حاجت کم پڑی۔

”بردہ“ ”رفدہ“ یہ جتنے الفاظ ہیں ان میں ہائے لغتانی نہیں  
لکھتے۔ پس وہی ہائے انہائی حرکت رہتی ہے۔ پس اگر وہ ساکن  
ہے تو تو ”رفدہ“، ”بردہ“ اس صورت پر رہے گی اور اگر اس کو حرکت

(۱) مطلب یہ کہ اپنی موت کے متعلق جو ہتھکڑی پر بنائے کسٹ کر  
رکھی ہے، اسے غلط ثابت کردوں گا۔ آہندہ سال تک جیوں گا اور آپ کے  
عطا کردہ آم کہاؤں گا۔

(۲) اس سے مراد عہدہ قضا ہے۔ جس پر حکومت نے قاضی عبدالجلیل کو  
مقرر کیا تھا۔



لازم آئے ہو علامت حرکت حمزہ لکھ دیا جائے گا۔ ”زائد“، ”آئندہ“، اور ان معنوں کے سب صیغوں کا یہی حال ہے۔

ہاں کا سر کاٹ ڈالا، وجہ یہ ہے کہ پہلے تو میں ”ہاں“ کا نوں ہے اصلاں بروز ”آئی“، پسند نہیں کرنا (۱)۔

## (۹)

جناب مخدوم و مکرم کو میری ہدی،

مقدم نامہ مراومہ“ ۱۔- مندر میں نے پایا۔ حضرت کے سلامت حال پر خدا کا شکر بجا لایا۔ کوئی محکمہ مخلف میں آئے کوئی کالو مثلاً لٹ جائے، آپ کا عہدہ آپ کو مبارکہ، آپ کا دولت خانہ سلامت۔ ہاں وہ جو اپنے ان اعمال کا اس محکمہ میں وکیل ہونے کا آپ کو کھٹکا ہے، البتہ بجا ہے۔ جب آپ ظاہر کر چکے ہیں تو اس کا اندیشہ کیا ہے؟ حاکم مسجد نے گا۔ وہ وکیل ہیں، محکمہ تصفیٰ میں نہ رہیں گے، محکمہ صدر امین و سٹن جج میں کام کریں گے۔

میں نہ مدرس ہوں، نہ ریجور ہوں، زائد بدسور ہوں، دیکھیے، کب ہلائے ہیں؟ (۲) اور جب تک جتنا رہوں اور کیا دکھائے ہیں؟ والسلام بالوفاء الاحترام ۳۔

یکشنبہ ۲۹۔ متعبر ۱۸۶۱ ع۔ نجات کا طالب، طالب

## (۱۰)

ارشد ہدی برسد۔ حضرت، یہ عزل قطعہ بند ہے۔ اس خطاب مطلع میں جاھے مطلع دو دو لکھنے پہ ایجاد ریختہ والوں کا ہے۔ جناب مولوی اسام الدین صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔

(۱) دوسری وجہ خط میں درج نہیں۔ مکتبی میں یہاں برشاد نے لکھا ہے کہ ”اصل خط کا جو اُوروں والا، اس پر اسی ہی عبارت ہے“، (محفوظ غالب ص ۱۱۹ حاشیہ)۔

(۲) یعنی کب موت کا بلاوا آتا ہے۔



(۱۱)

”اے مشفق من،“ (۱) نا مربوط اور قبیح ، نکمال باہر۔ اس شعر کو دور کرو۔ اگر کوئی اور شعر ہاں نہ آئے اور اسی کو رکھنا چاہو تو یوں رکھو :

گالیاں دیتے ہو کیوں مشفق من ، خیر تو ہے :

(۱۲)

آداب عرض کرتا ہوں اور چاروں غزلیں دیکھ کر ، جابجا حک و اصلاح کر کر رہی ہوں۔

(۱۳)

”خستہ کام،“ اور ”افدیشہ کام،“ دونوں لفظ نکمال سے باہر ہیں۔ ہاں ”ناکام،“ اور ”نامن کام،“ اور ”دوست کام،“ لکھتے ہیں اور ”تشنہ کام،“ ترکیب ہے۔ ”کام،“ بد معنی ”نالود،“ کے ہے نہ بد معنی ”مقصود،“ و ”مدعا،“ کاخذ لفظ ہے۔ اس طرح لیتا کیجیے کہ کہنے کی جگہ باقی رہے۔

(۱۴)

”تڑپنا،“ ترجمہ ”تپیدن،“ کا ، املا یوں ہے ، نہ ”تڑپنا،“ ہائے فارسی اور نوں کے درمیان ہائے مخلوط التلفظ ضرور ہے۔  
معتوق کو ”صاحب،“ لکھنا چاہیے نہ کہ ”حضرت،“ اور جو اب تک دو

---

(۱) مطلب یہ کہ شعر میں محبوب کو ”مشفق من،“ کہہ کر خطاب کرتا مناسب نہیں۔ جنوں کا شعر تھا :

باعث ترک تکلف نہیں کہتا مجھ کو

گالیاں دیتے ہو اے مشفق من ، خیر تو ہے

میرزا نے ”اے،“ کی جگہ ”کیوں،“ بنا دیا۔ لیکن جنوں نے یہ شعر کاٹ دیا۔



جگہ اصلاح ہے ، اس کی توضیح کی حاجت نہیں۔ فارسی غزل ، خیر اگر آپ کا جی چاہے تو دیکھیں۔ جس طرح اس میں کہیں سقم نہیں ، اسی طرح لطف بھی نہیں ۔

(۱۵)

”زبرون خانہ“ کا لطف خلاصہ روزمرہ۔ علاوہ اس سے یہ احوال ہوتا ہے کہ خود اس شخص کے گھر میں دخل غیر ہے (۱)۔

(۱۶)

جناب مولوی صاحب ،

آپ کے دونوں خط پہنچے۔ میں زندہ ہوں ، لیکن اہم مردہ۔ آٹھ ماہ بڑا رہتا ہوں۔ اصل صاحب فرائض میں ہوں۔ بیس دن سے باؤل پر دم

(۱) یہ ایک فارسی غزل کی اصلاح کے سلسلے کی عبارت ہے، لیکن اس غزل میں کوئی شعر ایسا نہیں جس میں ”زبرون خانہ“ استعمال کیا گیا ہو۔ اس کے ایک مصرعے میں اصلاح دی ہے۔ جنوں کا شعر یوں تھا :

در شب وصل از من دلدادہ مے گوید بہ ناز

کز بے بو صد دل دیوانہ مضطر کردہ ام

میرا ہے جلا مصرع یوں بنا دیا :

”ہا من دلدادہ مے گوید بوصل از روئے ناز،

جانبے میں لکھا ہے :

دیں جا ”از من گفتن“، غلط است۔ اس خود معنی دیگر دارد

اس جا مولف ”ہا من گفتن“ است۔ ”از من گوید“، یعنی میرا

حال کہتا ہے، ”ہا من گوید“، یعنی مجھ سے کہتا ہے۔

غالب



ہو گیا ہے۔ کف یا وشت یا جے نوب گزر کر پٹلی تک آتا ہے (۱)۔  
 ہے۔ جوئے میں باؤل ہاتا نہیں۔ بول و براز کے واسطے الٹنا دشوار۔ یہ  
 سب باتیں ایک طرف، درذخل روح (۲) ہے۔ ۱۲۷۷ ہجری میں میرا نہ  
 مرنا، صرف میری تکذیب کے واسطے تھا (۳) مگر اس بین برس میں ہر روز  
 مرگ نو کا مزہ چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی  
 نہیں، پھر میں کیوں جینا ہوں؟ روح میری اب جسم میں اس طرح  
 گھبراتی ہے۔ جس طرح طائر فقس میں۔

کوئی نعل، کوئی اختلاط، کوئی جلسہ، کوئی مجمع پسند نہیں۔ کتاب  
 سے نفرت، شعر سے نفرت، جسم سے نفرت، روح سے نفرت۔ یہ جو لکھا ہے،  
 بے مبالغہ اور بیان واقع ہے:

خرم آن روز کز بی منزل ویران بروم

ایسے غمضے میں اگر تحریر جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں۔

صبح جمعہ یکم محرم ۱۲۸۰ مطابق ۱۹- جون ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب، غالب

(۱) سوچن، ورم۔ (۲) ورم کو خلل کر دینے والا۔

(۳) بوجہ جہاں کے ہر لطف ہونے پر غور فرمائیے۔ پہلے بیسگوئی کی کہ  
 ۱۲۷۷ء میں مر جاؤں گا اور تاریخ بھی کہہ لی۔ پھر فرمایا یہ بیسگوئی  
 از روئے عہد نہیں بلکہ از روئے کسف ہے۔ جب یہ پوری نہ ہوئی تو  
 کہا دھلی میں وبا پھیل گئی بھی مرگ عام میں مرنا میرے لئے  
 کسر جان کا باعث تھا۔ اب فرمائیے ہیں کہ وہ بیسگوئی اس وجہ سے  
 غلط ثابت ہوئی کہ میری تکذیب ہو۔ موت کا وب اور مقام معلوم  
 نہیں۔ میں نے جو غیر مناسب دعویٰ کیا تھا، اس کا جھوٹ سب پر  
 ظاہر ہو جائے۔



(۱۷)

جناب قاضی صاحب کو میری ہندگی،

مکرمی مولوی غلام غوث خان صاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے (۱)۔ اب میں تندرست ہوں۔ برس دن صاحب فرائض رہا ہوں۔ ستر برس کی عمر، جتنا خون بدن میں تھا، بے مبالغہ آدھا اس میں سے نیپ ہو کر نکل گیا۔ سن بھر کمپاں جواب پھر تولید دم صانع ہو؟ پھر حال زندہ ہوں اور ناتواں اور آپ کی برستی عاے دوستانہ کا ممنون احسان۔ والسلام مع الاکرام ۱۲

دو شنبہ ۱۸۔ جہادی الثانی ۱۳۸۰ھ  
مطابق سی ام نومبر ۱۸۶۳ء

(۱۸)

قبلہ،

مجھے کیوں شرمندہ کیا؟ میں تنا و دعا کے قابل نہیں، مگر اچھوں کا شیوہ ہے یوں کو اچھا کہنا۔ اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجا لاتا ہوں (۲) ۱۲

شنبه ۱۵۔ دسمبر ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب، غالب

(۱) سیاق مکتوب سے ظاہر ہے، مکتوب الہ نے منشی غلام غوث خان بے خبر سے سنا کہ میرزا اب اچھے ہیں اور وہی بات میرزا کو لکھ بھیجی۔

(۲) بظاہر مکتوب الہ نے کوئی قطعہ یا قصیدہ میرزا کی مدح میں بھیجا تھا۔



جناب فاضل صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی ،

اگر مجھے قوتِ ناظمہ (۱) برنصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ جو میں شایستہ مدح نہیں تو یہ شایستہ راجع آپ کی طرف ہوگی۔ گویا یہ قصیدہ آپ ہی کی مدح میں ہے۔ میں اب رنجور نہیں ، تندرست ہوں ، مگر بوڑھا ہوں۔ جو کچھ طاعت باقی رہی ، وہ اس ابتلا میں زائل ہو گئی۔ اب ایک جسم کے روح متحرک ہوں :

بکے مردہ شخص بمردی روان

اس مہینے یعنی رجب ۱۲۸۰ھ سے شروعات برس شروع اور انعام و آلام کا شروع (۲) ہے۔ لا موجود الا اللہ ولا مؤثر فی الوجود الا اللہ ۱۲

ہست و ہستم رجب ۱۲۸۰ھ

نجات کا طالب غالب

ہفتم جنوری ۱۸۹۳ھ

(۱) عام مطبوعہ نسخوں میں توت ناظمہ ہے ، "خطوط غالب"۔ مرتبہ مہینیں برسات میں "قوت ناظمہ" ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ عرض کرنا مشکل ہے کہ آیا یہ تحریر اس قصیدے کے سلسلے میں ہے ، جس کا شکریہ مکتوب ۱۸ میں ادا کیا گیا تھا یا کسی نئے قصیدے کے جواب میں یہ سب کچھ لکھا گیا ہے۔

(۲) یہاں "مودِ ہندی" میں غالباً کتاب کو لفظ "شیوع" صحیح میں نہ آیا۔ اور اس نے "آغار" بنا دیا پھر یہی چھپا رہا ، منشی مہینیں برسات نے دونوں جگہ "شروع" رکھا۔ مگر ظاہر ہے کہ میرزا نے کہیں درجے "شروع" استعمال کر سکتے تھے اور نہ شروع کے بد یہی قائلے شیوع کو نظر انداز فرما سکتے تھے۔ لہذا یہاں ان کے خطوط میں یہی طور پر "شیوع" ہوا ، بقول میرزا غالب جہاں کو توفیق الہی معجبہ لپا کس بنا پر جائز ہے ؟



(۲۰)

مہ سوال کو کیا دیکھتے جنوں غمگین  
خنجر ناز نہیں، ابرو سے خمدار نہیں

پیر و مرشد :

مہ سوال کو خنجر و شمشیر سے کیا علامہ (۱) ؟ ہلال و مہمان دیکھ کر  
لتوار کو دیکھتے ہیں اور ہلال نرال دیکھ کر سبز کبڑا مسافہ کرتے  
ہیں۔ انعام بہت ہیں، ان میں سے کسی کو دیکھ کر مقطع کر دیجئے۔  
عقلم فروری ۱۸۶۶ء غلاب

(۲۱)

غزل سراسر ہموار و ذوق انگیز ہے۔ ایک شعر میں ایک لفظ  
بتایا گیا (م) ، ایک شعر کا پہلا مصرع بدل دیا گیا (م)۔

(۱) میرزا نے جنوں کا یہ شعر کاٹ دیا تھا۔ کائنات کا سبب اس مکتوب میں  
واضح فرمایا۔

(۲) جنوں کی غزل کا تیسرا شعر تھا۔

دل لگا کر دل کہیں لگتا نہیں

عشق بھی یا رب کوئی آزار ہے

میرزا نے دوسرا مصرع یوں بنا دیا تھا :

عشق یا رب کیا کوئی آزار ہے ؟

(۳) جنوں کی غزل کا آٹھواں شعر تھا :

وصل کیا بوسہ نہیں ملتا غمیں

عشق مزدوری نہیں بہکار ہے

میرزا نے پہلا مصرع یوں بدل دیا :

بوسہ اس لب سے کہیں ملتا نہیں



مومن خاں کے اس مصرع میں تردد کیا ہے :

تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

”ہے“ یہ معنی ”ازہ“ نہیں ہے بلکہ یہ معنی ”مثلاً“ و ”مانندہ“ ہے،

یعنی ”چون تو دشمن اگر نہایت دھد بر آں چہ اعتبار؟“

وصل کے وعدے سے ہو دل شاد کیا

تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

یعنی اگر تم نے کہا کہ لو مبارک ہو، کل ہم آئیں گے

یا نبھیے بلائیں گے۔ ہم ایسے وعدے سے کیا خوش ہوں؟ تم جیسے دشمن

کی مبارک باد دینے سے کیا ہوتا ہے؟

طالب

۱۶۔ مارچ ۱۸۹۳ء

(۲۲)

سہسوان کے صاحب اگر ”قاطع برہان“ کا جواب لکھتے ہیں،

خدا ان کو توفیق دے کہ عبارت کے معنی سمجھ لیں، اب جواب لکھیں

والسلام (۱)

چهارم اپریل ۱۸۹۳ء

(۲۳)

حضرت سلامت،

میان قدرستافہ کا تردد بجا۔ ”پیش از صبح صادق“ نماز کیسی؟ یہ کاتب

اول کی خوبی اور قتل کرنے والوں کی غفات ہے۔ اصل فقرہ یہ ہے :

خود بدولت پیش از صبح صادق برخاستہ، بعد بانگ صلاوت، با جماعت

فضلاً نماز صبح ادا کردہ، یہ جو روکہ ”دوشن تشریف سے آورندہ۔“

حضرات نے ”یہ نفس نفیس“ بڑھا دیا اور ”برخاستہ“ کو یہ جبر اٹھا دیا۔

صبح صادق سے پہلے یعنی دو تین گھنٹی رات رہے اٹھتے اور ضروریات سے

(۱) کعبہ معلوم نہیں کہ یہ سہسوانی بزرگ کون تھے؟ یہ ہر حال کسی

سہسوانی کی طرف سے ”قاطع برہان“ کا جواب نہیں چہا۔



فراغت کرنے۔ وضو کے مراسم بجا لانے۔ جب مؤذن آذان دیتا ہے، چاعت کی نماز پڑھتے، رفع حوائج ضروریہ کو ”برخاستہ“ کے بعد مقدمہ چھوڑ جانا بلاشت ہے، یعنی اس وقت کے افعال بول و براز ہیں۔ ان کا ذکر مکروہ طبعی ہے اور یہ نسبت بادشاہ خصوصاً۔

اور یہ جو فقیر ”بہ نفس نفیس“ کو غلط کہتا ہے، یہاں ایک ذبیحہ ہے یعنی بیت کام ایسے ہیں کہ آدمی آپ بھی کر سکتا ہے اور خادم سے بھی لے سکتا ہے۔ مثلاً چلم پر آگ دھرتا یا ہایخانہ میں لوٹا لے جانا اور بیت کام ایسے بھی ہیں کہ ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرا نیا تہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً حقہ پینا یا ہایخانہ جانا۔ دونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس افعال مشترکہ میں ”بہ نفس نفیس“ لکھ سکتے ہیں اور افعال مخصوصہ میں ”بہ نفس نفیس“ کی قید لغو اور بوج اور مہمل ہے (۱)۔

میں کروں کیا؟ فی الحال دودمان معنی کا وہ حال ہے، جو ہندوستان کا غدار کے بعد ہو گیا۔ جہلا جانتے نہیں، علما اعتنا نہیں کرتے۔ چھاپے کو تولیع الہی سمجھتے ہیں۔ نسخہ مطبوعہ میں غلطی کا احتمال جائز نہیں رکھتے۔ کاپی نویس کے جرم میں مصنف بیچارہ مایخوذ ہوتا ہے۔ (۲) ۸ مئی ۱۸۶۷ء داد کا طالب، غالب

(۱) معنی اسی ہی کر کہتے ہیں کہ ایک ایک لفظ کی معنویت اور اس کے محل و موقع کی بوری دنیا نظر کے سامنے ہے۔ ”بہ نفس نفیس“ ویسے بھی بے محل تھا اور اس لیے بھی بے محل ٹھہرا کہ جن افعال کے موقع پر استعمال ہوا، ان کا تعلق بادشاہ کی ذات سے تھا اور ذاتی افعال میں جو کسی نوع کا اشتراک قبول نہیں کرتے ”بہ نفس نفیس“ کی قید حشو نہیں۔ (۲) میرزا غالب کی یہ فریاد بھی بالکل بجا ہے۔



نبیلہ ،

ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے۔ دس فلمیں اور  
ہیٹانک بھر سیاہی کپار کے چوالے کر دی ہے۔ خدا خیر کرے ہفتاب  
آپ کے پاس پہنچے۔ میں مریض نہیں ہوں ، بوڑھا ہوں اور ناتواں ، گویا  
نیم جان رہ گیا ہوں۔ ایک کم سنو برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین  
کا نہیں کیا۔ السوس ! هزار السوس ! ۱۲

سہ شنبہ ۲۸۔ جون ۱۸۶۴ء (۱) نجات کا طالب ، غالب

جناب عالی !

وہ غزل جو کپار لایا تھا ، وہاں پہنچی جہاں میں جانے والا ہوں ،  
یعنی عدم ، مدعا یہ کہ گم ہو گئی۔ ۱۲

گناہ میں مدعا براری کی  
تم نے غیروں کی شکستاری کی

تقدیم و تاخیر مصرعین کر کے رہنے دو۔ اس میں کوئی سقم نہیں۔  
”مدعا براری“، کایتھوں کا لفظ ہے۔ میں اس طرح کے الفاظ سے احتراز  
کرتا ہوں ، مگر چونکہ من حیث المعنی یہ لفظ صحیح ہے ، مضائقہ نہیں۔

قطرہ سے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا  
خط جام سے سراپا رشتہ گوہر ہوا

اس مطلع میں خیال ہے دقیق ، مگر کوہ کنڈن و کہ برآوردن ایسی لطف  
زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بتدر یک مژہ برہم زدن

(۱) اس مکتوب کا عکس ”تقوش“ کے تازہ خطوط نمبر ۱۱ میں چھپا ہے (ص ۷)  
مگر ابتدائی دو سطروں کا پورا عکس نہ آ سکا۔ صرف درمیان کے الفاظ  
آئے۔ اطراف کی عبارت نہ آ سکی۔



نہایت و قرار ہے۔ حیرت ازالہ حرکت کرتی ہے۔ قطرا سے افراط حیرت سے لپکنا  
 بھول گیا۔ برابر برابر یونہی جو تفہم کر رہ گئی تو پیالی کا خط بہ  
 صورت اس تارکے کے بن گیا ، جس میں موقیہ ہونے ہوں۔

لینا ، نہ اگر دل سمجھی دیتا ، کوئی دم چین  
 کرتا ، جو نہ مرنا کوئی دن ، آہ و فغان اور

یہ بہت لطیف تقدیر ہے۔ ”لینا“ کو ربط ہے ”چین“ ہے ، ”کرتا“،  
 مربوط ہے ، ”آہ و فغان“ ہے۔ عربی میں تعلید لفظی و معنوی دونوں  
 معیوب ہیں۔ فارسی میں تعلید معنوی عرب اور تعلید لفظی جائز ہے،  
 بلکہ فصیح و بلیغ۔ ربطہ تعلید ہے فارسی کی۔ حاصل معنی مصرعین یہ کہ  
 اگر دل سمجھی نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا، اگر نہ مرنا تو کوئی دن  
 اور آہ و فغان کرتا۔

ملنا تو اگر نہیں آسان تو سہل ہے  
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

یعنی اگر تیرا ملنا آسان نہیں تو یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ خیر تیرا  
 ملنا آسان نہیں ، نہ سہی ، نہ ہم مل سکیں گے ، نہ کوئی اور مل سکے گا ۔  
 مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں۔ جس سے  
 تو چاہتا ہے ، مل بھی سکتا ہے۔ ہجر کو تو ہم نے سہل سمجھ  
 لیا تھا ، ورنہ کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے ۔

حسن اور اس حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم  
 اپنے یہ اعتماد ہے ، غیر کو آزمائے کیوں

مولوی صاحب کیا لطیف معنی ہیں ، داد دینا ۔ حسن عارضی اور  
 حسن ظن ، دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں ، یعنی صورت اچھی ہے اور  
 گمان اس کا صحیح ہے ، کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو بہ نسبت  
 اپنے ہے کہ میرا مارا کبھی نہیں بچتا اور میرا تیر غمزہ خطا نہیں کرتا۔  
 پس جب اس کو اپنے اوپر ایسا بھروسہ ہے تو رقیب کا امتحان کیوں



کرمے؟ حسن ظن نے رقیب کی نرم رکھ لی، ورنہ یہاں معشوق نے معاملہ کھانا تھا۔ رقیب عاشق صادق نہ تھا، ہیناک آدمی تھا۔ اگر باپے امتحان درمیان آنا تو حقیقت کھل جاتی :

تجہ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم  
کہو سلام میرا اگر نامہ پر ملے

یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی، مگر کھٹکا یہ کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا اور اس نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی وضع دار اور معتد علیہ ہے۔ یہی ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر، اس کے ہاتھ خط بوجھا گیا۔ قضا را عاشق کا گانہ سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ (محبوب) کو دیکھ کر والد و شہینہ ہو گیا۔ کیسا خط، کیسا جواب۔ دیوانہ بن، کڑے بھاڑ جنگل کو جیل دیا۔ اب عاشق اس وقوعے کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ خیر دان تو خدا ہے، کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر؟ اے ندیم تجہ سے تو کچھ کلام نہیں، لیکن اگر نامہ پر کہیں مل جائے تو اوس کو میرا سلام کہو کہ کیوں صاحب، تم کیا کیا دعویٰ عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا؟

کوئی دن گر زندگی اور ہے  
اٹے ہیں میں ہم نے نہالی اور ہے

اس میں کوئی اشکال نہیں۔ جو لفظ ہیں وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا؟ مبہم کہتا ہے کہ کچھ کروں گا۔ خدا جائے شہر میں یا نواح شہر میں فکیر بنا کر فقیر ہو کر یثوب رہے یا دیس چھوڑ پر دیس چلا جائے۔

۲۴۔ اگست ۱۸۶۶ء



نواب صاحب کا ولیفہ خوار، گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہیت کے واسطے رام پور آیا، میں کہاں اور بریلی کہاں۔ ۱۳۔ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر دہلی کو جاؤں گا۔ نمائش گلہ بریلی کی میر کہاں اور میں کہاں! خود اس نمائش گلہ کی میر ہے جس کو دنیا کہتے ہیں، دل پور گیا۔ اب عالم بے رنگی کا مشتاق ہوں (۱)۔ لا الہ الا اللہ، لا موجود الا اللہ، لا مؤثر فی الوجود الا اللہ۔

شعبہ ۷۔ نومبر ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب، طالب

## (۲۷)

آداب بھا لاتا ہوں۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ خیریں دیکھی گئیں۔ فقیر کا فاعلہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اہتمام و اشراط دیکھتا ہوں تو رنج کر دیتا ہوں اور اگر ستم ہے خالی پانا ہوں تو تعریف نہیں کرتا۔ پس ستم کھا کر کہتا ہوں کہ ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی گنجائش نہیں۔

(۱) میرزا غالب دوسری مرتبہ رام پور گئے تو جنوں نے بریلی آنے کی دعوت دی تھی۔ اور لکھا تھا کہ یہاں نمائش ہو رہی ہے۔ اس کی بجائے میر کیجیے۔ یہ خط اسی دعوت کے جواب میں ہے۔ جنوں نے اپنے خط کے ساتھ پانچ قطعات تاریخ بھیجے تھے۔ نیز ایک مصرع تاریخ اختتام طبع دستنبو کا تھا یعنی :

”طبع دستنبوہ دانش شہد“

اس مصرع سے ۱۲۸۲ھ نکلتے ہیں یعنی ۱۸۶۵ء۔ یہ دستنبو کی طبع دوم کی تاریخ ہے۔ دوسری مرتبہ یہ کتاب بریلی میں چھپی تھی اور قاضی عبدالجمیل نے اپنے اہتمام میں چھپوائی تھی۔



سبحان اللہ! سر آغاز فصل میں ایسے ٹہرے ہیں جس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ میمت و شادمانی ہے۔ یہ ٹہر رب النوع اٹھارہ۔ اس کی تعریف کیا کروں؟ کلام اس باب میں کیا چاہتا ہوں کہ وہیں یاد رہا اور اعتدا کا آپ کو خیال آیا۔ پروردگار ہائیں ہمہ رواں ہروری و کرم گستری و یاد آوری سلامت رکھئے۔ جمعہ کے دن ۸۔ جون کو دوپہر کے وقت کنہار پہنچا، اسی وقت خط کا جواب لے کر اور آم کے دو ٹوکریے دے کر روانہ ہو گیا۔ یہاں ہے اسی کو حسب الحکم کچھ نہیں دیا گیا۔ خاطر خاطر جمع رہے۔

(جون ۱۸۶۶ء) خوشنودی کا طالب، غالب

غزل کے پہنچنے میں دیر لگی۔ قصور معاف ہو۔ جو سرے عزیز برقی میں وارد ہیں اور ان سے آپ ملتے ہیں، ان کا نام آپ لکھیں تو کمال میرانی ہو۔

غالب

جناب مولوی صاحب کو فقیر السلفہ کا سلام، میرزا محمد رضا بیگ ماموں (ماموں) میرزا علی جان کے دوست اور میرزا حنف بیگ کے بیٹے اور میرے بھتیجے ہیں۔ میرزا وقار علی بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ ہے بوجھا چاہیے کہ میرزا علی جان بیگ مرحوم رئیس آگرہ ان کے کون ہوتے تھے اور میرزا محمد علی بیگ جو لارڈ الن برا پندر کے زمانے میں دل کے متصف ہوتے تھے، وہ میرزا وقار علی بیگ کے کون تھے؟ میں نے ان صاحبان کو دیکھا نہیں۔ محمد علی بیگ کو دیکھا ہے۔ وہ ماموں میرزا علی جان بیگ مرحوم کے نواسے اور میرے بھائی ہوتے تھے۔ بس اگر



اکسٹرا اسسٹنٹ پادری محمد علی بیگ کے بھائی ہیں تو وہ بھی میرے بھائی ہیں۔  
 چار شبہ یکم اکتوبر ۱۸۶۶ء  
 غالب

### اصلاحات و افادات

سید وزیر الحسن صاحب عابدی نے اپنے پیش بہا ذخیرۂ نوادر میں ہے  
 قاضی عبدالجلیل جنون کے نام میرزا غالب کے بعض خطوط نقوش،  
 کے تازہ خطوط بھر میں چھاپ دیے۔ ساتھ ہی اشعار کا ایک مجموعہ  
 شائع کر دیا، جن پر میرزا کی اصلاحات تھیں اور کہیں وجوہ اصلاح بھی  
 لکھ دی تھیں۔ ان میں سے کچھ چیزیں خطوط کے سلسلے میں نقل ہو چکی  
 ہیں۔ ماقی ضروری اصلاحات و افادات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

میرے اندازے کے مطابق شائع شدہ اردو اشعار دو سو دس اور فارسی  
 اشعار چوں ہیں۔ جن میں قطعات تاریخ بھی شامل ہیں :  
 شعر جنون :

غیر سے سرگوشیاں ہوتی ہیں، اور  
 میرے تالوں کی بھی شنوائی نہیں

شعر کاٹ دیا۔ لکھا :

”شنوائی،“ بہ فتحہ نوں ہے، بہ سکونی توں وکلائے عدالت کی  
 بولی ہے۔

شعر جنون :

اے جنون صبح سے اوداس ہو تم  
 نہی مگر کسی سے ہمکناری رات

شعر کاٹ دیا اور تحریر فرمایا :

ہم کناری مرادف ہم آشوبی مسلم، لیکن مستعمل نہیں۔  
 ہمکنار بولتے ہیں ہمکناری نہیں بولتے، مقلع اور لکھو۔



شعر جنوں :

خانہ" دل تم نے کیوں ویراں کیا  
گر خیال رونق افزائی نہیں

میرزا فرمائے ہیں :

یہ شعر یہ معنی دیتا ہے کہ اگر تم کو اس میں آنا نہیں  
تو اس کو کہوں ویراں کرتے ہو؟ کیا آدمی جہاں جا کر رہا  
چاہتا ہے، پہلے اس گھر کو ویراں کر لیتا ہے یا یہ محل  
استفسار و استہمام کا ہے یعنی تم نے جو خانہ" دل کو اوجاڑ  
دیا کیا تم یہاں نہیں آیا چاہتے؟

شعر یوں بنا دیا :

خانہ" دل تم نے کیوں ویراں کیا؟  
کیا خیال رونق افزائی نہیں؟

شعر جنوں :

گرچہ روز قراق باں نہیں خوب  
لیک ہوئی ہے سخت بھاری رات  
میرزا نے "نہیں خوب"، کی جگہ "ہے گراں"، بنا دیا

شعر جنوں :

گرچہ رنجبوری ہجران کے گلے تھے دل میں  
سامنے اس مہم ایجاد کے بولا نہ گیا  
میرزا نے "رنجبوری"، کی جگہ "رنج و غم"، بنا دیا۔

شعر جنوں :

مرے نقصان نہ ہوئے عشق میں کیا کیا ظالم  
ہاتھ سے جاں گئی، دل بھی گیا، کیا کیا نہ گیا

میرزا نے دوسرا مصرع یوں بنا دیا :

دل گیا، جاں گئی، کیا کہوں کیا کیا نہ گیا



شعر جنوں :

خبر نہ تھی کہ عدو کا بھی ہے لگاؤ یہاں  
وگر نہ جان کو سم پر لدا نہ کرتے ہم

اصلاح میرزا :

خبر نہ تھی کہ عدو کا بھی ہے لگاؤ جنوں  
وگر نہ جان کو ان پر لدا نہ کرتے ہم

شعر جنوں :

فرقت ہار میں گزاری رات  
سے قراری میں لیک ساری رات

اصلاح میرزا :

سے قراری بھی لیک ساری رات

شعر جنوں :

ہے سر شام ہی ہے بھاری رات  
جانے کیوں کر کٹھے گی ساری رات

اصلاح میرزا :

ہائے کیوں کر کٹھے گی ساری رات

شعر جنوں :

بہا مرے ملنے میں بدنامی کا خوف  
غیر کے ملنے میں رسوائی نہیں

اصلاح میرزا :

”خوف“ کی جگہ ”ہذر“ بنا دیا

شعر جنوں :

دل لگانا ہے دل لگی نہیں کچھ  
اس نے جو کچھ کہی مجھے ہی بنی



اصلاح میرزا :

دل لکنا ہے ، دل لگی کیسی؟

شعر جنوں :

ہروں خانہ بڑے ہوں رہا نہ کرتے ہم

جو دخل غیر نہ ہوتا تو کیا نہ کرتے ہم

اصلاح میرزا :

”ہروں خانہ“ خلاف روزمرہ ، علاوہ اس سے یہ احوال ہوتا ہے ،

کہ مگر اس شخص کے گھر میں دخل غیر ہے ۔

”ہروں خانہ“ کی جگہ ”سمہارے در پہ“ بنا دیا ۔

شعر جنوں :

توے جان و دل سو پہلے ہی وہ بیشکین ہوئے

اب ہم کو بھانسنے ہے تری زلف رسا عبت

اصلاح میرزا : بھانسنے ہے اب ہمیں تری زلف رسا عبت

شعر جنوں :

حکیم واجد علی کی شادی کے قطعہ تاریخ کا پہلا شعر :

یارم آن واجد علی قرزانہ

اصلاح میرزا :

میرزا نے فرمایا : عین تقطیع میں سے جانا رہنا تھا اور جب تک

واجد علی کی تھائی مگسور نہ ہو، قرزانہ اس کی صفت نہیں پڑتی ۔

مصرع یوں بنا دیا :

دوست ، واجد علی قرزانہ

مصرع جنوں :

ہست بیت اللطف برخور السور

میرزا نے فرمایا : یہ لطف نہیں ، لطف سنا گیا ہے ۔ لولی خانے کو

بیت اللطف کہتے ہیں ۔



## محمد عبدالرزاق شاکر

مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق ان کا خاندان عربی الاصل تھا۔ پہلے غزنی میں رہا جہاں ان کے سلسلے کی خاتواں اب تک موجود ہے۔ پھر اس خاندان کے ایک بزرگ قاضی سنا الدین شاہان شرقی (جون ۱۹۰۳ء) کے عہد حکومت (۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۳ء) میں وارڈ ہند ہوئے۔ بعد میں اس کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک پھلواری شریف (پیار) جا بسی دوسری نے ممبلی شہر (ضلع جون پور، یوپی) میں توطن اختیار کیا۔ سید عبدالرزاق کا تعلق ممبلی شہر والی شاخ سے تھا۔ (نلامذہ غالب ۱۳۲)۔

سید عبدالرزاق کے والد سید عبدالوہاب نے بیٹے کو نہایت عمدہ تعلیم دلائی، چنانچہ عربی اور فارسی میں تحریر و تقریر پر یکساں قادر تھے۔ نیز انہیں اپنے نسب کے تحفظ کا بڑا اہتمام تھا۔ عراق، عرب اور افغانستان آدمی بھیج کر نسب کی تحقیق کرائی تھی۔ جب ثابت ہو گیا کہ وہ حضرت جعفر طیار رحمہ اور حضرت زینب رحمہ (بنت حضرت علی رحمہ) کی اولاد میں سے ہیں، اپنے آپ کو ”جعفری الحدیثی“، جعفری الزہبی لکھنے لگے۔

سید عبدالرزاق نے ابتدا میں وکالت کا امتحان دیا اور وکالت شروع بھی کی۔ چنانچہ میرزا غالب نے ایک خط میں انہیں ”الشرف الوکلاء“ کہہ کر خطاب کیا۔ پھر سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے منصف، پھر سب جج اور آخر میں عدالت خلیفہ کی ججی پر مامور ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں ملازمت سے سبک دوش ہو کر علی گڑھ میں رہنے لگے۔ اسی (۸۰) برس کی



عمر ہاکر جون ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا ، اس وقت وہ بھولی شہر گئے ہوئے تھے ۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے ۔ بڑے سید منی ، جو سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے تھے اور نو برس ریاست جے پور میں وزیر مال رہے ۔ (وفات ۱۹۳۲ء) دوسرے سید علی نقی ایلووکیٹ علی گڑھ ، نیز علی گڑھ کالج میں قانون کے پروفیسر (وفات ۱۹۴۴ء) ، تیسرے فارسی اور اردو کے مشہور شہر سید محمد ہادی بھولی شہری ۔

جو خطوط ان کے نام سے چھپے ان میں کسی پر تاریخ درج نہیں حالانکہ میرزا تاریخ ضرور لکھتے تھے ۔ غالب نے تاریخیں حذف کر دی گئی ہوں ۔ لیکن یہ سب ۱۸۶۰ء کے بعد کے ہیں اور بعض خطوں کی تاریخیں بہ آسانی معین کی جاسکتی ہیں ۔ مثلاً خط ۳ غالباً ۱۸۶۴ء کا ہے ۔ اس لیے اس میں ”دافع ہذیان“ ، ”سوالات عبدالکریم“ اور ”العائف غریب“ کا ذکر ہے اور یہ رسالے ۱۸۶۴ء ہی میں چھپے ۔ خط ۷ یقینی طور پر اوائل اکتوبر ۱۸۶۵ء کا ہے ۔ جب غالب ، نواب کاب علی خاں مرحوم کے جشن جلوس میں شرکت کی غرض سے رام پور جانے والے تھے ۔ خط ۸ بلاشبہ رام پور سے لکھا گیا ، اس لیے کہ اس میں میرزا رحیم بیگ مؤلف ”سالم برہان“ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

”رسالہ اس کا ”سالم برہان“، دلی پہنچ کر ڈھولوں کا۔“

خط ۹ جنوری ۱۸۶۶ء کا ہے ۔ کیونکہ اس کے آغاز میں رام پور سے مراجعت کا ذکر ہے ۔ خط ۱۰ یکم اپریل ۱۸۶۶ء کا مرلومہ ہے ۔ اس میں صرف تاریخ درج ہے ، سال درج نہیں ، لیکن چونکہ آخر مکتوب میں ”درفش کاویانی“ کا ذکر ہے ، جو غالب کے ستر رام پور کے دوران میں چھپی تھی ، یعنی اواخر ۱۸۶۵ء میں ، لہذا حال کے تعین میں دقت نہیں ہو سکتی ۔



مخدوم مکرم ، مظہر لطف و کرم ، جناب مولوی صاحب اشرف الوکلاء ۔  
 درویش گوشہ نشین ، غالب حزیں کا سلام۔ آپ کے عنایت نامے کے ورود  
 سے میں آپ کا احسان مند ہوا اور دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ کیوں  
 حضرت ، آپ حیران ہوئے ہوں گے کہ یہ شخص اتنا فضول اور لدو  
 کیوں ہے ؟ خط کے پہنچنے سے اظہار منت پذیر ہی اگر گزاف نہیں تو کیا  
 ہے ؟ اب اس خوشی اور دعائیں دینے کی وجہ سنئے ، یعنی آپ کے سبب  
 میں نے اپنے والا برادر از جاں عزیز تر یہ دل نزدیک و از دیدہ دور ،  
 نا مہربان ، بخود منور ، میر قاسم دلی خاں (۱) کا رقعہ اپنے نام کا پایا۔  
 اللہ اللہ ، اگر آپ باعث نہ ہوتے تو یہائی صاحب کا ہے کو مجھ کو خط  
 لکھنے۔ انہیں سے پوچھیے کہ کہیں تم نے اسد کو خط لکھا ہے ؟  
 پس بعد اس توضیح کے آپ کی تحریر کا جواب لکھنا ہوں۔

آپ کا ، واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف ، موجب نازش  
 کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب  
 ہوتا ہے اس کو دستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ  
 لکھنا ہوں، اس کی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں ، تاکہ آئندہ صاحب  
 کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصباح رہے۔ مطلع کا یہ  
 مصرع :

سر خوش و سرشار و مستم بلی (۲)

لسان فارسی میں ”سرشار“ صفت ہے بیاہنے کی ، معنی لفظی اس کے لبریز ،  
 پس شاوہ (۳) کو لبریز کیوں کر کہیں گے ؟ اور یہ جو اردو

(۱) منشی نبی بخش حلیہ اور غالب کے عزیز دوست جو ، ولایت  
 مرتضیٰ حسین کے بیان کے مطابق آگرے اور ہائرس میں منصف رہے۔  
 پھر صدر امین ہو گئے تھے۔

(۲) فارسی میں کلمہ خوشی و شادمانی۔ (۳) یعنی والا۔



”ست و سوار“، مترادف المعنی استعمال میں آئے ہیں، امر جداگانہ ہے۔  
 فارسی میں کتج اردو کا ناچائز۔  
 ”زند عالم سوز“ شعراے عجم میں بمعنی ”زند بے نام و ننگ“ آیا ہے،  
 جیسا کہ استاد کہتا ہے :

زند عالم سوز را با مصلحت بھی چہ کار

حسن مطلع مست تھا۔ ”مے رسد پر باد“، الب ، ”پرنیشہ“، جہاں انسب ہے۔  
 ”از بعد چون خاک جستم“، الب ، خاک کو جستن سے کیا علاوہ ؟ ”قد  
 جان را مہر ہستم بلی“، تعقید معنوی ہے۔ ”طالب عہدالستم“، الب ، طالب  
 عہدالست۔۔۔ یعنی عہدالست کسی سے مانگتا ہے ؟ ”سر خوشی عہد الست“  
 بر محل و ہر موقع ۱۲

متوقع ہوں کہ میرا یہ رافعہ جو آپ کے نام کا ہے، جناب میر قاسم  
 علی خان صاحب کو بڑھا دیجیے گا اور اب جو اب مجھے خط لکھیں،  
 تو یہ بھی لکھیے گا کہ ہتوزوہ صدراہیں ہیں یا ترقی کی اور صدرا الصدور  
 ہو گئے اور اگر ترقی نہیں کی تو کیا وجہ؟ ۱۲۔

(۲)

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد عبدالرزاق صاحب شاکر کی  
 خدمت میں بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالی شان مولوی  
 مفتی اسد اللہ خان بہادر (۱) کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچائیے۔ میں تو  
 آپ سے عرض کرتا ہوں، مگر آپ مفتی صاحب سے کہیے کہ مجھ کو

(۱) مفتی اسد اللہ خان بہادر بن کریم علی الہ آبادی، پیدائش ۱۲۳۰ھ  
 ۱۸۱۵ء، مولانا فضل رسول ہدایوں کے شاگرد تھے۔ مولوی احمد علی  
 مصنف تذکرہ علما ہند نے ان سے مشکوٰۃ اور شرح عقائد نسفی وغیرہ  
 پڑھی تھیں۔ پہلے صدو عدالت آگرہ میں قاضی تھے، پھر جیل بورس  
 صدرا الصدور رہے۔ یکم جمادی الاول ۱۳۰۰ھ / ۱۱۔ مارچ ۱۸۸۳ء کو وہیں انتقال  
 ہوا اور محلہ جڑی ماروں میں دفن ہوئے، (دیکھیے تذکرہ علما ہند)۔



باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے۔ چہاے کے اجزا اٹھا کر میں نے آپ کے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی، جس کے دو شعر قطعہ بند ہیں :

ارژندہ گوهرے چو من اندر زمانہ نیست خود را بخاک وہ گزر حیدر الکتم  
منصور فرقه علی اللہیان منم آوازہ ”اے اللہ“، در انکتم  
خدا کرے حضرت کو یہی یہ واقعہ یاد ہو۔ اتحاد اسمی (۱)، دلیل سورت روحانی ہے۔

اعلیٰ مکرم میر قاسم علی خاں کو سلام پہنچے۔ سال گزشتہ کی تعطیل کی طرح دل آکر مجھ سے بے ملے نہ چلے جائے گا۔

پھر حضرت مکتوب الہ سے کلام ہے۔ اشعار بعد حک و اصلاح کے پہنچتے ہیں۔ یہ راہ میری ارژش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز، فارسی میں خطوں کا لکھنا چلے ہے متروک ہے۔ ایرانی سری و ضعف کے مصلوں سے محنت پڑوہی و جگر کڑوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے :

مضحل ہو گئے قویا غالب  
وہ عناصر (م) میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں، سب کو، جن سے خط و کتابت رہتی ہے، اردو ہی میں نیاز ناسے لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور پہنچے تھے۔ ان میں جو صاحب الالان ذی حیات موجود ہیں، ان سے بھی عندالضرورت اسی زبان مروج میں مکاتیب و مراسلات کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ فارسی مکتوبوں، رسالوں، خطوں اور کتابوں کے مجموعے شہراؤہ بستہ، چہاہا ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے۔ حال کی خبروں کو کون فراہم کرنے جائے؟ جان کنی کے خیالات نے مجھ کو ان کی تقریر و تعلق

(۱) یعنی ہم نام ہونا۔ میرزا کا نام اے اللہ خاں تھا۔ اور مفتی صاحب کا بھی یہی نام تھا۔

(۲) مطبوعہ دیوان میں ”وہ“ کی جگہ ”اب“ ہے۔



و مارے دست بردار و آزاد و سبک دوش کر دیا۔ جو اثریں کہ مجموع و یکجا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں اور آئندہ ہوں، انہیں کو جناب احادیث جلت عظمہؑ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبائع ارباب فن فرمائے اور میں اب انتہائے عمر ناپائیدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور هجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہیے۔ نظم و نثر کے قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہے گا۔ بس امید وار ہوں کہ آپ انہیں نفور (۱) محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردو سے سادہ و سوسری کو تا امکن عنایت جان کر قبول فرمائے رہیں اور درویش دلریش و فروماندہ کشاکشی معاشی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ما سویل ہوس۔ ۱۲

تعلیق معلوم کو حضور خود جانتے ہوں گے۔ اس کی توضیح و تفصیل میں تفصیل حاصل و تطویل لا طائل کی صورت نظر آتی ہے، لہذا خامہ فرمائی بروئے کار نہیں آتی۔ ۱۲

### (۳)

حضرت! تین دوستوں نے "مؤلف محرق" (۳) پر جس کا نام "صاحب تب محرق" رکھا گیا ہے، جوتی پیرار کی ہے۔ ایک رسالہ جو موجود تھا، بھیجا جاتا ہے۔ وہ دو نسخے بھی اگر جیم پہنچ گئے تو بھجوا دوں گا۔ غزل بعد اصلاح کے بھیجی جاتی ہے۔ طرز قلم مبارک ہو۔ ۱۲

۲۱۸۶۳

### (۴)

حضرت! مطالب علمی و شعری کا لکھنا موقوف سوال پر ہے۔ جب

(۱) نذر کی جمع یعنی بیشکشی۔

(۲) "محرق" قاطع برہان، مرتبہ سید سعادت علی جوہر خاں کی "قاطع برہان" کے خلاف لکھی گئی تھی۔ یہ جامع احمدی واقع شاہدہ (دہلی) میں چھپی تھی۔



حضور کی طرف سے کوئی سوال آئے گا ، بقدر اپنے معلوم کے جواب لکھا جائے گا :

ہیں اپنے کتہ مزیل امید  
ایمان کہاں ہے ، ایک ڈر ہے

اس شعر میں قصہ اچھا ہے ، مگر بیان ناقص ہے ۔ مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف اصل ایمان نہیں ، رجا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں سے نکلتی نہیں ۔

(۵)

بیر و مرشد :

ایک شمع ہے دلیل سحر ، سو خاموش ہے

یہ خبر ہے ۔ پہلا مصرع :

ظلمت کدرے میں میرے شب غم کا جوش ہے

یہ میندا ہے ۔ شب غم کا جوش ، یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ۔ ظلمت غلیظ ، سحر نایب ۔ گویا خلق ہی نہیں ہوئی ۔ ہاں دلیل صبح کی بود پر ہے ، بجھی ہوئی شمع ، اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں ۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح لہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے ۔ پس دیکھا چاہیے ، جس گھر میں علامت صبح موند ظلمت ہوگی ، وہ گھر کتنا تاریک ہوگا ۔

مقابل ہے مقابل میرا رک گیا دیکھ روائی میری

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا ؟ نور و ظلمت ، شادی و غم ، راحت و رنج ، وجود و عدم ۔ مقابل اس مصرع میں یہ معنی مرجع ہے ، جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بلائ مستعمل ہے ۔ مفہوم شعر یہ کہ ہم اور دوست از روئے خوئے و عادت ضد ہمدگر ہیں ۔ وہ میری طبع کی روائی دیکھ کر رک گیا ۔



غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ آپ اپنی طرف سے اس کو استصلاح سمجھتے ہیں اور میں اس کو اپنی جانب سے استفادہ جانتا ہوں (۱)۔ والسلام ۱۲

(۶)

قدیر اسد اللہ نے اس کاغذ کے لفافے پر مرحلہ محمد عبدالرزاق جعفری الحیدری اور لکٹ پر شاہ کو دیکھ کر دیر تک غور کی کہ یہ دو صاحب ہیں ؟ بعد تامل یاد آیا کہ مولوی عبدالرزاق صاحب اسم شریف اور شاہ کو تخلص ہے۔ غور کیجئے کہ نسیان کا کیا عالم ہے ؟ واللہ اگر مجھ کو یاد ہو کہ سابق میں کوئی غزل آپ کی آئی ہے (۲)۔ یہ لفافہ لکھا ہوا یکم اگست سال حال کا، کل میں نے ڈاک سے پایا۔ آج غزل کو دیکھا۔ کل یہ لفافہ روانہ کروں گا۔

کوئی آتا نہیں آگے ترے ہنسا ہو کر  
آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

یہ مطلع دانشیں ہے مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہئے یا نہیں ؟

مردم چشم سیہ جب نظر آتا ہے ترا  
بٹہ جاتا ہے مرے دل میں سویدا ہو کر  
ہرمت سے کے لیے ہر مغاں کا ہے یہ حکم  
ویش قاضی کی رہے پتہ" مینا ہو کر

یہ شعر ے لطف ہو گیا کس واسطے کہ جب قاضی کی ویش کہی تو وہ ایہام ویش کہاں رہا ۱۲۔

(۱) یعنی آپ اسے اصلاح لینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود قائدہ آٹھا رہا ہوں۔

(۲) مطلب یہ کہ نام کے ساتھ "جعفری الحیدری" دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی اور عبدالرزاق ہیں جن کی کوئی غزل پہلے اصلاح کے لیے نہیں آئی۔



”کارگاہ ہستی میں“، الخ (۱)

داغ سامانِ مثلِ انجمِ اجمن ، وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و سامان ہو۔ موجودیت لالچے کی منحصر بمانش داغ پر ہے ، ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے ۱۲۔

بعد اس کے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کے دھت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا ہے ، دھان کو جوتے ، بونے ، پانی دینے میں مسعت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود محض رنج و غنا ہے۔ مزارع کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے ، وہی لالچے کی راحت کے خرمن کا برق ہے۔ حاصلِ موجودیت ، داغ اور داغ مخالفِ راحت اور صورتِ رنج۔

غنچہ نا شکفتہ (۲)..... الخ

کلی جب نئی نکلتی ، بصورتِ قلبِ صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے ”برگِ عافیت“ معلوم۔ یہاں معلوم بمعنی معدوم ہے اور برگِ عافیت بمعنی مایہ آرام :

برگِ عسلی بگورِ خویش فرست

برگ اور سرو برگ بمعنی ساز و سامان ہے۔ خوابِ کلی باعتبارِ خوشی و رجا ماندگی۔ پریشانی ظاہر ہے یعنی شکستگی۔ وہی پھول کی

(۱) پہلے شعر شاکر کے تھے، جن میں حکم و اصلاح ہوئی۔ پھر میرزا نے شاکر کے استفسار پر اپنے بعض شعروں کی شرح کی۔ پہلا شعر یہ ہے :

کارگاہِ ہستی میں ، لالہ داغِ سامان ہے  
برقِ خرمنِ راحت ، خونِ گرمِ دھان ہے

(۲) میرزا کا پورا شعر یوں ہے :

غنچہ نا شکفتہ ، برگِ عافیت معلوم  
ماوجود دلِ جمعی خوابِ کلی پریشان ہے



ہنگوڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصورت دل جمع ہے۔ باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشان نصیب ہے۔

ہم سے رنج (۱)..... الخ

بشت دست ، صورت عجز اور "خس بدلتاں و کاه بدلتاں گزشتہ" بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے بشت دست زمین پر رکھ دی اور شعلہ نے ٹٹکا دانتوں میں لیا ہو ، ہم سے رنج و اضطراب کا اصل کس طرح ہو ؟

قبلہ ، ابتدائے فکر سخن میں بیدل (۲) و اسیر (۳) و شوکت (۴) کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا :

طرز بیدل میں ریختہ لکھتا  
اسد اللہ خان قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب میرزا آقے نو اس دیوان کو دور کیا۔ اور اسی یک قلم چاک کئے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوان حال میں رہنے دئے (۹) ۱۲۔

پندرہ برس اصلاح نثری کی ضرورت تھی۔ آپ کی انسا کی یہ روش خاص ، دلچسپ اور لمبے عیب ہے اس وضع کو نہ چھوڑے اور جو میرا تنج اور عجز پر توجہ منظور ہو تو پنج آہنگ وغیرہ میری مصنفات کو سامعان

(۱) ہم سے رنج کے تاہی کس طرح اٹھایا جائے

داغ ، بشت دست عجز ، شعلہ خس بہ دلتاں ہے

(۲) میرزا عبدالقادر بیدل۔ (۳) میرزا جلال اسیر (۴) شوکت بخاری۔

(۵) کے شک میرزا نے وہ اور ان چاک کر دئے ہوں گئے، لیکن وہ مجموعہ تو بیہوش میں محفوظ رہ گیا اور "دیوان غالب" نسخہ حمیدیدہ کے نام سے چھپ گیا۔ جس پر ڈاکٹر عبدالرحمان مرحوم بینوری نے نہایت عمدہ مقدمہ لکھا۔ یہ بھی عرض کر دینا چاہیے کہ جو شعر بطور نمونہ مروجہ دیوان میں محفوظ رہے وہ "دس پندرہ" سے زیادہ ہیں۔



نظر و صریح ہمت ملاحظہ فرمائیے اور مشق پڑھائیے۔ چشم بد دور، طبیعت  
حضور کی نہایت عالی اور مناسب اس فن کے ہے۔ میں آپ کی رسائی ذہن  
اور قوت قلم سے امید فری رکھتا ہوں کہ عنقریب بہت خوب لکھنے لگا۔  
میرے اور تمام دوستوں کے فخر اور دشمنوں کے رشک ہو جائے گا اور  
ان هذا من برکۃ العلم یا مولانا وبالفضل والکمال اولانا۔ ۱۲

یکم اگست ۱۸۹۵ء

(۷)

قبلہ و کعبہ ،

قلمربا در رکاب ہے۔ سہ شنبہ ، چہار شنبہ ان دواؤں دنوں میں سے ایک  
دن عازم رام پور ہوگا۔ تقریب وہاں کے جانے کی رئیس مرحوم (۱)  
کی تعزیت اور رئیس حال (۲) کی تہنیت۔ دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا۔ اب  
جو کوئی خط آپ بھیجیں تو رام پور بھیجیں۔ مکان کا پتا لکھنا ضرور  
نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے۔

خمس بعد اصلاح بھیجا جاتا ہے۔ حلی نو یہ ہے کہ شعر آپ کہنے  
میں اور خط میں اٹھاتا ہوں۔ حسن اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت  
دوست محکمہ ، ہارونا شعار ، علامہ روزگار ، حکیم العلماء المبحرین مولوی  
مفتی عبداللہ خان صاحب بہادر صدرالصدور دہلی المتخلص بہ آرزوہ  
دام بقاء ، و زاد علاء ، کہ مجھ سے ملتے ہم حالتے پر تشریف لائے  
ہوئے موجود تھے ، خمسے کو دیکھ کر ہستہ فرمایا۔ حضور کی بلاغت کی  
تحسین کی۔ عربی مصرعوں کے میرے ساتھ شریک غالب ہو کر مزے لوٹے  
اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں تا دیر عذب الیوان و وطب اللسان

(۱) نواب یوسف علی خان مرحوم نانلم ، جن کا انتقال اپریل ۱۸۹۵ء  
میں ہوا۔

(۲) نواب کلب علی خان بہادر نواب جو والد کی وفات کے بعد فرمانروائے  
رام پور ہوئے۔



رہے اور مجھ سے بالدر میرے معلوم و بیان کے آپ کی صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خرمندہ ہوئے ۔ مبارک ہو ۔ نادیدہ و غائبانہ یعنی محض مشتاقانہ ، کمالے ملاقات بہ عجز و نیاز لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں ، لہذا میں لکھتا ہوں ، قبول فرمائیے گا ۲۔

اکتوبر ۱۸۹۵ء

(۸)

قبیلہ ،

پہلے معنی آیات کے سنیے :

”نقش فریادی (۱).....“ الخ

ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کٹڑے پن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے ، جیسے مشعل دن کو جلاتا یا خون آلودہ کپڑا ہاتس پر لٹکا کر لے جاتا ۔ اس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کسی کی شوخی تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے ، اس کا پیرہن کاغذی ہے ؟ یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو ، موجب رنج و ملال و آزار ہے ۔

”شوق ہر رنگ (۲).....“ الخ

”رقیب“ بمعنی ”مخالف“ یعنی شوق سر و سامان کا دشمن ہے ۔ دلیل یہ ہے کہ قیس جو زندگی میں ننگا تھا ، تصویر کے پردے میں بھی لنگاہی رہا ۔ لطف یہ ہے کہ مجنوں کی تصویر با تن عریاں تھی کھینچی ہے ، جہاں کھینچی ہے ۔

(۱) نقش فریادی ہے کسی کی شوخی تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

(۲) شوق ہر رنگ رقیب سر و سامان نکلا

قیس تصویر کے پردے میں عریاں نکلا



یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نئی نکالی ہے ، جیسا کہ اس شعر میں :

”ہیں ذریعہ“ راحت جبراحت یہاں

وہ زخم تلخ ہے جس کو کہ دلکش کہتے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق ما کھل جانے کے۔ ”زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی، یعنی زائل نہ کیا تنگی کو۔“ ”بر افشاں،“ یعنی بے تاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال ہے۔ معنی یہ کہ تیر تنگی دل کی داد کیا دیتا ؟ وہ تو خود ضیق (م) مقام سے کھبرا کر ہر افشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔ نامہ“ غالب (م) کا مکتوب الیہ رحیم بیگ غامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے کتاب پڑھ نہیں سکتا ، سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا ، لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اس کے ہم وطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ فوت علمی بھی نہیں رکھتا۔ اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ نہیں ہے ، اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وائے اس عیج و ہرج پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو۔ رسالہ اس کا ”سالم برہان،“ دل پہنچ کر ڈھونڈوں گا (م) ، اگر مل گیا تو خدمت میں پہنچے گا۔

(۱) زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی بارب

تیر بھی سینہ“ بسمل سے بر افشاں نکلا

(م) تنگی۔

(م) وہ طویل مکتوب جو میرزا نے میرزا رحیم بیگ موقوف ”سالم برہان،“ کو اردو میں لکھا تھا اور اس میں رحیم بیگ کی کتاب کے بعض مطالب پر گفتگو کی تھی۔

(م) ظاہر ہے کہ یہ خط رام پور سے لکھا گیا، جہاں میرزا صاحب نواب کلب علی خاں کے جشن جلوس میں شرکت کے لیے گئے تھے۔



جناب مستطاب میر قاسم علی خان صاحب صادق القول ہیں۔ میرے گھر آئے ہوں گے ، دروازہ بند پایا ہوگا۔ مگر ایک خشتہ ہے کہ حضرت میں اور میرے بھائی میرزا علی بخش خان میں بہت ربط و اتحاد تھا اور وہ مرحوم ، خدائیش یا مرزا ، کذب و گزاف میں ضرب المثل تھا۔ اس تصور ہے اگر میں اس جملے کے معج جاننے میں ناسل کروں تو میرا تامل ہے جا نہ ہوگا۔ یہ ہر حال ان کو میرا سلام کہیے گا ۱۰

”سیلاب جی“، ایک لفظ ہے ہندیان قاوسی دان کا۔ اصل لفظ ”چلمچی“ ہے اور یہ لفظ ترکی ہے۔ معنی ”جیاب آبیان“، جب تک کہ آبیان کو بحر یا دریا نہ کہیں ، ”جیاب آبیان“ نہ مقبول نہ مسموع (۱) ”ذلت“، مسموع ہے اگر فتح الف کا اشیاع جائز ہو ، ورنہ ”ذلت پروزی“ کی جگہ ”اذنی پروزی“ بہتر ہے۔ بلکہ ”ذلت“ یہ ہر حال صفت ہے ، ”پروزی“ موصوف کی چاہیے ، نہ صفت کی۔ والسلام۔ ۱۰

(اواخر ۱۸۶۵ء)

(۹)

قبلہ ،

آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا ، ۸۔ جنوری کو تقریباً (۲) ، اُنکا مائدہ ، خستہ ، رنجور۔ هنوز افات کلی نہیں ہائی۔ آج مجدم ہوا بند ہے ، دھوب تیز ہے۔ پشت بافتاب نگرہ کے سہارے سے بیٹھا ہوا یہ سطران لکھ رہا ہوں۔ غزل پہنچی ہے۔ گوند میں لٹوڑ کر ایک تکرّاً کافہ کا الگ ہو گیا ہے۔ حضرت باحتمال اس کو لفافے سے نکالیں۔

ہے تمہارا آئناہ آفتاب آبیان

دیکھ لو اپنی چلمچی میں جیاب آبیان (۳)

اگر پسند آئے تو اس مطلع کو یوں دھنے دیجیے۔

(۱) شاکر نے ایک شعر میں ”جیاب آبیان“، باندھا تھا۔ جس کا ذکر بعد کے خط میں آیا ہے۔

(۲) یعنی رام پور سے دلی۔

(۳) یہ وہی شعر ہے جس کا ذکر بیشتر کے مکتوب میں آچکا ہے۔



مولوی نظام الدین گنجوی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا۔ انہوں نے از روئے قواعد نحو اس میں کلام کرتا شروع کیا۔ مولوی کے پاس جب وہ کہات پہنچے تو فرمایا ”ہارن! شعر مرا ہندسہ کہہ برد،“ جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ پہلا مصرع مبتدا نہیں ہو سکتا (۱)، ان سے بوجھا چاہئے کہ کیا آپ اسی پہلے مصرع میں سے (ظلمت کدے میں میرے) اس کو مبتدا اور (شب غم کا جوش ہے) اس کو خبر لکھتے ہیں؟ پس اگر ہوں ہے تو یہی مدعا حاصل ہے۔ دوسرا مصرع دوسری خبر نہیں۔ آخر یہ بھی تو مسافات فن غومیں سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو ہلکے زیادہ خبریں ہو سکتی ہیں۔ ہاں ایک قاعدہ اور ہے یعنی جملہ فعلیہ کے ماقبل جو عبارت ہوتی ہے، اس کو مبتدا نہیں کہتے۔ اس مطلع کا مصرع ثانی جملہ اسمیہ ہے اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرتا ہے۔ اگر ہم نے اس دستور پر مصرع اول کو مبتدا کہا تو یہی قیامت لازم نہیں آتی۔ یہ ہر حال جو وہ صاحب اسی پہلے مصرع کو قرار دیں، وہ پہلے قبول ہے، مگر شعر میرا مہمل نہیں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟ بیانی میر قاسم علی خاں صاحب کو ہندگی ۱۲

جنوری ۱۸۶۶ء

### (۱۰)

قبلہ! اس عنایت نامے کا، جو مارچ گزشتہ میں پایا ہے، آج یکم اپریل کو جواب لکھتا ہوں، گویا نماز صبح نضا پڑھتا ہوں۔ جناب مولوی غلام غوث خاں بہادر میر منشی لفٹنٹ گورنری محرب و شال کا کیا کہنا ہے۔ حسن سیرت وہ جو بعد ریاضت شاقہ اور بعد تحصیل فضائل

(۱) یہ وہی بحث ہے جو پہلے خط میں آچکی ہے یعنی میرزا کے اس شعر پر بحث:

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے  
اک شعاع ہے دلیل، شعر سو خموش ہے



اربعہ ملکہ، عدالت و حکمت و شجاعت و عفت حاصل ہوتا ہے، اس  
 دانا دل بیدار مغز کو فطرت نے ودیعت کیا ہے۔ حسن صورت وہ،  
 کہ جو دیکھتے پہلی نظر میں حسن خلق و لطف طبع اس کو نظر آئے۔

قتیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے  
 کہ بعد دو چار دن کے معترض صاحب کا خط آیا ہے۔ لغت و ترکیب  
 معترض فیہ کی سند کے ابعاد حضرت نے اس خط میں درج کیے ہیں :  
 اللہ اللہ! جو کلکتہ میں شور و غوغا اٹھا تھا۔ میرا شعر :

جز ویسے از عالم و از مہ عالم یشم  
 ہمجو موی کہ بتائی راز میاں پر خیزد

خستہ جراحاتے اعتراض ہوا ہے۔ منشا اعتراض یہ کہ عالم مفرد ہے،  
 اس کا ربط ”ہمد“ کے ساتھ بحسب اجتہاد قبل منوع ہے۔ قضا را اس زمانے  
 میں شاعرزادہ کامران درانی (۱) کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا کفایت خاں اس کا

(۱) شہزادہ کامران، بن شاہ محمود درانی، بن تیمور شاہ بن احمد شاہ  
 ابدالی۔ شاہ محمود نے اس وقت کابل پر حملہ کیا جب اس کا بھائی  
 زمان شاہ بہاری فوج لے کر اس غرض سے ہندوستان آیا تھا کہ شاہی  
 ہند میں انراٹھری پیدا کرے تا کہ دکن میں ٹیپو سلطان پر انگریزوں  
 کا دباؤ کم ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمان شاہ کو لاہور میں سے  
 واپس ہونا پڑا۔ وہ شاہ محمود کے مقابلے میں ہار گیا۔ گرفتار ہوا اور آنکھوں  
 میں سلاخی پھرا دی گئی اور اس غریب کی باقی عمر جلاوطنی میں  
 گزری۔ ۱۸۴۵ء میں بمقام لدھیانہ انتقال ہوا۔ پھر شہزادہ کامران اپنی  
 بے تدبیری سے شاہ محمود کی سلطنت ہکاڑے کا موجب بن گیا۔ اس نے  
 فتح خاں بارک زئی وزیر اعظم کو بے وجہ قتل کرا دیا۔ فتح خاں  
 کے بھائی اٹھے اور شاہ محمود کابل و قندھار چھوڑ کر ہرات میں پناہ لینے  
 پر مجبور ہو گیا۔ شاہ محمود کے انتقال پر کامران خود ہرات میں بادشاہ  
 بن گیا اور ۱۸۴۲ء میں مارا گیا۔



نام لیا۔ اس تک یہ قصہ پہنچا۔ اس کے لہذا کے اشعار و ناسات  
ایسے بڑے ہیں، جن میں ”ہمد عالم“ و ”ہمد روز“ و ”ہمد جا“  
مردوم لکھا اور وہ اشعار ”قاسم برہان“ میں مندرج ہیں۔

ہاں صاحب، ”قاسم برہان“ میں اور مطالب بڑھائے اور ایک  
دیباچہ دوسرا لکھا اور ”درفانی کوئیانی“ اس کا نام رکھا اور اس کو  
چھپوایا۔ ایک جلد اس کا آج اس خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجتا ہوں۔  
بعد پہنچنے کے اس کو دیکھنے کا اور اکثر وقت ارمحہ میں نظر  
رکھنے کا اور جس دن پہنچے، اس دن یا اس کے دوسرے دن رسید لکھنے کا۔  
اور اگر اور صاحب اس کے طالب اور خریدار ہوں تو مجھ کو لکھنے کا۔  
دس پانچ، دو چار جلد بھیج دوں گا۔ یہ نسخہ میری طرف سے آپ کی نذر،  
عزل پیر بھیجوں گا۔

(یکم اپریل ۱۸۶۶ء)



## میر غلام حسنین قدر بلگرامی

قدر ۱۲۰۳ھ-۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے ، "غلام حسنین" تاریخی نام ہے ۔  
یعنی اس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے ۔ والد کا نام سید خف علی اور  
دادا کا سید کریم علی تھا ۔ وطن بلگرام ، شادی کورلو (ضلع شاہ آباد ،  
پنجاب) میں ہوئی تھی ۔ مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا ، معاش کے لیے مختلف  
تدبیریں اختیار کیں ۔ آخر محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے ۔ پہلے ہردوئی  
میں مدرس رہے ، پھر کشک کشک کالج لکھنؤ میں عربی اور فارسی کے استاد  
مقرر ہوئے ۔ ۱۸۸۳ء میں میر محبوب علی خان مرحوم نظام دولت آملیہ  
کالج کی بنیاد دیکھنے کے لیے آئے اور آغا مرزا غلام علی بہ سرواٹک  
(جو میرزا غالب کے بھانجے مرزا مغل بیگ کے فرزند تھے) کے ایما پر قدر  
نے نصیبہ نظام کی خدمت میں گزرا ۔ حکم ہوا کہ قدر خیدرآباد  
چلیں جہاں ان کے لیے چار سو روپے ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا ۔ کچھ عرصہ  
بعد فریق النفس اور ضعف معلہ میں مبتلا ہو گئے ۔ خیدرآباد میں  
علاج سے افادہ نہ ہوا تو لکھنؤ آ گئے ۔ اچانک پہلو میں ذیبل  
نکل آیا ۔ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۰۱ھ-۱ ستمبر ۱۸۸۳ء کو وفات پائی ۔ دولت آملیہ  
سے ان کی سوتی کے لیے دو سو روپے معاوار وظیفہ مقرر ہو گیا ۔

قدر کی تصانیف خاصی ہیں ، مثلاً "تنبوی قضا و قدر" ، "قواعد العروض" ،  
"مجموعہ سخن" ، شرح "قصائد عربی" ، "مصطلحات اردو خط مجموعہ" ۔ یہ  
حالات زیادہ تر "تلامذہ غالب" سے ماخوذ ہیں ۔ "سخن شعرا" میں بھی ان کا  
ذکر موجود ہے ۔



آپ کے عیادت نامے کے آنے سے نین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی ؟ ایک تو یہ کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا ، دوسرے آپ کی طرز عیادت مجھ کو پسند آئی ، تیسرے یہ کہ آپ حضرت آزاد (۱) مغلپور کی یادگار ہیں اور میں ان کے حسن کلام کا معتقد ہوں۔ خواہیں آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو ؟ جب مزاج میں آئے نظم و نثر بوج دیں ، میں دیکھ کر بھیج دیا کروں گا اور آرائشی گفتار یعنی حک و اصلاح میں ذریعہ نہ ہوگا۔

بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاشت مانند اپنے نامہ اعمال کے سپرد کر رہا ہوں۔ ہاشٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شہرے کی ورزش میں گزریے۔ اب جسم و جان میں تاب و توان نہیں۔ نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف۔ اردو ، سو اس میں عیادت آرائی متروک۔ جو زبان پر آئے ، وہ قلم سے نکلے۔ ہاتھ و کتاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر ، کیا لکھوں اور کیا کہوں ؟ یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں :

عمر بھر دیکھا کیے مرے کی راہ

مر گئے پر دیکھے دکھلائی کیا

آپ۔ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ؟ اور کی فیض رسائی اور قدردانی کو کیا روئیں ، اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ نے ہا آئکہ بگاتہ محض ہوں ، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا ، بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت نا انصاف ہوں گے وہ اہل ہند ، جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔ اللہ ہی اللہ ہے۔

(۱) مولانا غلام علی آزاد بلگرامی جو عربی اور فارسی کے بگاتہ ادیب اور شاعر تھے اور ان کی کئی تصنیفات چھپ چکی ہیں۔ ۱۱ صفر ۱۱۱۹ھ (۲۹- مئی ۱۹۰۳ء) میں پسمند عالمگیر پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں وفات پائی۔ ان کے تذکرے مثلاً "خزانہ غامرہ" ، "سرو آزاد" ، "مائتہ الکرام" ، اور عربی دیوان نیز "سجۃ المرجان" مشہور کتابیں ہیں۔ "احسان الہند" لقب تھا۔



کل آب کا خط آیا۔ آج میں نے جواب لکھا تاکہ انتظار جواب میں  
آپ کو ملال نہ ہو۔ والسلام مع الکرام۔  
نگاشتہ بست و سوم فروری ۱۸۵۷ء

از صداقت

(۲)

حضرت ،

میں نے چاہا کہ حکم بجا لاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں ، مگر  
کہا کروں ؟ آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے ؟ اگر بہ مثل  
آپ خود نظراتی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ ہائیں ۔  
جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں ۔  
جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کروں ، تب جا کر حک و اصلاح  
کا طور دے ۔ میرا کام اصلاح عبارت ہے ، نہ کتابت ۔

”زودشت آشکدہ“ الخ زودشت کو آشکدہ سے وہ نسبت نہیں جو  
ساقی کو مچانے سے ۔ زودشت باعتبار محوس پیچہ تھا ، آشکدہ کے  
پجاری کو موہد اور ہیرہ کہتے ہیں ۔

”آب حرام اشتیاق“ ، آب حرام شراب کو محل مناسب پر کہیں تو  
کہیں ”ونہ“ بادہ و ریح و می و راق کی طرح اسم نہیں ۔ ناچار  
”شراب شوق“ یا ”بادہ شوق“ لکھنا چاہیے ۔ ”اشتیاق“ سے ”شوق“  
بہتر ہے ۔

”ماہم دوسہ جامگی علی التواتر زہ بودم“ ۔ ”مازہ بودم“ سمجھا دلی اس  
ترکیب کو قبول کرتا ہے ؟ ”من زہ بودم“ یا ”ما زہ بودم“ ۔ اس سے علاوہ  
”دوسہ جامگی“ ، بکاف فارسی یعنی چہ ؟ ”جام“ معلوم کاف تصغیر  
کا ”جامک“ چاہیے ۔ ”جامگ“ کیا ؟ مگر یہ پیروی قلیل کی ہے کہ وہ  
ابراہیم کی تقریر کے موافق تحریر بنانا ہے ۔ ظہوری ، جلال ، ظہیر ،



طاہر وحید ، کسی کے ہاں ”جام“ کو ”جامک“ نہیں لکھا، ”دوسہ جامکی“ کی جگہ ”دوسہ ساغر“ یا ”دوسہ قلع“ لکھو۔

”ہا چٹاری گلستان پر باغبان است و تباری و بر قدر اناں“۔ میں اس فقرے کو نہیں سمجھا ، یعنی ”بر باغبان“ کیا ہے ؟ ”تباری“ کیا ہے ؟ ”تبارہ“ بمعنی ”بیاز داری“ و ”غم خواری“ ہے۔ جب یہ لفظ خود افادہ بمعنی مصدری کرنا ہے تو ”ہائے مصدری“ کیسی ؟

”نیرہ شبی ہا بسر آمد“۔ ”نیرہ شبیہا بسر آمد“ ، خیر ، ”نیرہ شبیہا بسر آمد“۔ یعنی چہ ؟

”لیلایہ دیدم کہ ہا ہزار طرہ طرار“۔ طرہ ژلف کو کہتے ہیں۔ وہ دو حلق ہیں نہ کہ ہزار در ہزار۔

”جامکی“ مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا ، حضرت نے جو کہیں ”جامکی خوارہ“ دیکھا ہے تو اس کو ”جام خوارہ“ یہ معنی ”شراب خوارہ“ سمجھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ ”جامکی خوارہ“ اس نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو۔ روزی کھڑے ہر اس سے کام لیتے ہوں۔ ظالمی نوکر حضرت خضر کے کتنا روزیتہ سخن ہائے ہیں، جو خضر فرماتے ہیں :

تو اے جامکی خوار تدبیر من ز جام سخن چاشنی گیر من  
”در توبہ باز است و باب رحمت فراز“ ، معنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند ہے۔ ”فراز“ افتداد میں سے نہیں ہے۔ ”بازہ کھلا“ ، ”فرازہ بند“۔

”قدر زعفران زار را ہوئے گل کرد“۔ اس کا لطف کچھ سیری سمجھ میں نہیں آیا۔ ”قدر زعفران زارہ“ کیا ؟ اور پھر اس کو کس نے ”ہوئے گل“ کر دیا ؟



”کہ کر۔“۔ کدام زبان است ؟ عربی یا فارسی ؟

”حسب لیاقت خود، کافی است ، ”خودم،“ چہ بھل دارد ” مگر

ہا دیوہ قتل۔“ ”بندہ ہیجورم،“ ، ہاں سکھ“ قتل۔

صاحب بندہ ، تحریر میں اساتذہ (کی تحریر) کا نتیجہ کرو، نہ یہ کہ بھل

کے لہجے کا۔ لہجے کا نتیجہ بھاشنوں کا کام ہے، نہ دیہوں اور شاعروں کا۔

زیادہ ، زیادہ۔

جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض کیجیے گا

کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا بڑے گام، ہر سہجے میں آہ خط تک

بلکہ سولہ خط تک میں نہ گہراؤں گا، بھیجیے۔

رہا جواب کا لکھنا ، کلثی آب یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھنے تو

جانتے۔ ہر روز صبح کو قلعہ چاناء دوپہر کو آٹا۔ بعد کھانا کھانے کے

حضرت (۱) کے مسودوں کا دست کرلا۔ احباب کو خط لکھنے کی فرصت بہت

کم ملت آتی ہے۔ والسلام

(۴)

سوال :

چیڑ خویاں سے چلی جائے امد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سی

ناسخ :

رہن رکھوا کر ترا عامہ دلوا دوں شراب

ژاہدا تجھ کو کروں مرہون احسان توسی

اس ”سہی“ اور ”تو سہی“ کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے؟ ۱۲

(قدر)

(۱) بہادر شاہ ظفر، ۱۸۵۸ء میں شیخ ابراہیم ذوق کی وفات کے بعد اصلاح

شعر کی خدمت میرزا غالب سے متعلق ہو گئی تھی۔



جواب :

اسما کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ ۔ طرز گفتار ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ”چوری کا گڑ مٹھا“ ، اس کی فارسی نہ بوجھے گا ، مگر نادان ۔ ”سی“ اور ”تو سی“ کی فارسی کیوں کر بنے ؟ یہ روز مرہ اردو ہے :

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سی

اس مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے ۔ ”وصل اگر نیست حسرت نیز عالمی دارد“ !

زاہدا تجھ کو کروں مرہوں احسان تو سی

ایک نوع کی منیہ ، ایک قسم کا دعویٰ ہے ۔ ”نامرد ہاشم اگر فلاں کار نکتم“ تا ”فلاں کار نکتم لہذا ہم“۔ اہل ہند کی فارسی اس طرح خام اور نا تمام رہی کہ ’ اصول میں انہوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چامی اور اردو کے خاص روز مرے کی فارسی بنایا کیے ۔ ہندی میں ”کچھ نہیں“ کی جگہ ”خاک نہیں“ بولتے ہیں ۔ فارسی میں ”ہیچ نیست“ کی جگہ ”خاک نیست“ کبھی کوئی نہ کہے گا ۔ قہل چاروں سانے چٹ کرا ہے :

کشتہ بر کشتہ نہاں بود ، دگر خاک نبود

یعنی ”ہیچ نبود“ لا حول ولا قوہ ۔

ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا ۔ چونکہ میں یل ماروں کے محلے میں رہتا ہوں ، اس نے پتا لکھا کہ ”در محلہ گریہ کشاں“ ۔  
وہ فارسی !

مردم از من داستان رانند و از دوران جرج  
گفت صرف طعمہ زایغ و زغن غفای من



کٹ کر غیروں کا سر لانے جو میری نذر کو  
ڈال دوں سوئے کا آٹلو پانو میں جلا دے

”آٹلو،“ (۱) یہ دال ہندی یا یہ دال عربی ؟ بھائی واہ ! یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا۔ میں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے کہ لالانا سردار ایسا بہادر و نامت قدم لہا کہ معرکہ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں ”آٹلو،“ ڈالوا دے۔ ظاہرًا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کے مانع رفتار ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند خاص ہے۔ استعمال اس لفظ کا محل انعام میں نہیں چاہئے۔

”آہستن،“ و ”آہستہ،“ کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ ”آہستہ،“ کو بجائے ”آہستن،“ سمجھنا ہے۔ ”آہستہ،“ کوئی لفظ نہیں ہے۔ ”آہستن،“ اصل لفظ اور ”آہستی،“ مزید علیہ۔ یہ دونوں صحیح، بلکہ آہستی زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا، تو اب معترض کو کیوں مانتے ہیں ؟ فیضی کی سند مقبول اور مسموح۔ ”ارمغان،“ و ”ارمغانی،“ ”آہستن،“ و ”آہستی،“ اے یہ تو فارسی لغت ہیں۔ فارسی گوہوں نے ”حضور،“ کو ”حضوری،“ اور ”فضول،“ کو ”فضولی،“ اور ”قصان،“ کو ”قصانی،“ لکھا ہے۔

(۱) آٹلو لوہے کا کڑا ہوتا تھا، جسے ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیتے تھے۔ بظاہر وہ کڑا دوہرا ہوتا تھا۔ جسے آگے یا آگے پیچھے کے دو پاؤں میں ڈالتے تھے۔ اس کی وجہ سے ہاتھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تھا۔ میدان جنگ میں استقلال و استقامت کی یہ بھی ایک تدبیر تھی جو زمانہ ماضی میں استعمال کی جاتی تھی۔



آج تک سنا نہیں کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو۔ ہاں ”کبریاے الہی“، یعنی خدا کی بزرگی۔ اس نظر پر ”رب کبریا“ لکھیں گے، نہ رب کبریا۔ کبریا صفت واقعی ہے، لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے، جیسا ”زید عادل“، ”جناب کبریا“، بجائے ”جناب الہی“ جائز۔

ایک نکتہ دقیق ہے، یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموعہ صفات عین ذات ہیں۔ اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نہیں اور ائمہؑ رض کے ہمارا قول درست ہے۔

”حال“ کی جگہ ”حالات“ یا ”احوال“ لکھنا قبیح نہیں ہے، خصوصاً احوال کہ یہ بہ معنی واحد مستعمل ہے اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ ”احوال“ بہ معنی جمع مستعمل نہیں ہوتا، جیسے حور کہ بہ معنی ”حوراء“ کہے ہے۔ اہل فارس اس کو صیغہ واحد قرار دے کر الف نوں کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں۔ سعدی کہتا ہے :

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف

از دوزخیان برس کہ اعراف بہشت است

بلکہ ”حور“ کو ”حوری“ کہہ کر اس کی جمع ”حوریاں“ لاتے ہیں۔ حافظ لکھتا ہے :

حوریاں رقص کنان سالگرہ شکرانہ زدند

میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے :

جان غالب تاب گنتارے گہاں داری هنوز

سخت ہے دردی کہ سے برس زما احوال ما

آخر مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے، وہ ”آہستی“ کیوں لکھتا اور میں ”احوال“ کیوں لکھتا ؟



صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرع یہ ہے :

ہر لحظہِ داوم آئینے ، چوں قرعہٴ وصالہا

اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے ۔

داد کا طالب ، غالب

”ملک مغرب ، بلدہٴ دہلی ، کثرتِ رودگراں،، یہ کیا لکھا کرتے ہو ؟  
 صبر کا نام اور میرا نام کافی ہے ، جملہ غلط بلکہ زائد ۔ ہندوستان میں دلی کو  
 سب جانتے ہیں اور دلی میں مجھ کو سب پہچانتے ہیں ۔

انصاف کا طالب ، غالب

### (۵)

”تیں،“ کا لفظ متروک اور سرذود، فیح ، غیر فصیح ۔ یہ پنجاب کی  
 بولی ہے ۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصول ہمارے ہاں  
 نوکر بھی تھی ۔ وہ ”تیں،“ بولتی تھی ۔ تو بیباں اور لوتلیاں سب  
 اس پر ہنستی تھیں :

خروشِ وعدہٴ غراں میں شود با در رکاب ازیم  
 عناق پر سینہ چوں پیچہٴ کرتک (۱) برق جولانش

یہ شعر ناطق (۲) کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ ، سندھ کا رہنے والا ۔  
 اس کا منطق کیا اور اس کی زبان کیا ؟ با در رکاب ہونا عبادت ہے  
 سیر و سفر کے لیے آمادہ ، و مستعد ہونے سے ، خواہی منشاً غریب خول  
 ہو ، خواہی کوئی اور سبب ۔

(۱) کرتک : سرخ رنگ کا گھوڑا ۔

(۲) کل محمد خاں ناطق مکرانی بلوچستانی ۔ وطن سے ہندوستان پہنچا ۔ لکھنؤ  
 میں عمر گزار دی ۔ محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کی مدح میں قصیدے لکھے ۔

۱۲۶۳ھ - ۱۸۴۸ء میں وفات پائی ۔



”عنان پر سینہ بچھڑا، مہمل و محض مہمل۔ نہ روز مرہ، نہ معاورہ، نہ اصطلاح، نہ مفید معنی درلگ، نہ مفید معنی شتاب۔“

”طیارہ“ صیغہ مبالغہ کا ہے لغت عربی، املا اس کی طائے حلی ہے، ”طیور، ثلاثی مجرّد، ”طائر“، فاعل، ”طیور“، جمع۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا، حقیقت بدل گئی، طوے نے بن گئی۔ یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا، بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز، فلاں شکوہ، ”طیارہ“ شدہ است و صید سے گیرد۔ یہ ہر حال اب ناسے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدث (۱) اور دراصل اردو اور یہ ناسے قرشت اور یہ معنی آمادہ، اشخاص اور اشیا پر عام تصور کرنا چاہیے اور عبارت فارسی میں اس کا استعمال کبھی حائر نہ ہوگا ۱۲

تیسرے نزدیک ”کتاب“ اور ”قلم“ اور ”دہلی“ ترجمہ جغرات، یہ تینوں اسم مذکر ہیں۔ منکر سے بچنے بہت نہیں۔ مجیب کا میں امدان مند نہیں۔ لغت فارسی ہو اور روز مرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں۔ منطقی فارسی میں مذکور و تانیث کہاں؟ اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکام مع الغیر ہے (۲) یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا اور شعراے دہلی و لکھنؤ۔ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے، زیادہ جھکڑا لے لائفہ ۱۲

بتائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے

تمام جوہر نیچ زبان ابیر آئے

غزل کی زمے یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے۔ ”تہم“، مفرد ”تہموں“،

جمع ہے ۱۲ غالب

(۱) نو مولود۔ نیا پیدا کردہ لفظ۔

(۲) ہم سے مراد صرف راقم نہیں بلکہ تمام شرفا و شعرا دہلی و لکھنؤ یعنی جن کی زبان مستند مانی جاتی ہو۔



”کہو رہا ہوں،“ متعدی ہے۔ پورے اس کو لازمی جانتے ہیں۔  
 لازمی ”کہو گیا ہوں،“ ہم کہیں گے ”جاگئے ہیں،“ اہل یورپ  
 کہیں گے ”جگتے ہیں۔“

جان و دل، دل و جگر یہ صحیح، ”جان و جگر،“ نکسال باہر، ”فریاد،“  
 مؤنث ہے۔ فریاد کر لہی چاہیے، ”فریاد کر لینا،“ انگریزی بولے۔ ”نکرو،“  
 مؤنث ہے۔ معشوق کو ہم زاد بنانا ظرفاً کو اپنے اوپر ہنسنا ہے۔

اندیشہ“ بلند رو لامکاں نورد چون خواست بام جاہ ترا نردبان نہاد  
 دیدش ہاں بیا چو سپہراز فراز کوه بعد ز ہزار پاہ کہ بر فرقدان نہاد(۱)

پہلے مصرعے میں اندیشہ، فاعل ہے خواست کا، جو مصرع ثانی میں ہے۔  
 ”نہاد،“ یہ معنی مصدری ہے۔ دوسرے شعر میں ”دید،“ اور ”نہاد،“ کا  
 فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان  
 کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہو گا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو  
 آسمان کو جھو لیں گے۔ مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان  
 کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تھا۔ فرقدان ایک  
 صورت ہے، یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر۔ ہمارے لباس میں آبا  
 کہ فرقدان پر سے بام جاہ مدح نظر آوے گا، بہت قریب۔ ہم فرقدان  
 پر گئے۔ وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقدان پر ہزار پائی رکھی۔ اس پر  
 چڑھ کے دیکھا، تو بام مدح میں اور اس مقام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا  
 پہاڑ میں اور آسمان میں۔ یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو سے گزر گیا ۱۲

”لگا دیتے ہو،“ اور ”اٹھا دیتے ہو،“ خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً  
 مفرد پر آتا ہے یعنی تم معمولی مجازی کو ”تم،“ اور ”تو،“ دونوں طرح

(۱) یہ شعر میرزا غالب کے ایک قصیدے سے ہیں، جو مطبعت میں لکھا گیا،  
 یعنی کلیات نظم فارسی کا آٹھواں قصیدہ۔



یاد کرتے ہیں خدا کو یا ”تو“ کہتے ہیں یا صیغہ جمع غائب ، یعنی صیغہ جمع غائب کا ، نظر یہ فریہ ، اللہ قضا و قدر کا رکھتا ہے ۔ گمراہی غزل میں دو چارجک ”دیتے ہو“ ، اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اس سے مراد کیسی نہیں ہو سکتا :

لا کے دینا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو  
ہلے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو ؟ سوائے قضا و قدر کے کوئی رتلی ، کوئی لونڈا ، اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا اور علیٰ هذا القیاس ، دو ایک شعر اور بھی ۔ تاجار صیغہ جمع رکھ دیا ، تاکہ خواب اور بتاں کی طرف ضمیر راجع ہو یا اشخاص واحد کی طرف ، آپ کے لفظ کے ساتھ ، یا قضا و قدر کی طرف ۔ اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا (۱) ۱۲ غالب

س : ”بود“ اور ”باشد“ کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں یہ معنی ”ہست“ آئے ہیں یا نہیں ؟ ۱۲ قدر

ج : البتہ آئے ہیں ۔ غالب

س : نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے ؟ قدر

ج : بے جا ہے ۔ جب تک علامت استمرار نہ ہو ، معنی استمراری کیوں کر لیے جائیں ؟ غالب

س : فارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے ؟ قدر

ج : خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آئی ، فارسی میں کہاں سے ہوگی ؟

مقتضب صفت بھری ہے ، نہ صلت مصدر کی ۱۲ غالب

(۱) مطلب یہ کہ ردیف میں ”ہو“ کی جگہ ”ہیں“ بنا دیا ۔



س : کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بتا ہے ؟ ۱۲ قدر

ج : جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اس میں فقط الف نون یا الف نون اور تثنیٰ پڑھائیں۔ مثلاً ”گشتن“ کو ”گشتاندن“ نہ لکھیں گے ، ”گردد“ سے مصدر بنائیں گے ”گردیدن“ اور اس کو ”گرداندن“ اور ”گردانیدن“ کہیں گے ، جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہوگا ، وہ متعدی نہ بنے گا ، جیسے ”برشتن“ اور ”خستن“ ۱۳ غالب

س : پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آتا ہے ؟

ج : اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے ، یعنی ”پناہ“ کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں۔ پناہ کا ترجمہ اردو میں بوجھنا نادانی ہے ، ہاں پناہ کی ہندی آرا ہے۔

”بر نہ آنا، صبح ، ”نہ بر آنا“ تکمال باہر۔ قافیہ ہائے اصلی التیہ سیکڑوں ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ”نسخہ“ اور ”نامہ“ اور ”اسانہ“ ان الفاظ کو قافیہ کرنا ہمارے نزدیک نا مناسب نہیں ؟ ایسا قافیہ غزل پھر میں ایک جگہ لکھو ۱۴ غالب

(۶)

حضرت ،

آپ کے خط کا کالج باریک اور ایک طرف سے مرادو سیاہ۔ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو دوست نہ پڑھ سکو گے۔ نامہ چلا گئے ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔



”رنگ“، ”یوزن“، ”سنگ“، ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے۔ جب اس کو اردو میں منصرف یا بقول بعض منصرف کریں گے تو نوں کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا۔

”رنگنا، یوزن“ چند جاء نہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں :

ہم نے کبڑے رنگے ہیں تنگرق

یہ صحیح اور فصیح ہے :

ہم نے رنگے ہیں کبڑے تنگرق

یہ اعلان نوں کنواری بولی اور غیر صحیح اور فہیح ہے۔

”خرام“ کو کوئی مؤنث بولے گا مگر وہ کہ دعویٰ فصاحت سے ہاتھ دھوئے گا؟ ”فتارہ، مؤنث اور ”خرام“ مذکر ہے۔ رفتارگی ثابت کو ”خرام“ کی ثابت کی سند تھہرانا قیاس مع القاق (۱) ہے۔

حرف مسروری جس کو ثانی بھی کہتے ہیں، موحده سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تھانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آل نبی سہارن پوری اور مولوی امام بخش (۲) دہلوی میں اس بات پر جھگڑا ہوا۔ مولوی امام بخش ”یا، کو ”ے“ کہنا جائز نہیں رکھتے تھے۔ آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت کر دیا، مگر صرف از روئے تلفظ اور اس کی اجازت۔ کوئی لافہ خاص اس کے واسطے نہیں۔ اردو میں طاء کو طوے اور ظاء کو ظوے کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تھانی بولتے ہیں۔ لسان عرب و عجم میں موحده سے زائے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تھانی بھی۔ ”طاء“

(۱) یعنی دو چیزوں کے درمیان اشتراک و مناسبت کا لحاظ رکھے بغیر ایک کو دوسری پر قیاس کرنا۔

(۲) مولوی امام بخش صیہائی۔



”ظا، کو ”ظا،“ ”ظا،“ ہی کہیں گے ، نہ طوے ، طوے ، ”طے“ ”طے“۔  
 علوی ہذا القیاس حروف ہائے ۔

النوری :

ز غایت کرم اندر کلام تو ”ے“، لیست  
 یہ اعتقاد نو شد امت نوں مگر ”ے“ را  
 یہ عہد جود کو دائم بہ یک شکم زاید  
 زمانہ صوت سوال و عدائے آرے را

(۷)

حضرت ،

کیا فرماتے ہو ؟ ”ہوا بھی ہو،“ ”کھڑا بھی ہو،“ اس وریف کے ساتھ  
 قافیہ معمول آ نہیں سکتا ۔ ”یٹا بھی ہو،“ ”مہٹا بھی ہو،“ کیوں کر درست  
 ہوگا ؟ وہاں موحده کے مابعد ہائے ہوز ہے ، یہاں موحده کے آگے نہیں ۔  
 ”جاہی“ کہ ہائے قافیہ اور ہائے حطی ہے ، کئی اور راہی اور ہاہی یہ  
 قالیہ بند کر ہو سکتے ہیں ۔ جاہی لغت انگریزی ہے ۔ اس زمانے میں  
 اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے ، بلکہ سزا دیتا ہے ۔ نار ہیلی اور  
 دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دے دیے ہیں ۔ اوہوں نے  
 یہی باندھے ہیں ۔ روئکاری اور طلبی اور فوجداری اور سرورقہ داری ،  
 خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں ۔ جاہی بہ معنی کلید شوق ہے لکھو  
 نہ جاہی ۔ نسخ لکھتا ہے : ”مہم صاحب“ کے آگے کے الفاظ بھول  
 گیا آخر مصرع یہ ہے :

..... من کے ناز ہے جا اٹھاؤں کس کس کے  
 الہی بخش خان معروف لکھتے ہیں :

نکین دل سوا کھودے تو گھر نیلام ہو جائے



صاحب، ہم نے منتوی خوب لکھی۔ کہیں اصلاح میں کہیں انشا میں، جو اصلاح تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی۔ فکر تاریخ منتوی سے مدت العمر معاف رہوں ۱۰۰ والسلام۔

(۸)

شفیق میرے،

میں بعد آپ کے جانے کے دلی سے رام پور آیا اور یہاں میں نے آپ کا دوسرا خط پایا۔ پہلا خط مجھے دلی میں پہنچا تھا، مگر چونکہ اس خط میں آپ کے مسکن کا پتا نہیں لکھا تھا، میں تحریر جواب میں قاصر رہا۔ اب جو یہ خط رام پور میں پہنچا، اس میں پتا مرقوم تھا، میں پاسخ نگار ہوا۔ آپ کے مسودات ایک بکس میں تھے، وہ بکس وہیں رہا۔ اب جب تک دلی نہ جاؤں گا، ان کو نہ جاؤں گا، اور ایک آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جب میں دلی تھا تو ایک خط سیالہ نوروز علی خاں کا تمہارے نام یہ نشان میرے مقام کے آیا تھا۔ چونکہ ان دنوں میں مجھ کو آپ کا مسکن معلوم نہ تھا، میں نے اس پر لکھ دیا کہ وہ بلگرام گئے۔ خدا جانے تمہارے پاس وہ خط پہنچا یا نہیں؟

برخوردار میرزا عباس (۱) کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں۔ اگر وہ سعادت مند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے۔ اب آپ مجھ کو خط بھیجیے، تو رام پور بھیجیے۔ پتا مقام کا کچھ ضرور نہیں، رام پور کا نام اور میرا نام کفایت کرتا ہے۔

خوشنودی کا طالب، غالب

(۱۸۶۰ء)

(۱) میرزا غالب کے بھائی جو دیوبند میں نشی کا کٹر تھے۔ بظاہر قدر بلگرامی نے میرزا کو صفاؤں کے لیے لکھا ہوگا۔



سید صاحب ،

تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزرده نہ ہونا۔ اب غزلوں کو دیکھا ، کہیں سنگ و اصلاح کی حاجت نہ پائی۔ مدعاے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطائی یہاں شامل اسم نہیں ہیں۔ صرف اسم مبارک خطوط و عرائض پر لکھا جاتا ہے۔ رہا قصیدے کا بیجنا ، زائد محض اورے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف رھروی اٹھاتے اور یہاں آئے اور قصیدہ گزواتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا۔ یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گزراؤں ، اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں رکھتی ، یہ توسط میرے خلاف وضع ہے۔ مجھ کو معاف رکھیے اور اب جو خط بھیجے ، دلی کو بھیجے گا کہ میں اس مہینے میں ادھر کو جاؤں گا۔ رویت حلال ماہ صیام الحلب ہے کہ دلی ہی میں ہو۔ والسلام مع الاکرام۔

غالب

سد نشیہ ۱۳۔ مارچ ۱۸۶۰ء

## (۱۰)

سعادت و اقبال نشانہ میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ لچھی ہے ، کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ مگر دوسری تاریخ میری مسجد میں نہیں آئی۔ اس فن کے لاعدے کے موافق مصرع تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہئیں یعنی پانسو تیس :

کلوخ انداز را یاداش سنگ است

اس مصرع کے اعداد میں انسی گنجایش کہاں کہ پانسو تیس نکل

جائیں اور ۱۶۷۸ بچ رہیں ؟



صاحب ، تم بہت دن سے بیکار ہو ۔ ایک جگہ مساعت روزگار کی صورت ہے ۔ تم نے تکلف میرا یہ رقعہ سپری لے کر لکھنؤ چلے جاؤ ، مطیع اودھ اخبار میں میرے شفیق دل یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ ان کو پڑھوا دو ۔ اپنی ظلم و نیر ان کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو ۔ اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کار گزار سمجھیں گے ۔ تو مطیع کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے ۔ مشاعرہ خاطر خولہ تم کو مقرر ہو جائے گا ۔ معزز و مکرم رہو گے ، زندگی کا لطف اٹھاؤ گے ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ ۔ لکھنؤ تم سے نزدیک ہے ، اننی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں ۔ اگر ٹوکر نہ ہو جاؤ گے ، پور چلے آنا ۔ بحث آزمائی ہے ۔

(۱۱)

بندہ پرور ،

آپ کا خط لکھنؤ سے آیا ، حالات معلوم ہوئے ۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا کام آپ کے سپرد ہوا ہے ؟ یہ بھی لکھیے ۔ چند روز صبر کرو اگر وطن میں ہوتے تو اس بیکاری میں گہر کی خیر کیا لیتے ؟ جس طرح جب گزری ، اب بھی گزر جائے گی ۔ بلکہ تمہارا خرچ کم ہو گیا ۔ یہ ہر حال ابھی اٹانے کے واسطے نہ تم کہو ، نہ میں لکھوں ۔ دو چار مہینے کام کرو ۔ اس اثنا میں اگر ہلکرام میں جہاں خانہ جاری ہو گیا تو استعفا دے کر چلے جائیو ۔ یہاں بعد چند روز کے اضافہ ہوتا بھی تو حیز امکان سے باہر نہیں ۔

(۱۸۶۱ء)

(۱۲)

سید صاحب سعادت و اقبال نشان میر سلام حسین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے ۔ آپ کا خط آیا اور میں نے اس کا جواب بھجوا دیا ۔ اس



رقعے کی غریب سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ رقعہ ان کو بڑھا کر عرض کیجیے کہ غالب پوچھتا ہے کہ ماوسی کی کلیات کا چھاپا ملنوی ہے یا جاری ہے؟ مشنری ہے تو کتب تک کھانے کا؟ جاری ہے تو تصحیح کسی کے طور پر ہے؟ قصیدے اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں؟ اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو مشنری بھیج دوں؟

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے ہیں یا نہیں؟ ”قاطع برہان“ کے اجزائی جلدیں بندہ گئی ہیں یا نہیں؟ اگر بندہ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں، ان میں سے ایک جلد لے کر، جناب فیض مآب، خداوند نعم، آیتہ رحمت، قبلہ و کعبہ، جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنشن عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اس واسطے پر پہنچایا ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ یہ مجال کہاں کہ داد کا طلبگار ہوں، صرف عز قبول کا امیدوار ہوں۔

سچھے سید صاحب؟ منشی صاحب سے چاروں سوالوں کا جواب اور جو قبلہ و کعبہ فرمائیں، اس تقریر میں تقریر بالمرادف بھی نہ ہو (۱)۔ جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو، ہو جو لکھ دیجو۔

ہاں مولوی عادی علی صاحب (۲) کا جو حال معلوم ہو، وہ بھی ضرور

(۱) یعنی ہجتمہ وہی الفاظ لکھو جو مجتہد العصر فرمائیں۔ یہ بھی نہ ہو کہ ادا سے

مفہوم کے لیے ان کے مستعملہ الفاظ کے ہم معنی الفاظ استعمال کرو۔

(۲) منشی نولکشور کے مطبع میں تصحیح کتب کے کام پر مامور تھے اور

تصحیح میں انہیں بڑی شہرت حاصل تھی۔



لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد۔ پہنچنا۔ یہاں صاحب، از راہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے اس خط کو پیرنگ پہنچتا ہوں۔

دوشنبہ پنجم ذی القعدہ وئی سال رساخیز (۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۶۲ء)۔

(۱۴)

سید صاحب،

آپ کا خط، جس میں قبلہ و کعبہ کا سہری و دستخطی توابع موقوف تھا، پہنچا۔ میں تم سے بہت راضی ہوا کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی۔ اب ایک اور تکلیف دینا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہہ کر ان کے حکم سے ایک اور نسخہ ”قاطع برہان“ کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب منشی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خوں جگر میں نے اس تالیف میں کھاپا ہے، یقین ہے کہ اس کی داد تمہارے ہوا اور سے نہ پاؤں گا۔

ہاں صاحب، منشی صاحب سے یہ کہہ دینا کہ بچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں، اب قیمت کا رویہ بیع کر سیتالیں اور منگائے لیتا ہوں۔ کلیات کے انطباق کی تاریخ میں کیوں لکھوں؟ اہل مطبع کو خدا، منشی صاحب کے ”سایہ عظمت“ میں، سلامت رکھے، کہہ لیں گے چھاپا ۷۸ (۱۲۷۸ھ) میں شروع ہوا، ۷۹ (۱۲۷۹ھ) میں تمام ہو گا۔ مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو اور کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔

جواب کا طالب، غالب

۲۴۔ وئی ۱۸۶۲ء



خدا صاحب ،

آپ نے خوب کیا کہ منشی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا  
اپنے پاس امانت رکھئے ، جب منشی صاحب آئیں ان کو پہنچا دیجئے ۔  
مہاراجہ صاحب یکم جون کو بلگرام جانے کا تھا ۔ وہاں کے ہجرامیں  
کچھ سنی بائی جو فسخ عزمت کیا؟ اس کی کیفیت ضرور لکھیے اور  
جو تم نے سپارش کے باب میں لکھا ہے ، میں اس خواہش کو کیوں کر  
قبول کروں ؟ وہ شخص میرا شاگرد نہیں ، مرید نہیں ، صورت آشنا بھی تو نہیں ، کیوں  
کر لکھوں ؟ مہاراجہ صاحب کے واسطے میرا لکھنا مضر ہے ۔ یعنی وہ صاحب  
سمجھیں گے کہ حضرت نے کچھ میری شکایت و کایت لکھی ہوگی ۔ جب  
غالب نے مجھ کو یہ لکھا ہے ۔

اس وقت آپ کی وحشت انگیز تحریر پہنچی ۔ ادھر اس کو  
پڑھا اور ادھر یہ خط ہمیں اور ایک مرزا عباس کو اور ایک خط  
تہنیت کا منشی صاحب کو لکھا ۔ لیکن چونکہ بلاد شرقیہ کو ڈاک  
تو دس بجے روانہ ہوتی ہے ، ناچار یہ تینوں خط بند کر کے مہاراجہ اور  
مرزا عباس کا خط بیرنگ اور منشی جی کا خط یٹ رکھ چھوڑنا ہوا ۔  
کل صبح کو بعد از طلوع آفتاب ڈاک میں بھجوا دیں گا ، خاطر جمع  
رکھو ۔ میں نے برخوردار کو ایسا کچھ لکھا ہوا کہ مفید مطالب ہوگا ،  
ان شاء اللہ العلی العظیم ۔

خوشنودی احباب کا طالب ، غالب

چهارشنبه بارہ پر تین بجے

صاحب ،

وانہ ، سوائے اس خط کے مہاراجہ کوئی خط نہیں آیا ۔ کیسے چار خط تم  
نے بھیجے ؟ کیوں باتیں بناتے ہو ؟ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے ۔



بہتر ہیں ہے کہ طریق سے خطوط برتک بھیجے جائیں کہ یہ قصہ منبج جائے۔ برخوردار میرزا عباس کی ہنسی کی خبر میں نے پہلے ہی سے سنی ہے : منکر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے۔ اب دریافت ہوا کہ تمہارے ہمسایے میں آئے ہیں۔ اب ان سے ملیے ، خدا ان کو مروت کی ذولین دے۔

مطلع میں اپنا نام لکھنا رسم نہیں ہے۔ امیر کا تخلص اور صورت رکھنا ہے۔ میر جی اور میر صاحب کر کے وہ اپنے آپ کو لکھ جاتا ہے۔ اور (۱) کو اس بدعت کا اتباع نہ چاہیے۔

غالب

(۱۶)

صاحب ،

تم سے پہلے وہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ میرزا عباس میری خطی ہیں کا بیٹا ہے تو پھر میں میرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا ؟ میرزا کی لمبی میری بہو ہے ، بیٹی نہیں۔ تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے ، کیا سبب کے لکھا ؟ میں میرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا ؟ یہاں میرزا کی اولاد ہوتا ہوئی ہے ، نہ نواسا نواسی۔ مجھے کو اس کی اولاد کا جد فائدہ لکھنا نکمال باہر بات ہے۔

خیر ، یہ تو ظرافت تھی ، تم یہ تو بتاؤ کہ میرزا لکھتو کیوں جاتا ہے ؟ اگر کچھ اسباب خریدنا تھا تو ایک معتمد کو بھیج دیا ہوتا۔ بذات خود اس تکلیف ہے جا کو گوارا کرنا کیا ضرور ؟ یہ بات جواب طلب ہے۔

میرے آنے کی یہ صورت ہے کہ میرزا کی استدعا سے قطع نظر ، میرا دل بھی تو پتھر یا لوہے کا نہیں جو اپنے بچوں کو دیکھنے

(۱) اور یہ یعنی دوسرا۔



کو نہ چاہے۔ ایک بہن، اس کی مجموعہ اولاد وہاں۔ میرا تو وہ خانہ  
باغ ہے۔ بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو جی نہ چاہے گا؟ بشرط صحت  
اؤں گا۔ ان شاء اللہ۔

صبح یکشنبہ ۳ رمضان ۱۲۷۲۔ فروری سال حال

(۱۲۷۹ مطابق ۱۸۶۳ء)

(۱۷)

میر صاحب،

ساجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ ثواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں  
سیدھی صف میں دسواں لمبر اور سات پارچے اور تین رتھ جواہر خلعت پاتا تھا۔  
غدر کے بعد پسن جاری ہو گیا۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے نبی  
لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم مجھ کو اطلاع دی  
کہ مجھارا دربار اور خلعت واگڑاشت ہو گیا، مگر دلی میں دربار نہیں،  
اتہالے آؤ گئے تو دربار میں لمبر اور خلعت معمولی پاؤ گئے۔ میں نے خبر میں  
وجدان کا مزا پایا اور اتہالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر  
قلعہ پنجاب یہاں آئے۔ دربار کیا۔ میں دربار میں نہ گیا۔ دربار کے بعد ایک  
دن بارہ بجے چیراسی آکر مجھ کو بلا لے گیا۔ بہت عنایت فرمائی اور اپنی  
طرف سے خلعت عطا کیا۔

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے۔  
ہاں ردیف الف کی، یہ امر قابل برسی کے نہیں، جیسی ہے۔ دیکھو لو اور  
سمجھو لو۔ یہ جو صاحب دیوان مشہور ہیں، حافظ و صائب و کلیم و  
سلیم، ان کے آغاز کی غزل کے مطلع دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ  
کرو۔ کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین، ایک بحر نہ پاؤ گئے،  
چہ جائے لقاد حروف و الفاظ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۱۸۶۳ء



صاحب ،

میں برس دن سے بیمار تھا۔ ایک ، پھوڑا اچھا ہوا ، دوسرا پیدا ہوا۔ اب فی الحال دونوں ہاتھوں میں تو پھوڑے ہیں۔ دونوں پانوں پر دو پھوڑے ہتھوں کی ہڈی پر ایسے ہیں کہ جن کا عقی ہڈی تک ہے۔ انہوں نے مجھ کو ہٹھا دیا ، اٹھ نہیں سکتا۔ حاجتی دھری رہتی ہے ، ہلنگ پر سے کھسک پڑا ، پھر پڑ رہا۔ روٹی بھی اسی طرح کھانا ہوں ؟ پاخانے کیا کہوں کیونکر جاتا ہوں ؟ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ یہ سطور لیتے لیتے لکھے ہیں۔ نیم مردہ ہوں ، قریب بمرگ ہوں۔ اتادہ و استفادہ و اصلاح کے حواس نہیں۔ غزل رہنے دی۔ یہ حال تم کو لکھ بیہجا۔

سہ شنبہ ۲۲۔ اگست ۱۸۹۳ء نجات کا طالب ، غالب

سید صاحب ،

تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خان بہادر کی رعایت اور عناہت کا شکریہ ادا کیا ہے۔ تم کیوں شکر گزار ہوئے ہو ؟ جو کچھ لیکے اور لکھو اس اقبال فشان نے مجھارے ساتھ کی ہے ، اس کا سپاس میں ادا کروں۔ خدا کی قسم دل سے دعائیں دے رہا ہوں۔ بھائی ، اس کا جوہر طبع از روئے فطرت شریف ہے۔ پروردگار اس کو سلامت رکھے اور منارج اعلیٰ کو پہنچائے۔ یہ اپنے والد کے خاندان کا فخر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے ، پس وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے۔

وہ اپنے جی میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا۔ میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا ، مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاش



کہ جب ایسا ہوتا ، جیسا اب ہوں ، تو سب سے پہلے پہنچتا۔ جی اس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے دیکھوں اس کا دیکھنا کب میرا آتا ہے۔

میں اب اچھا ہوں۔ برس دن صاحب فراموش رہا : ہوں۔ ”چھوٹے ، بڑے زخم باواں اور ہر زخم خون چکاں۔ ایک درمیں یہاں لگ جائے تھے۔ جسم میں چٹنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا۔ تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے ، وہ کٹھا کر جیتا ہوں۔ کبھی کٹھانا ہوں، کبھی پیتا ہوں مرض کے آثار میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پانوں کی دو دو انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں۔ معیذا متورم ہیں ، جوتا نہیں پہنا جاتا ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا ، مگر ہاں یہ میرا شعر :

در کشاکشِ ضعفم نکلے روانِ اثر

ابن کہ من نیے میرم ہم ز ناتوانی هاست

اب کے وجہ یعنی ماہ آئندہ کی آنکھوں تاریخ سے سرواں برس شروع ہوگا۔

چو ہفتاد آمد اعضا وقت از کار

پس اب شکوۂ ضعف نادانی ہے ، ایمان سلامت رہے۔

سہ شنبہ ۲۴۔ نومبر ۱۸۶۳ء نجات کا طالب ، غالب

(۲۰)

قرۃ العین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالیٰ

کہاوا خط پہنچا ، دل خوش ہوا۔ مولوی نجف علی صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو ؟ تم کچھ لکھو تو جانوں۔ واقعہ ، اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے ان کو دیکھا ہو ، چہ جائے اختلاط و ارتباط۔ صرف یہ رعایت جانب حق چند کلمات انہوں نے لکھے ہیں۔ تم میرے پار ہو اور میری خدمتگزاری کے حقوق ہیں تم پر ، مجھ کو مدد دو اور



اپنی قوت علمی صرف کرو۔ ”مہرق قاطع برہان“ میرے پاس موجود ہے، مجھ سے منگواؤ۔ میں ہر موقع پر خطا اور زلت (۱) مولف کا اشارہ کر دوں گا۔ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں تولو۔ علمی نہیں ہو، عالم ہو۔ آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر ”مہرق“ کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ تمہارے پاس دو نسخے، ایک ”دائع ہذیان“، ایک ”سوالات عبدالکرم“، مع استغناء و افتاء دستخطی علما دہلی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سود مند پہنچیں گے۔ تم کو معارفہ بیت آسان ہو گا۔ مدعی کا کلام دراصل لغو، بھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اس پر مزید غنیہ۔ اس پر ”مہرق“ کا خاکہ اڑ جائے گا۔ میرے پاس اس خط کے پہنچنے ہی جواب لکھیے اور اجازت بھیجیے کہ میں نسخہ مطبوعہ نامطبوعہ ”مہرق“ پسیل ڈاک بھیج دوں۔ مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے، اسی دن سے آپ اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجیے۔ پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔ غالب اتنا عشری بددی۔

ہاں صاحب آغا محمد حسین ناخداے شیرازی کا خط مع اشعار آیا۔ اور میں نے اس کا جواب بھیجوا یا۔ اب جو ڈھونڈا تو میرا مسودہ ہاتھ آیا، مگر آغاز کا خط نہ آیا۔ اس مسودہ کو صاف کر کے تمہارے پاس بھیجنا ہوں (۲)۔ آغا صاحب کا جب خط نکل آوے گا، وہ بھی بھیجا دیا جائے گا۔

(۱) زلت : لغزش۔

(۲) اس سے مراد غالباً وہ مکتوب ہے جو کجیات نثر فارسی (آہنگ پنجم) میں ص ۲۵۱-۲۵۲ پر چھپا ہے۔ اس کے آغاز میں یہ شعر ہیں :

نا خداے سقیتہ معنی	آن محمد حسین والا جاہ
سوے من نا گرفت رو آورد	بہ سرم گلی ز تائبہ زد ناگاہ -
رنیدی و راستی نعار من است	مویتم لا ا لہ الا اللہ
بستودن اگرچہ شادم کرد	من ہاں ناکسم سخن کوتاہ
من کہ مے رنجم از نگہ کہ مرا	در نظر نیست غیر روز سیاہ
ویژہ در آرزوے دیدن اویت	کہ نگہ - داشتم بہ دیدہ نگاہ



سعادت و اقبال نشان مرزا عباس بیگ خان کو میری دعا کہنا اور یہ  
ورق ان کو سراسر پڑھا دینا۔

(۲۱)

مید صاحب ،

تم ”قدرد“ اور نور چشم مرزا عباس ”قدردان“ ، خاطر جمع رکھو۔  
نوکری کمبازی ہو جائے گی۔ صاحب کی اور راجا کی تعریف کے قصیدے  
واقعی گلستے ہیں ، مگر مرزا کی مدح کے قصیدے کو گلستہ نہ کہو۔  
یہ تو ایک باغ ہے سرسبز و شاداب ، جس میں گلیں ہزار در ہزار ، میوہ دار  
درخت سے شاد ، زمین سراسر سبزہ زار ، بہت حوض ، بہت نہریں۔ مٹی نظر  
نہیں آتی ، سبزہ ہا لہریں۔ قنبر غالب کمبازا خیر خواہ اور تمہارے مدح  
کا دعا گو ہے۔

۱۲۸۳ھ - ۱۸۹۵ء

(۲۲)

حضرت ،

قنبر نے شعر کہنے سے نوبہ کی ہے۔ اصلاح دینے سے نوبہ کی ہے۔  
شعر سنا تو ممکن ہی نہیں؟ شعر دیکھنے سے نفرت ہے۔ بچتر برس  
کی عمر (۱) ، ہندو برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا۔

(۱) اگر اس خط کو ۱۸۹۸ء کا بھی فرض کر لیا جائے تو ظاہر ہے  
کہ مرزا کی عمر بچتر کی نہ تھی ، لیکن یقین ہے یہ بالکل آخری دور  
کا خط ہے ، جب ضعف ، هجوم آلام اور عوارض بدی نے ان کے لیے  
زندگی سراپا تکالیف بنا دی تھی۔ خصوصاً یہ خط کسی ایسے وقت میں لکھا  
گیا ، جب وہ بہت پریشان تھے۔ ان کی عمر یہ حساب استین فوری ، تتر برس  
تین مہینے اور کچھ دن کی تھی۔



نہ مدح کا صلہ ملا، نہ غزل کی داد۔ بقول انوری :

اے دریا نیست مدوحے مرزاوار مدح

وے دریا نیست معشوقے مرزاوار غزل

سب شعرا اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرہ شعرا میں شمار نہ

کریں اور اس فن میں مجھ سے کبھی پریش نہ ہو۔

اسد اللہ خان المتخلص بہ غالب والمخاطب بہ نجم الدولہ ، خدائش

بیا مرزا



## سید فرزند احمد بلگرامی

سید فرزند احمد بن سید عبدالحی عرف میر سید احمد متخلص بہ احمد حسین واسطی - اصل وطن بلگرام تھا - بعد میں یہ خاندان کورتہ میں منتقل ہو گیا جو آہ (ضلع شاہ آباد بہار) کے قریب سادات کی ایک مشہور رہتی ہے - صغیر حضرت صاحب عالم مارہروی کے نواسے تھے - ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۳۹ھ - ۹ اپریل ۱۸۳۳ء کو مارہرہ میں پیدا ہوئے - پانچ برس کی عمر میں والد کے ساتھ آہ پہنچے ، باقی عمر وہیں گزار دی - بظاہر صاحب عالم ہی کے ایما پر میرزا کی شاگردی اختیار کی - زبان میں لکنت تھی اس لیے مشاعرہ میں شعر پڑھتے وقت انہیں تکلیف ہوتی تھی - ۲۱ - رمضان ۱۳۱۷ھ - ۱۱ مئی ۱۸۹۰ء کو پشہ میں وفات پائی اور آہ میں انہیں دفن کیا گیا - ان کی تصانیف میں سے ”بوستان خیال“ کا ترجمہ ، (دس جلد) تذکرہ ”جلوۂ خضر“ ، رشحات صغیر (تذکرہ و تائید میں) صغیر بلبل اور خمخانہ صغیر (دیوان) ہیں تلامذہ غالب کے مطابق اردو کے آٹھ اور فارسی کے تین دیوان تھے - چار فارسی مثنویاں ، اردو کے قصیدے ، رباعیات ، قطعات واسوخت وغیرہ ان کے علاوہ تھے - (ماخوذ از تلامذہ غالب)

### (۱)

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے - مجھ کو حضرت برجی فطرت جناب حضرت صاحب عالم سے نسبت اویسی (۱) ہے - غائبان (۱) نسبت اویسی سے مراد یہ ہے کہ دیکھا نہیں ، مگر حقیقت ہے - عام روایت کے مطابق حضرت اویس رضی کو رسول اکرم صلعم سے غائبانہ ہی محبت و عقیدت تھی -



خاص کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے آپ کی طرز نگارش نظماً اور  
 نثرأ درخشندگی جو ہر طبع سے خبر دہتی ہے۔ اگر آپ کی طرف سے  
 استصلاح کا کلمہ دوستانہ نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا۔ باوجود خواہش  
 خدمت کیوں نہ بجا لاؤں؟ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری معلومات آپ پر  
 بھول نہ رہیں۔ مجموعہ ایک ورق میں کیوں کر گنجائش پائی؟ ناگزیر  
 جو اس نظم و نثر میں ہے، اس کو عرض کرتا ہوں: (۱)

۱۔ بسر در آوردن غل معنی، در آوردن کٹی۔

۲۔ شور در سر انگشتن نکسال باہر، از سر انگشتن مناسب۔

۳۔ نہ بر انگیزد نہ بر خیزد فارسی ہند۔ بر خیزد و نینگیزد فارسی عجم۔

۴۔ ”نالہ ها کہ از دل سر بر زده اند، یعنی چہ؟ غیر ذوی الروح  
 بلکہ غیر ذوی العقول کی جمیع کی خبر بہ صیفہ“ مفرد اسم ہے۔

۵۔ ”برستان“، اصل لغت، بخف اس کا ”برستان“، - ”بری استبان“،

توہم محض۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم الشعرا رود کی سے لغزالتاخرین  
 شیخ علی حزیں لک کسی کے کلام میں ”برستان“، یا ”برستان“ دیکھا ہے۔

حضرت صاحب (۶) قبلہ کی جناب میں میرا سلام عرض کیجیے اور کہنے  
 کہ آپ کا عطف وقت نامہ اور ساتھ اس کے چودھری صاحب (م) کا مودت  
 نامہ پہنچا۔ دونوں نگارشیں جواب طلب نہ تھیں۔ کل میں نے ایک  
 جہاسے کی کتاب کا پاسل (م)، جس کا عنوان سید فرزند احمد کے نام

(۱) میں نے میرزا کی تصحیحات پر بھر لگا دیے ہیں تا کہ خواندگان کرام  
 کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔

(۲) صاحب عالم مارہروی۔

(۳) چودھری عبدالغفور سرور مارہروی۔

(۴) غالباً یہ میرزا کی مشوی اور گہریار تھی۔ جو ایک مرتبہ الٹ بھی  
 چھاپی گئی تھی اور اس کے ساتھ میرزا کے دو قصیدے نیز کچھ اور  
 کلام چھپا تھا۔ صبر نے ”ابر گہریار“ کی مدح میں ایک مشوی لکھی تھی۔



کا ہے ، ارسال کیا ہے ۔ آپ بھی بد نظر اصلاح مشاہدہ کیجیے گا ۔ ہاں ،  
پیر و مرشد ! فارسی کی کلیات کو بھی کیجیے آپ دیکھتے ہیں یا نہیں ؟  
تبہ قول ان شافقہ خاں ”یہ میری عمر بھر کی ہو چکی ہے۔“

جناب سید فرزند احمد صاحب سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام و پیام  
پہنچا کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور ان کے اخوان کو اور حضرت مقبول عالم  
کو میرا سلام کہیے گا اور جناب چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہہ کر  
یہ فرمائیے گا کہ وہ اپنے عم نامدار اور استاد عالی مقدار کو میرا سلام کہیں ۔  
رحمت تبلیغ سلام و پیام تقدیم خدمت اصلاح کا دست مزد (۱) ہے ۔ والسلام

یوم الخمیس ذی الحجہ و ۱۲۔ منی سال حال نجات کا طالب ، غالب  
(۱۔ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ۔ ۱۲۔ منی ۱۸۶۳ء)

(۲)

مولوی سید فرزند احمد صغیر کو اس پیر ہفتاد سالہ کی دعا پہنچے ۔ آج میں  
نے لئے لئے حساب کیا کہ یہ سترہواں برس مجھے جاتا ہے ۔ ہاں :

ستہیں عمر کے ستر ہوئے شہار برس  
بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس (۲)

(۱) صغیر نے ایک غزل بھی اصلاح کے لیے بھیجی تھی ۔ جس کا دست مزد  
میرزا نے سلام پہنچانا قرار دیا ہے ۔ غزل میں سے صرف دو شعروں پر اصلاح  
ہوئی ۔ صغیر کے شعر یہ تھے :

خیال روئے تو اے قیلہ نظر کردم ز دیدات نظر خویش پرہ ور کردم  
بلند شد شب ہجران چو سعلہ آہم چراغ ماہ خمیں گشتہ بود بر کردم  
پہلے شعر میں میرزا نے ”تو اے“ کی جگہ ”ترا“ بنا دیا ۔ دوسرے شعر کا  
آخری مصرع یوں بدل دیا :

چراغ ماہ بہ فلک مردہ بود بر کردم

(۲) صغیر بلگرامی نے اس کے جواب میں لکھا :

منا صغیر! یہ کہتے ہیں حضرت غالب بہتا جیوں تو جیوں اور تین چار برس  
مگر بہ پہلے سے امداد تین کی ہے دعا خدا کرے ، مرا غالب جیسے ہزار برس



نامہ۔ عبت افزا کو دیکھ کر آنکھوں میں نور، دل میں سرور آیا اور قصہ ”مروش سخن“ اس کے دوسرے دن پہنچا۔ قصہ دیکھا۔ آپ کے جوہر طبع کی لمعانی اور فکر کی درخشاں بہت جگہ پر پسند آئی۔ اگرچہ وہ قصہ تو بچوں کے سنانے کی کہانی ہے، مگر بحث کی گئی ہے۔ ہاں اگر ”قصائد عجائب“ کا مقابلہ کیا ہے، تو کیا کیا ہے؟ انہیں دیکھتا ہوں، آہندہ اس کی اطلاع دی جائے گی۔ اس میں جابجا ”لاچارہ“ دیکھا ہے۔ ”لاہ“ کا لگنا کاتب کی جہالت ہے۔ ہمارے خدا کی ماز کاتبان نا ہنچار پر۔ یہ میرا ”دیوانہ“ اور ”ہنج آہنگہ“ اور ”سہر نہروزہ“ ستاناس کر کے چھوڑ دیا۔

لو، بس اب میں نواب ضیاء الدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمہارے خط کے جواب نے اتنی دیر تک ان کو چپکا بیٹھا رکھا اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں۔

نجات کا غالب، غالب

۲۸۔ نومبر ۱۸۹۳ء (۱)

(۳)

مخدوم زادہ مرتضوی دودمان، سعادت و اقبال توابعان، مولوی سید نرؤند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ میں نے استصلاح الشعار میں امثال امر کیا ہے تو اس واقعے کو یوں سمجھ لیا جائے کہ میں امیرالمومنین کا بوڑھا غلام ہوں۔ امیر نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ میرے سپرد کیا ہے کہ تو اس کے کلام کو دیکھ لیا کر،

(۱) یہ تاریخ میرے اندازے کے مطابق غلط ہے۔ ۱۸۹۳ء کی جگہ ۱۸۹۴ء ہونا چاہیے۔ ورنہ غالب کی عمر ستر برس نہیں ہوتی۔ اگرچہ میرزا سے بعض اوقات عمر کے حساب میں غلطیاں بھی ہوئی۔ مگر یہاں قرینہ یہاں ہے کہ عمر درست ہو اور تاریخ غلط لکھی گئی یا قتل و کشتاہت میں بدل گئی۔ نیز صلیح کے نام یہ پہلا خط نہیں۔ پہلا خط ۱۲۔ مئی ۱۸۹۴ء کا ہے اور یہ ۱۲۔ مئی ۱۸۹۴ء کے بعد کا ہونا چاہیے۔



ورثہ میں کہاں اور یہ ریاضت کہاں؟ اپنے نانا کی خدمت میں بغیر کی جلدی عرض کیجیے گا۔ اگرچہ حضرت میرے شمعبر ہیں۔ مگر ان کے ابو آلا کا غلام ہو کر سلام کیا لکھوں؟ مجھ کو ارادت میں ان سے نسبت اویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنی نسبت میں چاہیے۔ (۱)

نجات کا طالب، غالب

(۴)

نور چشم، لغت جگر، زیدہ اولاد بیغمبر، حضرت مولوی سید فرزند احمد مجدد، اس درویش گوشہ نشین کی دعا قبول فرمائی۔ بوستان خیال کے ترجمے کا عزم اور دو جلدوں کا منطبع ہو جانا مبارک۔ حضرت! یہ آپ کا احسان عظیم ہے، مجھ پر خصوصاً اور بالغ نظران ہند پر عموماً۔ جناب میر ولایت علی (۴) صاحب سے بعد ارسال قیمت و محصول دو جلدیں مانگی ہیں۔ خدا کرے وہ یہ بارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقم تمہارے پاس بعد۔

۸۔ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ

غالب

(۴۔ اپریل ۱۸۶۵ء)

(۱) اس خط پر "یوم الخمس پنجم ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ" تاریخ درج تھی جو بداعتہ غلط ہے، اس لیے کہ جب صفر کے نام پہلا خط ۱۲۔ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ کو لکھا گیا تو تیسرا خط ۱۲۷۸ھ کا کیوں کر ہو سکتا ہے؟ پھر ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ کا مہینہ ۴۔ مئی سے شروع ہوا اور اس روز جمعہ تھا۔ ذی الحجہ کو جمعرات ہو ہی نہیں سکتی۔ یقین ہے کہ یہ تاریخ میرزا غالب نے نہیں لکھی ہوگی۔ یہ کاتب یا ناقل کی کار فرمائی کا کرشمہ ہے۔ یہ ہر حال یہ ۱۲۸۰ھ کے اواخر یا ۱۲۸۱ھ کے شروع کا ہونا چاہیے۔

(۲) میر ولایت علی اس چھاپہ خانے کے مہتمم تھے، جس میں "بوستان خیال" کا ترجمہ چھپا تھا۔



(۵)

یہ علامہ سہر و محبت ، نور چشم ، سرور دل اور یہ رعایت مہادت مخفوم  
موسوی فرزند احمد صہیر طول القدر عمرہ

اشعار گوہر یار دیکھ کر دل خوش ہوا ، سگر جو مہرے دل میں  
اتر گئے ہیں وہ ہم کو لکھتا ہوں :

ہائے وہ لب ہلا کے وہ جانا ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

ورق ہیں جوشن مضمون گریہ سے بادل

بسان زالہ ہے ہر نقطہ کتاب میں آب

کبھی ہوں گرم ، کبھی سرد حسب موقع و وقت

صہیر آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

عارفانہ اور موحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ :

تم سلامت رہو قیامت تک صحت و لطف طبع روز افزوں

۲۰ ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ بھارت کا طائب ،

(مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۶۵ء غالب

(۶)

نور چشم و سرور دل ، فرزانہ ، مرتضوی گہر مولوی سید فرزند احمد صاحب  
زاد مجدد

اس نسبت عام ہے کہ ہم اور آپ مومن ہیں ، سلام اور اس نسبت  
خاص ہے کہ آپ میرے دوست روحانی کے فرزند ہیں ، دعا اور اس  
نسبت اخص ہے کہ میرے خداوند کی اولاد میں سے ہیں ، بندگی ۔

میں قائل خدا و نبی و امام ہوں

بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب یہ سبیل ایجاز لکھا جاتا ہے ۔ دعائی  
خدا کی مجھے ولایت کے اپیل کی تاب نہیں ۔ نہ تم اپیلانٹ بنو اور



نہ مجھے رسیانڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ ”صبحِ پہار“ کی عبارت فارسی ہے یا اردو اور ما کتب فیہ اس کا کیا ہے۔

چهارشنبه هفتم ذی الحجه ۱۲۸۱ ہجرات کا طالب ، غالب  
(مطابق ۳ مئی ۱۸۶۵ء)

## (۷)

بد علاقہ سہر و محبت و نور جسم و سرور دل و بہ رعایت مبادت غنوم و مطاع  
مولوی سید فرزند احمد طال بقاؤ و زاد علاقہ اس مصرع سے میرا مکتوب خبر دریافت  
فرمائی :

بندہ سادہ خیالیم و ثنا خوان شما

یا رب وہ کون بزرگ ہی کہ سودائی کو مہلتی سمجھتے ہیں؟ اصل  
فطرت میں میرا ذہن تاریخِ معا کے ملائم و مناسب نہیں بڑا ہے۔  
جوانی میں ازراہ شوخی ”طبعِ گنتی کے عامیانہ معنی لکھے ہیں ، وہ مبادی  
کلیات فارسی میں موجود ہیں ، تاریخیں اگر ہیں تو مادے اوروں کے ہیں  
وہ نظمِ قہر کی ہے۔ یہ کلام نہ بہ طریق کسر نفسی ہے ، نہ بہ سبیل  
انحراف ، صبح کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں۔

اس نامہ ”سہر افزا“ کو دیکھ کر مبادی پرستان خیال کی عبارت یاد  
آئی۔ افسوس ہے کہ اس ہیچ سیرز کے اجزائے خطایں اس مسودے کی  
تسویہ کے وقت تک آپ نے نہیں سننے تھے ، ورنہ اس کے کیا معنی کہ  
خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں اندراج نہ پائیں؟ محمد رضا برق کا  
خطاب معلوم تھا (۱)۔ نو آپ نے لکھا ہے۔ حکایت ہے ، شکایت نہیں.....

(۱) سیرزا محمد رضا خاں برق قبح الدولہ بخش الملک ابن سیرزا کاظم علی مصاحب  
خاص و استاد واجد علی شاہ اختر فرمانرواے اودھ۔ بادشاہ معزول ہوئے تو برق  
نے ساتھ دیا۔ کلکتہ گئے۔ دوران ”غدر“ میں بادشاہ کو فورٹ ولیم رکھا گیا تو  
برق نے اس زمانے میں بھی وفات نہ چھوڑی۔ ۱۸۵۷ء ہی میں انتقال ہوا۔

پہلی جلد جس کا نام ”افقِ خیال“ (۱) ہے ، اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق  
ہوں۔ جناب میر ولایت علی صاحب کو تاکید ہے کہ جب اس کا چھاپا  
تمام ہو ، بے طلب بھیج دیں اور معاً قیمت لکھ بھیجیں۔



## شہزادہ بشیرالدین مہسوری

شہزادہ بشیرالدین بن شہزادہ شکر اللہ خان بن ٹیپو سلطان شہید ۔ ٹیپو سلطان کی شہادت (مئی ۱۷۹۹ء) کے بعد انگریزوں نے سلطنت میسور کو چار حصوں میں بانٹ لیا تھا ۔ دوسری حصہ قائم رکھا اور اس کی حکومت سابق ہندو فرمانروا خاندان کے ایک فرد کو دے دی ۔ بڑا علاقہ خود سنبھال لیا ۔ کچھ علاقے نظام اور مرہٹوں کو دے دیے ۔ سلطان کے پورے خاندان کو ویلور کے قلعے میں رکھا ۔ ویلور مدراس سے پچھتر میل جنوب مغرب میں ہے ۔ سو اتفاق سے وہاں ۱۸۰۶ء میں ہلکے ایک ہنگامہ یا ہو گیا اور اس میں شہزادوں کو ملوث سمجھا لیا گیا ۔ لہذا ان سب کو اٹھا کر کلکتہ پہنچایا گیا ، حالانکہ ویلور کی آب و ہوا شہزادوں کے خلاف طبع نہ تھی ، لیکن کلکتہ ان کے لیے نہایت ناخوشگوار مقام تھا ۔

شہزادہ بشیرالدین متخلص بہ توفیق نے کلکتہ میں پرورش پائی ۔ علم سے طبیعت کو خاص مناسبت تھی ۔ عربی و فارسی میں کمال حاصل کیا ۔ شعر بھی کہتے تھے اور میرزا غالب سے تعلق ، شعر و سخن سے دل بستگی ہی کے باعث ہوا ۔ غالباً شہاب الدین احمد خان ثاقب اس سلسلے میں واسطہ بنے ہوں گے ۔

شہزادہ بشیرالدین نے زیادہ تر عقلی علوم مولوی عبدالرحیم گورکھ پوری سے پڑھے تھے ، جو عقلیت میں توغل کے باعث دھرم مشہور ہو گئے تھے ۔ مہد احمد شہید سفر حج کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے تھے تو انہیں



شہزادہ موصوف نے دعوت دے کر اپنے ہاں بلایا تھا۔ ۱۳۰۲ھ-۱۸۸۵ء  
میں وفات پائی۔ عبدالغفور خان نساخ نے تاریخِ وفات میں دو مادے نکالے۔  
چند شعر بطور نمونہ کلام درج ہیں :

دلے آرزوہ داری ازین خواہی خوشتر چہ مے خواہی  
درون سادہ داری ، ازین خواہی خوشتر چہ مے خواہی  
شدی توفیق گرے چیز ، ہا گردون دون مستیز  
ز فیض طبع گوهر ریز گچے از گہر داری  
نہ دیدہ است کس از شاخ حشک میوہ تر  
بجز قلم کہ دھد میوہ تر و شیریں

(۱)

پیر و مرشد سلامت ،

اعضا فرسودہ اور بوڑھے ہو گئے ، روح ان میں دوڑتی نہیں بھرتی ، مگر  
ابھی مفارقت نہیں کر گئی۔ خدا جانے کس ممکن (۱) میں ہے۔ توبی  
لکھے ہو گئے۔ اب وہ کام جو ان سے متعلق تھے، بند ہو گئے۔ آپ  
کا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجا لانی دل سے تعلق رکھتی ہے۔  
وہ لطیفہ غیبی یعنی روح کے کام ہیں۔ جب تک وہ باقی ہے ، سرانجام  
پاتے جائیں گے۔

”خاکم بدن“ واسطے اقوال کے ہے۔ جب کوئی کلمہ مکروہ  
طبع کہتے ہیں تو ”خاکم بدن“ کہہ لیتے ہیں :  
بر خاک بہ ریختی منے ناب مرا ”خاکم بدن“ ، مگر تو مستی ری  
اور ”خاکم بسر“ اور ”خاکم بفرق“ عام ہے ، جیسا کہ میں ایک  
شہزادے (۲) کے مرثیہ میں کہتا ہوں :

(۱) جھینے کی جگہ۔ کہیں گہ۔

(۲) شہزادہ فرخندہ شاہ ابن بہادر شاہ ظفر کے مرثیے میں۔ ملاحظہ فرمائیے کلیات  
نظم فارسی (ص ۶۰-۶۳)



اے اہل شہر مدفنِ اہی دودمان کجاست ؟  
 ”خاکم بہ فرق“ خواب گہ خسروان کجاست ؟

استاد (۱) :

”خاکم ہسر“ کہ عاشقی کار آزمودہ ام  
 دایم کہ با رلیف بغلوت چہا رود  
 آب کے ہاں اور مولوی روم کے ہاں ”خاکم بدھن“ کا متوقع نہیں، جیسا  
 کہ مولوی معنوی نے نہیں لکھا، حضرت بھی اپنے ہاں نہ لکھیں :  
 فرق است دویانہ کہ بسیار نازک است  
 لہات کا طالب، غالب

(۲)

پیر و مرشد برحق سلامت،

تقصیر معاف، میں مدعی اور آپ مدعا علیہ بھی اور خاکم بھی وجہ استغاثہ  
 یہ کہ آپ نے مجھے اپنے حلقہٴ ادارت سے خارج کر دیا۔ عرائض جواب طلب  
 کا جواب نہیں۔ ایک عنایت نامہ ”سابق“ میں :

آب ز لہل میروں بر پر چنگ

یہ جملہ مرکبہ لکھا ہوا تھا، میں اس کو بڑھ بھی۔ نہ سکا، معنی نو  
 علاوہ رہے۔ میں نے عریضہ لکھا اور جملے کی حقیقت حال کا انکشاف  
 چاہا۔ اب تک جواب نہیں پہنچا۔ جی گھیرا رہا ہے۔ جب تک اس کا جواب  
 نہ پاؤں گا، آرام نہ آئے گا۔

برخوردار اقبال تسان میرزا شہاب الدین خان بہادر (۲) کی زبانی آپ کے

(۱) یہ شعر مصطفیٰ خان صاحب شیفہ و حدادی کا ہے۔

(۲) ثاقب بن نواب ضیا الدین احمد خان نیر۔



مزاج مبارک کی خیر و عافیت سنی، مگر وہ جو تحریر دستخطی سے تسلی فوق  
 ہے، وہ کہاں! حضرت اب تو خالصاً شہ والرسول میرا گناہ معاف اور دستخط  
 خاص سے مجھ کو اس جملے کے معانی لکھ بھیجے۔ زیادہ حد ادب۔  
 غلو جرم کا طالب، غالب

(۳)

ہندہ برور،

سامبرانی نامہ آیا، سر بر رکھا اور آنکھوں پر لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے  
 اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ ہر تنج کلام اعلیٰ زبان، لیکن نہ  
 اشعار قلیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ  
 ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔  
 نہ ترکیب فارسی، نہ معانی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ عافیانہ جو اطفال  
 دیستان جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں دوج کرتے ہیں، وہ  
 الفاظ فارسی یہ لوگ قلم میں صرف کرتے ہیں۔ جب رود کی و  
 عنصری و خاقانی و رشید و طواط اور ان کے امثال و نظائر کا کلام یہ استیفا (۱)  
 دیکھا جائے اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی ہم پہنچے اور ذہن اعوجاج کی  
 طرف نہ لے جائے، تب آدمی جانتا ہے کہ یہ فارسی ہے۔  
 منکہ باسم (۲) الخ

اس کی شرح جو جہاں میں لکھی ہے اس کو ملاحظہ کیجیے اور معانی  
 میرے خاطر نشان کیجیے تو میں سلام کروں۔

پہلے نظر یہاں لڑی چاہیے کہ ”از اوج بیان انداختہ“ کا فاعل کون ہے

(۱) ہوا۔ تمام۔

(۲) حرف کے اس شعر کی شرح میرزا چودھری عبدالغفور سرور مارہروی  
 کے خط میں بھی لکھ چکے ہیں۔



اور مفعول کون ہے۔ اگر ”عقل کل، کو ”انداختہ“ کا مفعول اور ”منکدہ“ کے کف کو کدلیہ ٹھہراؤ گے، تو بے شبہ ”انداختہ“ کے فاعل دو ٹھہریں گے: ایک ”ناوک انداز ادب“ اور ایک ”مرغ اوصاف نو“۔ ایک فعل اور دو فاعل، یہ کیا طریق اور کیسی عقیق ہے؟

اب حقیر سے اس کے معنی سنئے۔ ”من انداختہ“ کا مفعول ”را“، ملکہ، ”منکدہ“ کا ”کف“، توصیفی، ”ناوک انداز ادب“، ادب آموز یعنی استاد، ”مرغ توصیف نو“، فاعل: مجھ کو، کہ عقل کل کا استاد ہوں، میرے مرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا۔ ”عقل کل، نک کہ وہ غلوئوں میں اعلیٰ ہے، اس کا ناوک پہنچ سکتا تھا، مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے، جہاں اس ”ناوک انداز“ کو ناوک کے پہنچانے کی گنجائش نہیں، اوج بیان سے گرنا، عاجز آ جاتا ہے۔ قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ کیا اچھا مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز یا وجود دعوئے قدرت! ۱۲

ایثار تو بر دوختہ (۱) چشم و دھن آز

اس کے معنی تو وہی ہیں جو جہانے میں لکھے ہیں۔ مصرع ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا۔

”احسان تو ہر قطرہ دریا ہنگامت، تا ہم بید حساب نہاد“۔ یہ ہیچمدان اس معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے، مگر خیال میں جب آئے گی کہ احسان کے مسائل معلوم ہوں۔ کمال ایثار

(۱) یہ شعر بھی عرفی ہی کا ہے:

ایثار تو بر دوختہ چشم و دھن آز

احسان تو ہنگامت ہر قطرہ ہم را



وسطا میں ہر وارہ و باقوت و بحر و معدن کی گہیختی آتی ہے ۔  
 لعل و در کا معلوم ہو جانا اور ہر و کان کا خالی وہ جانا ، نئی نئی طرح  
 سے باندھا ہے ۔ چنانچہ میں نے کسی زمانہ میں اس زمین میں ایک  
 قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا ، اس میں کے دو  
 شعر یہ آپ کو لکھتا ہوں :

تاسوس لکھ داشتی از جود یہ گیتی جز پردگیان حرم معدن و ہم را  
 وقت است کہ این قوم یہ ہر کوچہ و بازار پرست ز ہم منشأ و سوائی ہم را  
 ”پردگیان حرم معدن و ہم، لعل و گوہر ، جو کثرت اہلار سے کوچہ و بازار  
 میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں ، وہ یا ہمدگر دردمندانہ یہ گفتگو  
 کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی  
 آبروئیں بچائیں ۔ ہم کو اس قدر بے حرمت و ذلیل کیوں کو رکھا  
 ہے ؟ قطرۂ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا ، بے حساب ہے ۔ منصود عربی  
 کا یہ ہے کہ جننے موقی دریا میں ہاتھ آئے ، وہ بخش دے اور  
 بخش کا ذوق باقی رہا ۔ چونکہ قطرہ میں بالقوہ استعداد موقی ہو جانے  
 کی ہے ، سو اس احتمال سے ہر قطرۂ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر  
 موقی ہاتھ آئیں ، تو وہ سائلوں کو دے جائیں ۔ چلے مصرع میں  
 حرص کا سیر کو دینا ، موافق مسلمات شعراء کے منع اور اس کا وقوع  
 میں آنا ، الحراق ، دوسرے مصرع میں باحتیال استعداد بالقوہ قطرے کو  
 چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرے کو ، یہ الحراق سے گزر  
 کر تبلیغ و غلو ہے ۱۲

داد کا طالب ، غالب

(م)

ہم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار  
 آج منگل ، ۱۶۔ جون ۱۸۶۷ء بارہ بجے غناہت نامہ آیا ۔ سرنامہ دیکھ کر



سفید صبح مراد سمجھا۔ لنگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر لنگا نہ ہوتا تو گریبان بھاڑ ڈالتا۔ اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر بھونٹتا اور کیوں کر اس لمح کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھچوا کر یہ صورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا۔

لغافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خاں سے لکھوا کر یونگ ارسال کیا۔ اس فرمان میں اس لغافے کی رسید نہ باقی۔ ظاہرًا ڈاک پر ڈاکو گرے اور میرے ہنگر نے روح (۱) کے ٹکڑے اڑا دیے۔ مے تاب ہو کر یہ عبارت حضرت کو بھیجی ہوئی، لغافے میں لپٹ کر روانہ کی۔ اب جب آپ اور لغافہ بھیجیں گے تو مطالب باقی کا جواب مع اوراق اشعار بھیجوں گا۔ زیادہ حد ادب۔

## (۵)

در برشتی سیم و در کچھوئی استوار

بادشہ را بندہ کم خدمت و پر خوار هست

حضرت پیر و مرشد برحق، روز افزونی کاشت اب اس حد کو پہنچی ہے کہ :

تقسیم جزو لا یتجزی محال ہے

آگے باد زمہریر نے لبو خشک کر دیا تھا، اب آتش دوزخ نے رہا سہا جلا دیا (۲)۔ کل عنایت نامہ آیا۔ آپ جو رقم فرماتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں بھیجا، مجھ کو بالوصف استیلائے نسیان خیال میں آتا ہے کہ میں حضرت کے فرمان کا جواب لکھ چکا ہوں۔

(۱) تصویر۔ (۲) زمہریر سے سرما اور آتش دوزخ سے گرم مراد ہے۔



ڈاکٹریے اب ڈاکو ہو گئے ہیں۔ اگر وہ لفظ ڈاک میں تلف ہو گیا تو  
 کچھ بعید نہیں۔ متوقع ہوں کہ اس کا نہ پہنچنا میری نارسائی بخت  
 کی تاثیر سمجھنا چاہیے۔ میں مجرم نہ ٹھہروں۔ زیادہ حد ادب۔

روزِ دو شنبہ ، ۱۱۔ اپریل ۱۸۶۸ء      نجات کا طالب ، طالب



## جواہر سنگھ جوہر اور ہیرا سنگھ درد

دہلی میں میرزا غالب کے ایک نہایت عزیز دوست رائے چوہج مل کھنری تھے۔ ان کے نام کاہات نثر فارسی (پنج آہنگ) میں پانچ خط ہیں، جو سفر کلکتہ کے دوران میں لکھے گئے۔ ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے حسام الدین حیدر، مولانا فضل حق خیرآبادی اور گہر کے خطوط بھی رائے صاحب موصوف ہی کی وساطت سے بھیجے تھے۔ ایک خط میں یہ بتائے ہیں کہ معتدالقولہ آغا میر نائیب السلطنت لکھنؤ کی کرم پیشگی اور ایض رسائی کے متعلق جو کچھ سنا تھا، وہ بالکل بے اصل ثابت ہوا۔ ایک خط میں جو بظاہر بنارس سے لکھا گیا، رائے صاحب کو یہ شعر تحریر فرمایا :

مغلوب سطون ہم دل، غالب حزیں      کاندورتلی زضعف نوال گنت جان نہ بود  
گویند زلفہ تا بہ بنارس رسیدہ لب      ”مارا ازیں کیلہ ضعیف این گان نہ بود“  
ایک خط میں رائے صاحب کو ”علاقہ سقاوت زبہ النساء یکم صاحبہ“  
پر مبارک باد دیجئے ہیں۔ ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰-۶۱ء) میں رائے صاحب کا انتقال ہوا تو میرزا نے تاریخ کہی :

گویند رائے چوہج مل شیریں کلام مرد      دہرینہ دوست وقت ازیں ننک نا درین  
گنم کسی ز سال ولاتش نشان دہد      غالب بنید و گنت چہ گویم ”بہا درین“  
منشی جواہر سنگھ جوہر اور منشی ہیرا سنگھ درد رائے چوہج مل ہی کے  
فرزند تھے، دونوں نے میرزا سے استفادہ کیا اور دونوں کو میرزا بیٹوں کی  
طرح یاد کرتے تھے۔ جوہر تحصیلدار ہو گئے تھے، جیسا کہ ان کے خطوط سے



ظاہر ہے ۔ میرزا کی وفات سے پیشتر ہنسن لے چکے تھے ۔ ”ہنچ آہنگ“ میں ان کے نام بھی نہیں خط ہیں ۔ ان کی شادی اس زمانے میں ہوئی تو جب میرزا کلکتہ گئے ہوئے تھے جیسا کہ خود میرزا نے اسے جلیج مل کو مبارک یاد دیتے ہوئے لکھا ہے کہ میری دعوت کا رویہ الگ رکھو دہلی آؤں گا تو دعوت کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا (کاپات نر غاوسی ص ۱۶۰) جوہر صرف فارسی شعر کہتے تھے ۔ ”اردوئے معلیٰ“ اور ”تالعی برہان“ کی طباعت کی تاریخیں موجود ہیں ۔ اردوئے معلیٰ کی ترتیب میں حصہ لیا ۔ میرا سنگھ کو ملازم کرائے میں میرزا نے جو کوششیں کیں، وہ بجائے خود اس امر کا ثبوت ہیں کہ انہیں اپنے دوست کے ہنسن سے کتنا پیار تھا ۔

## (۱)

برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعا سے دوام عمر و ذوات معلوم ہو، خط تمہارا پہنچا، خبر و عافیت تمہاری معلوم ہوئی۔ قطعے جو تم کو مطلوب تھے، ان کے حصول کے لیے جو کوشش میرا سنگھ نے کی ہے میں تم سے کہ نہیں سکتا۔ نری کوشش نہیں، رویہ صرف کیا۔ پندرہ روپے جو تم نے بھیجے تھے وہ، اور بیس روپے روئے اور صرف کیے۔ نانچ بانچ اور چار جاو روئے اور دو دو روئے کو قطعے مول لیے اور بنوائے۔ خرید میں روئے جدا دے اور بنوائے میں روئے جدا لگائے۔ دوڑتا پھرا۔ حکیم (۱) صاحب کے پاس کئی بار جا کر حضور والا (۲) کا قطعہ لایا۔ اب دوڑ رہا ہے ولیعہد بیادر کے دستخطی قطعے کے واسطے (۳)۔ یقین ہے کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آئے اور بعد اس قطعے کے ہاتھ آئے گے وہ سب کو لکھا کر کے تمہارے پاس بھیج دے گا۔ مدد میں بھی اس کی کر رہا ہوں، لیکن اس نے بڑی سست کی۔ آفریں صد آفریں! پندرہ روئے میں سے ایک رویہ اپنے صرف میں نہیں لایا اور ماں کو

(۱) غالباً حکیم احسن اللہ خان۔ (۲) بیادر شاہ ظفر۔

(۳) شہزادہ غلام نیر الدین غلام بہ نوح الملک۔



عاجز کر کے اوس سے بہت روٹنے لگے۔ جب سب قطعے تمہارے پاس پہنچیں گے، تب اس کا حسن خدمت تم پر ظاہر ہوگا۔

کیوں صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا (۱)۔

اسد اللہ

## (۲)

برخوردار،

تمہارے خطوں سے تمہارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور ہیرا سنگھ کا ادھر آنا معلوم ہوا۔ ہاں لالہ چیمبل اکثر بیمار رہتے ہیں ان دنوں میں خصوصاً اس شدت سے نزلہ چھاتی پر گرا کہ وہ گھبرا گئے اور زیست کی توقع جاتی رہی۔ ہمارے کچھ صحت ہو گئی ہے۔ بھائی بہ

(۱) ۱۸۳۶ء کے اوائل کا ہوگا۔ میرزا نے فارسی کے ایک خط میں جوہر کو لکھا تھا کہ ہمارے لیے لنگی بھیجو۔ فرماتے ہیں:

کلمے از پوست برہ داشتم۔ حالیاں را کرم خورد و سرم بے کلاہ ماند۔ گرچہ کلمے جویم، اما لنگ ایرشمنی، چنانکہ در ہنار و ملان سازند واعیان آن قلمر و بسر بیچند، سے خواہم، اما لنگے کد رنگہائے شوخ برقایانہ نہ داشتہ باشد و معہذا برداز ہائے نازک و طرز ہائے فخر داشتہ باشد و تارہائے زرد و سیم را در آن صرف نہ کردہ باشند و ایرشمن سیاہ و سبز و کیبود و زرد در باطن آن بکار رختہ باشد و غالب کہ دران دیار این چنین منابع زود و آسان بدست آید۔ جوئید و بیم رسانند (کلیات نثر فارسی ص ۲۰۰)۔

یہ خط یکم دسمبر ۱۸۳۸ء (۱۲۶۰ محرم) کو لکھا گیا تھا۔ لنگی کا تقاضا اس سے کچھ عرصہ بعد ہی کیا ہوگا۔ میرزا خود لکھتے ہیں بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا۔



آفتاب سر کروہ ہیں۔ ”ہیرا“ کا ان کے پاس رہنا اچھا ہے۔ تم سے جو ہو سکے گا تم اس کے مصارف کے واسطے مقرر کر دو گے۔

غزل تمہاری ہم کو پسند آئی۔ اصلاح دے کر بھیج دی گئی۔ اس کا تم خیال رکھنا کرو کہ کسی لفظ کو کسی معنی کے ساتھ بیوند ہے :

چرا نہ پاس بیان امیدوار افتد

یہاں ”افتد“ سبھل ہے۔ ”پاس بدل افتادن“ و ”پاس بیان افتادن“ روز مرہ نہیں۔ اور بھی کئی ”افتد“ ایسے ہی ہیں :

سیاہ بختم اگر بر سرم گزار افتد      بیان سایہ من نیز سوگوار افتد  
سوگوار ہونا سامنے کا یہ اعتبار سیامی رنگ ہے۔ اب یہاں دونوں ”افتد“ ٹھیک ہیں۔ گزار افتادن روز مرہ اور دوسرا ”افتد“ یہ معنی ”واقع شود“ :  
شہید ام ، بچائے تو میثاقست عدو      چرا نہ شور بیان امیدوار افتد  
شور افتادن روز مرہ ہے اور ”پاس افتادن“ غلط :

یہ حیرم کہ ز دوزخ کسان دوزخ را      کجا برد جو آہم شرارہ ہار افتد  
یہاں ”افتد“ یہ معنی ”واقع شود“ ٹھیک :

نہ گیرم و تہ مسلای ، یہ حیرم کہ مرا      سوائے دوزخ و مینو کجا گزار افتد  
یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے ، آفریں :

قرار در وطن افسردہ مے کند دل را      خوشا غریب کہ دور از دیار و یار افتد  
یہاں بھی ”افتد“ صحیح و بامعنی :

نہم رقیب کہ رسوائیم خجل نکند      خوش است بیشم اگر یار بردہ دار افتد  
یہاں بھی ”افتد“ یہ معنی ”واقع شود“ :

تو ، کہ شیوہ دگرگوں کنی بہ زعم ہن      گر ز جفا بر وفا قرار افتد  
”افتد“ یہاں بھی ٹھیک ہے۔ بات اتنی ہی تھی کہ ”بود“ گدلا لفظ



تھا۔ ”کئی“، صاف ہے (۱) :

خط رخ تو بدل دادہ خط آزادی خوشم کہ در شکن زلف ناپہدار اند  
وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہو گئی۔ معنی کا عبار کامل ہو گیا (۲) :

چمکد ز خامہ جوہر معن جہاں کہ مگر بوزر موج دُور از بھر برکنار اند  
دولت و اقبال روز افزون روزی باد

نگاشتہ شبہ - نیم اپریل ۱۸۵۳ء از اسد اللہ

(۳)

برخوردار کامکار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو  
ہلب گڈہ کی تحصیلداری مبارک ہو۔ پہلی سے نوح آئے۔ نوح سے  
ہلب گڈہ گئے۔ اب ہلب گڈہ سے دلی آؤ گے (۴) ، ان شاء اللہ۔

سنو صاحب ، حکیم میرزا جان ، خلف الصدف حکیم آغا جان صاحب کے ،  
تمہارے علاقہ تحصیلداری میں بصفہ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں  
ان کے والد صاحب میرے پچاس برس کے دوست ہیں۔ ان کو اپنے بھائی کے  
برابر جانتا ہوں۔ اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بھتیجے اور تمہارے  
بھائی ہوئے۔ لازم ہے کہ ان سے یکدل و یک رنگ رہو اور ان کے مددگار بنے رہو۔  
سرکار سے یہ عہدہ بصفہ دوام ہے۔ تم کو کوئی تنی بات پیش کرنی نہ  
ہوگی۔ صرف اسی امر میں کوشش رہے کہ صورت اچھی بنی رہے۔ سرکار کے  
خاطر نشان رہے کہ حکیم میرزا جان ہوشیار اور کار گزار آدمی ہے۔

غالب

۲۔ فروری ۱۸۶۳ء

(۱) مطلب یہ کہ جوہر نے ”کئی“ کی جگہ ”بود“ لکھا تھا۔

یعنی اس کا مصرع یوں ہے :

ترا کہ نبوہ دگرگوں بود بہ زعم ہاں

میرزا نے ”کئی“ بنا دیا۔

(۲) بظاہر اس شعر میں بھی غالب نے اصلاح دی اور اصلاح شدہ شعر لکھا۔

(۳) مطلب یہ کہ پہلے تم پہلی میں تھے، جو ضلع سرسہ میں دہلی سے  
خاصی دور ہے۔ پھر نوح ضلع گڑگانوہ میں تبدیل ہوئے اب ہلب گڈہ میں گئے  
جو دہلی سے قریب ہے۔ آہستہ تبدیلی ہوگی تو ان ان شاء اللہ دہلی ہی کی ہوگی۔



## منشی ہیرا سنگھ درد

(۱)

فرزند دلہند سعادت مند ، منشی ہیرا سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول ہوں اور ان کے جتنے مطالب و مآرب (۱) ہیں وہ عنایت الہی سے پورے ہوں۔

بیانی ”لب ساحل“ کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا :

مدنے آن گداے خوین دل بود نبحالہ لب ساحل  
 ”لب بام“ ، ”لب فرش“ ، ”لب گور“ ، ”لب جاہ“ ، ”لب دریا“ ،  
 ”لب ساحل“ یہ معنی کنارے کے ہے ، مستعمل اہل ایران - ”لب بام“  
 اس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائیے تو دھم  
 سے انگڑائی میں آئیے۔ پس ”لب دریا“ اسے سمجھیے جہاں سے قدم  
 بڑھائیے تو پانی میں جائیے۔ ”لب ساحل“ وہ ہوا، جہاں سے آگے  
 بڑھے تو دریا میں گرے۔ ”لب دریا“ سے بانو دریا میں رکھا جاتا  
 ہے ، جیسا نہانے کے واسطے اور ”لب ساحل“ سے دریا میں کودنے  
 ہیں ، جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں ”لب بام“ سے تیرا کہ کودنے  
 ہیں۔ اسی طرح تیرا کہ جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے ،  
 وہاں کٹڑائے کے کنارے ہر سے کودنے ہیں۔ کٹڑا ”ساحل“ اور  
 کٹڑائے کا کنارہ ”لب ساحل“۔ جو صاحب کہ لب ساحل کو  
 صحیح نہیں جانتے کہا وہ طالب آملی کو بھی نہیں مانیں گے ؟ اور  
 اس لفظ پر اعتراض کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے  
 گلستان بوستان کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر مدت تک  
 قذما کی تصنیفات نظر میں رکھیں گے تو یہیں ہے کہ دیکھ لیں گے۔

نہایت کا طالب ، غالب

(۱) حاجی ، ضرورتی۔



نور چشم غالب غم دیدہ ، منشی ہیرا سنگھ کو دھا پہنچے ۔ تمہارا خط بھرہ ۱۱ جنوری پہنچا ۔ دورے کا سفر بارے تمام ہوا ۔ اب جاڑے کے دن آرام سے کاٹو ۔ گھبراؤ نہیں ، سال بھر بڑھائے جاؤ ۔ جب لڑکا شد بد سے آگے ہو جائے ، تب لڑہی کمشنر سے ترقی کی درخواست کرنا ۔ اگر نائب تحصیلدار ہو جاؤ گے تو رفتہ رفتہ اکسٹرا اسسٹنٹ ہونے کی گنجائش ہے ۔ مدرسے کے علاقے میں نو نوکر نہیں ہو جو بابو پیارے لال کو تمہاری بدلی کا اختیار ہو ۔ زہار میں اس باب میں نہ بابو صاحب سے کہوں گا اور نہ بد خط تمہارا منشی جواہر سنگھ کو دکھلاؤں گا ۔

تاحق الجہو کہوں ؟ اس الجہنے سے لائقہ کیا ؟ خاطر جمع رکھو :

کہ رحم گر نکند مدعی ، خدا نکند

میں ویسا ہی ہوں جیسا تم دیکھ گئے ہو اور جب تک جیوں گا ، ایسا ہی رہوں گا ۔

غالب

۱۴- جنوری ۱۸۶۸ء



## سید بدرالدین کاشف

حضرت خواجہ باقی باللہ کی اولاد میں سے تھے اور ”قبر بدرالدین“ کہلاتے تھے۔ نسب نامہ یوں ہے: قبر سید بدرالدین بن خواجہ سید احمد، بن خواجہ سید محمد، بن امہ الباقی بیگم بنت خواجہ رحمت الہی، بن خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خورد بن حضرت خواجہ باقی باللہ رح۔ محتومہ امہ الباقی بیگم کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک میر سید محمد معین کے پوتے قبر بدرالدین تھے۔ دوسرے شاہ نظام الدین عرف شاہ جی۔ وہ امرا میں محسوب تھے۔ انہیں کے پوتے سید علی الدین عرف نواب بڈھن تھے، جن کا ذکر میرزا نے ”لحد“ کے سلسلے میں کیا ہے۔ قبر بدرالدین کے چچا میر سید علی گوالیار میں رہتے تھے اور خود قبر موصوف نے بھرت پور میں امامت اختیار کر لی تھی۔ ان کی جاہداد بھی خاصی تھی اور بھرت پور سے بھی وظیفہ مقرر ہوگا، ورنہ وہاں مقیم ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

قبر سید بدرالدین کے روابط نواب غلام حسین خاں مسرور (ہم زلف نقالب) اور حسین میرزا سے بہت گہرے تھے۔ میرزا نے ایک مکتوب میں لکھا:

”تمہارے بیٹا غلام حسین مرحوم کا بیٹا حیدر حسن خاں خدا ہی خدا ہے جو چاہے۔“



اس سے مراد عینی اور حقیقی برادری نہیں بلکہ ذاتی تعلق کی اخوت ہے۔ فقیر صاحب کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

### (۱)

خدمت و مکرم جناب فقیر صاحب کی خدمت عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا اور مجھ کو کچھ آپ کا حال معلوم نہیں۔ بابو صاحب خدا جانے کہاں ہیں اور کسی کام میں ہیں۔ ان کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں۔ منشی ہرگوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر اور تمہاری خبریت کہ گہ دریافت ہو جاتی تھی۔ سو وہ بہت دنوں سے علی گڑھ میں ہیں۔ اگرچہ خط ان کے آتے رہتے ہیں، مگر ان کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں اور تم سے تو بعد ہی ہے۔ پھر تمہاری خبر و عاقبت کیا لکھوں۔

یہ ہر حال، مقصود اس تحریر سے یہ ہے کہ نواب میر علی قلی خان صاحب آپ سے ملیں گے۔ یہ بہت عالی خاندان ہیں۔ نواب ذوالفقار خان اور نواب اسد خان (۱) کی اولاد میں سے ہیں اور تمہارے ماسوں

(۱) آصف الدولہ اسد خان جملہ الملک۔ نام ابراہیم، شاہ جہاں کے عہد میں ملازم ہوا چونکہ اس کی شادی ارجمند بانو بیگم ممتاز محل کی ہمشیر اور آصف خان وزیر کی بیٹی سے ہو گئی تھی، اس لیے جلد اعلیٰ مناصب پر پہنچ گیا۔ عالمگیر کے آخری عہد میں وزیر اعظم تھا۔ بہادر شاہ اول نے اسے عہدہ وکالت پر مامور کر دیا تھا۔ اسیرالامرا ذوالفقار خان نصرت جنگ، اسد خان کا بیٹا تھا، نام اسماعیل، اس کی شادی اسیرالامرا شاہستہ خان کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ عہدہ عالمگیری کا ممتاز امیر تھا۔ بہادر شاہ اور جہاندار شاہ کے عہد میں بھی ممتاز رہا۔ فرخ سیر نے دہلی پہنچتے ہی اسے قتل کرا دیا تھا۔ باپ نے خود اس واقعہ کی تاریخ کہی:



صاحب یعنی نواب محمد میر خان (۱) کے بڑے دوست ہیں۔ آپ یہ نوکری کی جستجو میں نکلتے ہیں۔ آپ ان کی تعظیم و توفیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور راج کا حال سب ان پر ظاہر کریں اور اعلیٰ سرکار سے ان کو ملوا دیں اور باپو صاحب کو جو ان سے ملوانے تو یہ میرا خط جو آپ کے نام کا ہے، جناب باپو صاحب کو پڑھا دیجیے۔

کہا خوب ہو کہ یہ اوس سرکار میں نوکر ہو جائی اور اگر نوکری کی صورت نہ پئے تو راج سے ان کی رخصت بہ آئین شائستہ عمل میں آوے۔ نواب اسد خان عالمگیر کے وزیر تھے۔ اور فرخ میر ان کا بلھایا ہوا تھا (۲)۔ جب فرخ میر نے ذوالفقار خان کو مار ڈالا تو از روئے

ہاتف شام غریباں یا دو چشم خون فشان  
گفت ابراہیم، اسماعیل را قربان محمود

خود اسد خان نے بھی لائق فرزند کے غم میں گھول گھول کر اور گردش روزگار کے صدمے سے کہ کر نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہی ذوالفقار خان نصرت جنگ تھا، جس کے لیے ناصر علی سرحدی نے مشہور مطلع کہا تھا :

اے شان حیدری و جبین تو آشکار  
نام تو در تہرہ کند کار ذوالفقار

(۱) سید محمد میر خان، بن شاہ نظام الدین، بن اسد الیق بیگم، بنت خواجہ رحمت الہی بن خواجہ عبدالقہ معروف بہ خواجہ خورد بن حضرت خواجہ باق باللہ مرحوم و مدفون۔

(۲) تاریخی اعتبار سے یہ صحیح نہیں کہ فرخ میر کو تخت پر بٹھانے کا ذمہ دار اسد خان تھا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۷۱۳ء میں جنگ آگرہ کے بعد اسد خان نے مزید خونریزی رکوا دی اور فرخ میر تخت نشین ہو گیا، اگرچہ اس نے اسد خان اور اس کے بیٹے سے اچھا سلوک نہ کیا اور خود بھی مظلوم مارا گیا۔



کتاب نوارِخِ ظاہر ہے کہ سلطنت کیسی برہم ہو گئی اور خود فرخ سیر  
پر کیا گزری۔ قصہ کونہ ان کی قریب میں جو مدارِ آپ صرف  
کریں گے اور جس قدر آپ ان کی پیوند میں کوشش کریں گے، احسان  
مجھ پر ہوگا۔ زیادہ، زیادہ۔

۱۸۵۳ء

اسد اللہ

(۲)

حضرت مخدوم و مکرم و معظم جناب فقیر صاحب دامتہ برکاتہم۔ بعد  
بندگی عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا۔  
بابو صاحب کے واسطے میرا دل پیٹ چلا۔ زمانہ ان دنوں میں اون  
سے برسرِ امتحان ہے (۱)۔ پروردگار اون کو سلامت رکھے اور صبر و شکیب  
عطا کرے۔ علاوہ مساعیت روزگار کی وہ صورت، شدائد رنج سفر کی  
وہ حالت، ناسازگاری مزاج کا وہ رنگ۔ ان سب باتوں سے علاوہ یہ  
کتنی بڑی مصیبت ہے کہ جوان داماد مر جاوے اور بیٹی بیوہ ہو جاوے۔  
مرگ و زیست کا سرِ رشتہ خدا کے ہاتھ ہے، آدمی کیا کرے۔ دل پر  
جو میرے گزری وہ میرا دل جاتا ہے، ہاں بسببِ ظاہرِ تعزیت نامہ  
لکھنا چاہیے۔ حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں تو کس نے پر لکھوں؟  
ناچار ابھی نام ل ہے۔ جب وہ بہت پور آجائیں تو آپ اون کے آنے کی  
مجھ کو اطلاع دیجیے گا۔ کچھ لکھ بھیجوں گا۔

نواب علی تقی خاں صاحب کے خط کے جواب میں، جو آپ نے مجھ کو  
لکھا تھا، وہ مجھ کو یاد رہے گا۔ جب نواب صاحب آجائیں گے، میں  
اون کو سنبھا دوں گا۔

آپ ہندی اور فارسی غزلیں پانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی  
نہیں کہی۔ ہاں ہندی غزلیں قلم کے مشاعرہ میں دوچار لکھی تھیں،

(۱) وجہ سیرا نے خود آگے چل کر لکھ دی ہے۔ یعنی جانی پانگے لال کے  
داماد کا انتقال اور بیٹی کی بیوگی۔



سو وہ یا تمہارے دوست حسین میرزا صاحب کے پاس ہوں گی یا ضیاء الدین خان صاحب کے پاس۔ میرے پاس کہاں؟ آدمی کو یہاں اتنا توقف نہیں کہ وہاں سے دیوان منگوا کر، قتل انزوا کر بھیج دوں۔ سید محمد صاحب کو اور ان کے دونوں بھائیوں کو میری دعا پہنچے۔

نگلشتہ چارشنبہ ۱۳۔ ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ

اسدائے

مطابق ۳۔ جنوری ۱۸۵۵ء

(۳)

حضرت،

آپ کے خط کا جواب لکھنے میں درنگ اس راز سے ہوئی کہ میں منتظر رہا میان کے آنے کا۔ آپ جو وہ مجھ سے مل گئے اور ان کی زبانی سارا حال سن لیا تو جواب لکھنے بیٹھا۔ سید صاحب ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں، جہاں تو سانا روہن (۱) ہے۔ محمد تقی، ایک، اس کی دو بہنیں تین، منشی آغا جان کی دین شیاہ اور ایک بیٹا جبار، یہ سات مدعی۔ ایک ان میں سے سید (۲) کی بیٹی ابھی سہی۔ نہ وہ حکام ہیں جن کو میں جانتا تھا، نہ وہ عسلہ ہے جس سے میری ملاقات ہوئی، نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں، جن کو مجھاس برس میں نے دیکھا ہے۔ ایک کوئے میں بیٹھا ہوا ترنگ روزگار کا نمشا دیکھ رہا ہوں، "یا حافظہ"، "یا حفظہ"، ورد زبان ہے۔

تمہارے بھائی غلام حسین خان مرحوم کا بیٹا، حیدر حسن خان خدا ہی ہے، جو بچے۔ آج تیرہواں دن ہے کہ نہ ٹپ مفارقت کرتی ہے، نہ دست بند ہونے ہیں، نہ فے موقوف ہوئی ہے۔ چارپائی کاٹ دی ہے۔

(۱) سات بیٹیوں کا مجموعہ۔ بہت سے اشخاص مل کر ایک شخص کی ایذا رسانی پر تل جاتیں تو کہتے ہیں سانا روہن۔

(۲) غالباً ان سے مراد سید احمد ہیں، جیسا کہ میرزا نے خط ۴ میں لکھا ہے۔



حواس زائل ہو گئے ہیں۔ انجام اچھا نفاذ نہیں آتا۔ کام تمام ہے۔  
والسلام والاكرام

مرقومہ ۳۰ ذی قعدہ ۱۲۷۸ھ عافیت کا طالب ، غالب

(۱۳۔ مئی ۱۸۹۳ء)

(ج)

سید صاحب جمیل العاقب عالی خاندان سعادت و اقبال تو اسان۔

مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمت گزاری سے فارغ  
نہ سمجھیں۔ پر کیا کروں صورت مقدمہ عجیب و غریب ہے۔ یہ  
بہنیں اور ان کا بھائی باہم موافق رہیں گے تو کوئی صورت نکل  
آئے گی۔ صامت و ناطق ، سیم و زر ، رویہ انشوی ، ستا ہوں کہ کچھ نہیں۔  
ہاں جاہداد ، سو سید کے انتظار سے معلوم ہوا کہ وہ تقسیم نہ ہوگی۔ کرایہ  
اوس کا تقسیم ہو جائے گا۔ میں رائے کیا دوں اور سمجھاؤں کیا ؟ کئی  
دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب کے ہاں گیا تھا۔ وہاں میں  
بھی بیٹھا تھا۔ باہم اوں دونوں صاحبوں میں بھی باتیں ہو رہی  
تھیں۔ وہ بھی میری مانند حیرت زدہ تھے۔ قضا و قدر پر چھوڑو ،  
نیونگ تقدیر کے تماشاخی رہو۔ گھانا نہیں ، ٹوٹا نہیں ، نقد مال کا  
بتا نہیں۔ املاک کا کرایہ بٹ رہے گا۔ گھبرائے کیوں ہو ؟ یہ دلی  
والوں کی حقیقت کے حالات ہیں۔

تمہارا بھتیجا یعنی حیدر حسن خاں بیچ گیا۔ عوارض کی آندھی دلع  
ہو گئی۔ توفیق زیست کی قوی ہے ، صرف طاقت کا آنا باقی ہے۔ صدمہ بڑا  
اٹھایا ہے۔ مہینے بھر میں جیسے تھے ویسے ہی ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ  
العلی العظیم۔

صبح دوشنبہ ۲۰ مئی ۱۸۹۳ء



آج نواب دن سے حسین مرزا صاحب کو الوداع کہتے۔ اگر دوڑتے تو اون سے پوچھتا کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں طبع ہوا اور جانتے اوس پر کس نے چڑھائے ؟ خدا جانے حسین میرزا نے کیا کیا اور حضرت کیا سمجھتے۔ اب یہ حقیقت مجھ سے سنئے۔

۱۸۶۶ء یعنی سال گزشتہ میں ”تالبع برہان“ جلدی۔ پچاس جلدیں میں نے مول لیں۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ اب دلی آئے ہیں۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تمہارے کس کام کی ہے ، تمہیں نہ دی۔ تم مانگتے اور میں نہ دیتا ، تو کہہ گا تھا۔ اب کوئی جلد باقی نہیں ہے۔ رہا دیوان ، اگر ریختہ کا منتخب کہتے تو وہ اس عرصہ میں دلی اور کان پور دو جگہ چھاپا گیا اور تیسری جگہ آگرے میں چھپ رہا ہے۔ فارسی کا دیوان بیس پچیس برس کا عرصہ ہوا ، جب چھپا تھا ، پھر نہیں چھپا۔ مگر ہاں سال گزشتہ میں منشی نولکنور نے شہاب الدین خاں کو لکھ کر کلیات فارسی ، جو ضیاء الدین خاں نے عذر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا ، وہ منگا لیا اور چھاپنا شروع کیا۔ وہ پچاس جزو ہیں ، یعنی کوئی مصرع میرا اس سے خارج نہیں۔ اب سنا ہے کہ وہ چھپ کر تمام ہو گیا ہے۔ روس کی فکر میں ہوں۔ غالب آجائے تو ایضاً بھیج کر بیس جلدیں منگواؤں۔ جب جلدیں آجائیں گی ، ایک آپ کو بھیج دوں گا۔ نواب بھی الدین خاں (۱) صاحب کا حال سن کر جی بہت خوش ہوا ، سری طرف سے سلام نیاز کے بعد مبارک باد دینا۔

(۱) یہ سید بدرالدین کے عزیزوں میں سے تھے۔



## پارے لال آشوب

وہاں دہلی، سلسلہ نسب راجا ٹودرمل سے ملتا ہے۔ لالہ سری رام مصنف ”خیمخانہ“ جاوید، پارے لال آشوب کے بھتیجے تھے۔ ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ برائے دہلی کالج میں ماسٹر رام چندر سے ریاضی کی تعلیم پائی۔ مولانا امام بخش صہبائی سے فارسی پڑھی۔ چلے کرکانوہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ وہاں کے اسسٹنٹ کمشنر ماسٹر کوآن کی تبدیلی ہوئی تو ان کی خدمت میں چاندی کا ایک قلمدان بطور یادگار پیش کرنے کی غرض قراو پائی۔ اس قلمدان پر ایک موزوں شعر کندہ کرانا منظور نہا۔ آشوب ایک دوست کے ہمراہ میرزا غالب کی خدمت میں پہنچے۔ میرزا نے یہ قطعہ موزوں فرمایا :

گرگنہ کی ہے جتنی رعیت وہ بکفتم  
عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی  
سو یہ نظر فروز قلمدان نذر ہے  
ماسٹر کوآن صاحب عالی مقام کی

اسی وقت سے آشوب کو میرزا کے ساتھ خاص تعلقی پیدا ہو گیا۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر میرزا نے لفٹنٹ گورنر پنجاب سے کہا کہ آشوب مجھے دینے سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آشوب دہلی میں ہوئے تو ہر ادوار کو التزاماً میرزا سے ملنے کے لیے جانے۔ پھر وہ لاہور آ گئے تو سررشتہ تعلیم کے کچھ بڑے مقرر ہوئے۔ جب ہندوستانیوں کو انسپکٹری کا عہدہ ملنے کی اجازت ہوئی تو آشوب



سب سے پہلے ہندوستانی تھے جو پنجاب میں مدارس کے انسپکٹر بنے۔  
 ۱۸۹۳ء میں رائے پیادر کا خطاب ملا۔ ۱۸۹۵ء میں پنشن لی۔ پورے  
 چھتیس سال ملازم رہے گویا ملازمت کا آغاز ۱۸۶۰ء سے ہوا تھا۔ متعدد  
 کتابیں تصنیف کیں مثلاً ”وسوم ہندو“، ”نصی ہندو“ حصہ اول وسوم،  
 اودو کی تیسری کتاب (برائے نصاب کی) ”ترجمہ تاریخ انگلستان“، ترجمہ  
 دربار قیصری۔

## (۱)

شہین مکرم بابو ہارے لال صاحب کو سلام، کل واقعہ مع مسودہ  
 بابو چندو لال صاحب کے پاس پہنچ گیا ہوا۔ یقین ہے کہ آپ کی نظر  
 سے گزرا ہوگا اور مسودہ کرنے پر متوجہ ہوئے ہوں گے۔ جلدی نہیں۔  
 آپ بغور اچھی طرح تامل سے لکھیے۔ جب صاف ہو جائے گا، مجھے دیجیے گا۔  
 میں اپنی سہر کر کے ڈاک میں بھیجا دوں گا۔ ابھی ڈپٹی کمشنر پیادر  
 کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ کہتے تھے کہ کل لاؤڈ صاحب آئیں گے اور  
 یروں نعلے کو تشریف لے جائیں گے۔ بطریق اطلاع آپ کو لکھا ہے یہ  
 منظور نہیں کہ عرضی آج تیار ہو جائے اور کل میں آپ دوں۔ ڈاک  
 میں ارسال کرتا منظور ہے (۱)۔

راقم امداثہ خان، غالب

۳۰۔ اپریل ۱۸۶۶ء

## (۲)

کیوں صاحب ہم سے ایسا حفا ہو گئے کہ ملنا بھی چھوڑا؟ خیر  
 میری تصویر معاف کرو اور اگر ایسا ہی گناہ عظیم ہے کہ کیہی نہ بخشا  
 جائے گا، تو وہ گناہ میرا مجھ پر ظاہر کردو تاکہ میں اپنے قصور پر  
 (۱) یہ ظاہر یہ عزداشت آشوب کے پاس انگریزی ترجمے کے لیے بھیجی  
 گئی۔



اطلاع پاؤں۔ برخوردار ہوا سنگہ سہارے پاس پہنچتا ہے اور یہ سہارا دست گراتہ ہے۔ رشتہ میں تم نے اسے لوکر رکھوا دیا تھا۔ خیر، وہاں کی صورت بکڑ گئی۔ اب یہ غریب بہت بیاہ ہے اور امور معاش میں سخت دل ننگ۔ تمہیں دستگیری کرو لو یہ سنبھلے، ورنہ اس کا نقص ہستی صفحہ دہر سے مٹ جائے گا۔

عنایت کا طالب، طالب

(۳)

ایک الف بیش نہیں صقل آئینہ هنوز

چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ ”آئینہ“ عبارت فولاد کے آئینے سے ہے، ورنہ حلی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صقل کون کرتا ہے؟ فولاد کی جس چیز کو صقل کرو گے یہ شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی، اس کو ”الف صقل“ کہتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ معاود ہو گیا تو اب اس مفہوم کو سمجھیے:

چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتداء سے تمیر سے متی جنوں ہے۔ اب تک کہاں نہ حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہو گیا۔ پس وہی ایک لکیر صقل کی



جو ہے ، سو ہے ، جاگ کی صورت الف کی سی ہوتی ہے اور چاک جیب  
آثار جنوں میں سے ہے ۔

غالب

(۴)

فرزند اوچھند ، اقبال بلند ، ہاہو ماسٹر بیارے لال کو غالب ناٹوان  
نیم جاں کی دغا پہنچے ۔ لاہور پہنچ کر تم نے مجھے خط نہ بھیجا ۔ اس کی  
جتنی شکایت کروں بجا ہے ۔ تم نہیں جانتے کہ مجھے تم سے کتنی  
عہت ہے ۔ میں تمہارا عاشق ہوں اور کیوں کر نہ عاشق ہوں ؟ صورت  
کے تم اچھے ، سیرت کے تم اچھے ، شیوہ و روش کے تم اچھے ۔ خالق نے خویاں تم  
میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں ۔ اگر میرا صلی فرزند ایسا ہوتا تو میں اس کو  
اپنا لہر خاندان سمجھتا اور اب تم جی قوم اور جی خاندان میں ہو ،  
اس قوم اور اس خاندان کے ذریعہ " افتخار ہو ۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور  
عمر و دولت و اقبال و جاہ و جلال عطا کرے ۔

میاں ، تم کو یاد ہے کہ میں نے تم کو سابق اس سے نور چشم  
مرزا یوسف علی خان کے باب میں کچھ لکھا ہے ؟ میرے اعتلال حواس  
کا حال تم جانتے ہو ۔ خدا جانے اس وقت کس خیال میں تھا اور کیا  
لکھ گیا ۔ جو لکھا وہ سہل انگاری تھی ، اب جو لکھتا ہوں ، یہ راست  
گفتاری ہے ۔ مختصر یہ یعنی مرزا یوسف علی خان عزیز بڑے عالی  
خاندان اور بڑی بزرگ قوم کے ہیں ۔ شاعر بھی بہت اچھے ہیں ۔ شعر خوب  
کہتے ہیں ۔ صاحب استعداد ہیں ۔ علم ان کو اچھا ہے ۔ یہ بھی گویا  
اہل علم و فضل میں سے ہیں اور ترقی کے قابل ہیں ۔ نور چشم مولوی  
نصیر الدین کو میری دغا کہنا ۔



جناب بابو صاحب جمیل المناقب ، عظیم الاحسان سلامت

نیاز مہر کہشانیہ و دعائے درویشانہ قبول فرماویں۔ ایک دن پہلے  
تلفذ نامہ اور دوسرے دن نسخہٴ اعجاز ہنگامہ پہنچا۔ نظر اس تقدیم و  
تاخیر پر خط کو بھول اور کتاب کو بھل سمجھا۔ بھول سے نشاط تازہ  
اور بھل سے لذت کے اندازہ ہائی جام جم ، جہاں بنا ہوگا ، مگر کیا جانے کیا  
ہوگا ، بلکہ اس میں تردد ہے کہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ جام جہاں کیا یہ کتاب  
ہے ، جس سے ہر دیدہ و ہر بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح میں قاصر رہا ،  
یہ میں نے کیا کیا ؟ جیسی طرح ہر دیدہ و ہر بڑھ کر خط اٹھا سکتا ہے ،  
تایینا بھی سن کر لطف پا سکتا ہے۔ ابھی اس کتاب کا عام ہے ،  
جام جہاں کیا اس کا نام ہے ۔

اسسٹنٹ کمشنر صاحب بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت علم میں  
مدد گاری ذریعہٴ عز و افتخار ہے مگر قلم میں نین عیب ہیں ۔  
ستر برس کی عمر ، کانوں سے بہرا ، ہمیشہ بیمار ، آمد و رفت دوام میں  
قاصر اور جو تحریر وہاں سے آیا کرے گی ، اس کی مشورت میں حاضر  
رہے گا۔ یہ نہیں ہے کہ نہ جاؤں گا ، آنکھوں سے جاؤں گا ، مگر حسب الطلب یا  
حسب ضرورت کار گزار فرماں بردار رہوں گا ۔

یہ ہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسسٹنٹ بہادر نے مجھے یاد کیوں نہ  
کیا ! بلا کیوں نہ لیا۔ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی  
خدمت میں بھجوا دیں گے تو وہ مجھے بے تکلف بلوائیں گے۔ فقط  
(اگست ۱۸۶۵ء) عنایت کا طالب ، محالب



## فرمانروایان رام پور

نواب یوسف علی خان نائظم فرمانروائے رام پور (یکم اپریل ۱۸۵۵ء-۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء) بن سید عید سعید خان بہادر (بن سید شلام محمد خان بہادر ، بن سید فیض اللہ بہادر بن نواب سید علی محمد خان بانی ریاست) -۵ مارچ ۱۸۱۶ء کو پیدا ہوا ۱۸۵۷ء کی خدمات کے صلے میں جدید علاقہ بھی ملا اور مسلم کی توہوں میں بھی دو عدد کا اضافہ ہوا۔ مری علوم و تقدیران اہل فن تھے۔ میرزا غالب کے لیے مستقل تنخواہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً رقمیں بھیجتے رہتے تھے اور خط و کتابت میں انداز ایسا اختیار کیا تھا، جس میں محبت و احترام کا پہلو غالب تھا۔ یہ خط ”مکاتیب غالب“ میں نہیں آیا :

(۱)

حضرت ولی نعمت ، آیہ رحمت ، سلامت ، بعد تسلیم معروضی ۷ توفیق  
 وقع عزوود لایا بذریعہ ہندوی سو روپے بابت جنوری ۱۸۶۵ء معروض وصول میں  
 آئے :



دیکھیے کب غسل فرمائے ہیں آپ  
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے (۱)

زیادہ حد ادب

نجات کا طالب، غالب

۸ فروری ۱۸۶۵ء

نواب کلب علی خاں کی تاریخ ولادت ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۵۰ء  
۱۶ اپریل ۱۸۳۵ء ہے - ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۸۱ء - ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء  
کو مسند نشین ہوئے - علمی ذوق بدرجہ کمال تھا - بہترین کتب خانہ  
جمع کیا - علم و ادب کے علاوہ ہر دائرہ تہذیب و فن کے ازیاب کمال  
کی پرورش فرمائی - ۲۷ خیادی الاخری ۱۳۰۳ء - ۲۳ مارچ ۱۸۸۷ء  
کو انتقال کیا - بیگم بھوپال کے علاوہ نواب موصوف بھی فریضہ  
حج کی بجا آوری سے شرف یاب ہوئے - بڑے ہی عاقل ، نیک  
طبع اور رغبت پرور حکمران تھے - مندرجہ ذیل واقعات  
"مکتبہ غالب" میں شامل نہیں جو والیان رام پور کے نام میرزا  
کے خطوط کا مجموعہ ہیں :

(۱) "حمام کے" والا مصرع میرزا کی ایک غزل میں ہے :

شاہ کے ہے غسل صحت کی خیر

دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

یہ غالباً ۱۸۵۳ء میں کہی گئی تھی ، جب بیادر شاہ مرحوم سخت  
بیمار ہو گئے تھے - اللہ نے صحت عطا کی - میرزا غالب علی گڑھ پانڈہ وغیرہ  
کے سفر کا قصد کیے بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ بادشاہ غسل صحت  
کریں تو اجازت لے کر جاتیں - نواب یوسف علی خاں مرحوم عارضہ سرطان  
میں مبتلا ہو کر چھ مہینے علیل رہے - بیچ میں صحت ہو گئی تھی ، لیکن  
مرض عود کر آیا اور اسی بیماری میں انتقال کیا -



حضرت ولی نعمت ، آہہ رحمت سلامت ،

بعد تسلیم معروض ہے ، ورود توفیق (۱) و نوید غنہ (۲) نے رواں ہروی کی ۔ سو روپے بابت تنخواہ اکتوبر ۱۸۶۶ء از روئے ہندوی مشفوفہ معروض وصول میں آئے۔

یا امیرالمومنین ، حضرت کا عزم رونی الزائی اکیرآباد سن کر چاہا کہ وہاں آؤں۔ ریل کی سواری کی تاب ہر گز نہ پائی (۳)۔ منزل بہ منزل جانے میں سوچا کہ آگرہ سات منزل ، رام پور چھ منزل ، یہاں جو جاؤں ، وہیں کیوں نہ جاؤں ؟ عزم مصمم کیا کہ اپنے فرزند (۴)

(۱) توالیع کا مطلب ہے وہ نشان جو بادشاہ فرامین و غامہ جلت پر کر دیتے تھے ، مجازاً فرمان شاہی۔ یہاں مراد نواب موصوف کا مکتوب۔

(۲) میرزا نے ہندی فرهنگ نگاروں کے متعلق اپنا معروف عقیدہ لکھ دیا تھا۔ نواب نے اس پر رجسٹری کا اظہار کیا اور لکھا کہ یا تو ایسے اشارے نہ کیا کریں یا کہیں تو خط و کتابت بند کر دی جائے۔ یہ ۱۳۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء کا خط تھا۔ غالباً نواب کو زیادہ رنج مولوی غیاث الدین رام پوری مؤلف غیاث اللغات کے متعلق اشارے پر تھا ، جو نواب کے استاد تھے۔ اس پر میرزا نے معافی مانگ لی لیکن اس طرح کہ میں نے ہندوستانی محققین کے قول کے بنا پر نہیں بلکہ آپ کے ارشاد کی بنا پر سب کچھ تسلیم کر لیا۔ غالباً یہی رجسٹری یا ٹکٹو میرزا کے متعلق نواب کلب علی خاں کی کم توجہی کا موجب بنا۔

(۳) معلوم نہ ہو سکا کہ ریل کی سواری کس وجہ سے ناقابل برداشت ہوئی ، حالانکہ میرزا چند گھنٹوں میں آگرہ پہنچ سکتے تھے۔

(۴) حسین علی خاں ابن عارف ، جسے میرزا نے بیٹا بنا لیا تھا۔



اور آپ کے غلام کو بیچوں - وہ بھی خوش خوش آمادہ رہبری ہوا۔  
 ناکہ تب محروم نے اسے گھبرا، شائے کا درد علاوہ، مہینا پور ہوا، نہ  
 تب اتنی ہے، نہ شائے کا درد جاتا ہے۔ حکیم احسن اللہ کی تجویز ہے  
 قصد بھی کھلی، مگر کچھ نائدہ نہ ہوا۔ کسی شب کو کچھ سو  
 رہتا ہے۔ ورنہ ساری رات جاگتا اور ہائے ہائے کرتا ہے۔ اس کے  
 ساتھ سب جاگتے ہیں :

راحتے نیست در آن خانہ کہ بیارے ہیست

بجمل یہ ہے اور مفصل میر محمد زکی (۱) عرض کریں گے۔ زیادہ  
 حد ادب :

م سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

مورخہ دو شنبہ پنجم نومبر ۱۸۶۶ء عریضہ اسد اللہ کے دستکہ

(۳)

حضرت ولی نعمت، آیہ رحمت، سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کہ کل حضرت کے اقبال سے ایک نازہ  
 مسرت عہد کو پہنچی۔ تفصیل اس کی یہ کہ اقبال نشان میرزا شہاب الدین خاں

(۱) یعنی سید محمد زکریا خاں دہلوی متخلص بہ زکی جو یوپی کے محکمہ  
 تعلیمات میں ڈپٹی انسپکٹر رہے اور ہندوؤں میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کے  
 نام میرزا کا ایک مکتوب اور ایک سند شاگردی بھی اس مجموعے میں  
 شامل ہے۔

آخر میں یہ بت دینا ضروری ہے کہ نومبر ۱۸۶۶ء میں گورنر جنرل  
 نے آگرہ میں دربار کیا تھا۔ نواب کاب علی خاں کا پیش خیمہ  
 وہاں پہنچ گیا تھا اور نواب موصوف بھی روانہ ہو گئے تھے۔ سبھل پہنچے  
 تو مزاج ناساز ہو گیا اور واپس چلے گئے (مکتب خالص ص ۸۵)۔



انگریزی خواں ہے ، اخبار انگریزی دیکھا کرتا ہے ۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا کہ جناب نواب صاحب قبلہ ، جو شریک اجلاس کونسل ہوئے ، نواب گورنر جنرل بہادر مع اور کونسل نشینوں کے نواب صاحب کے حسن صورت و فرط خلق و لطف تقریر سے بہت راضی و خوشنود ہوئے اور ان کی رائے سب کو پسند آئی :

ابن مراتب کہ دیدہ ای جزوی ست  
کار کلی هنوز در قدر است

روز الزونی دولت و اقبال کے مدارج ابھی بہت سنوں کا اور دیکھوں گا  
ان شاء اللہ العلیٰ العظیم ۔

دولت دوام کا طالب ، غالب

۲۶- جنوری ۱۸۶۷ء

(م)

حضرت ولی نعمت ، ابر رحمت ۔ سلامت !

بعد تسلیم معروضی ہے ۔ آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیر المسلمین نے مفتی صدوالدین مرحوم کی زوجہ کو پانسو روپے مفتی جی کی تہیز و تکفین کے واسطے رام پور سے بھیجے ہیں ۔ فقیر کو بھی توقع تھی کہ میرا مردہ بے گور و کفن نہ رہے گا ، جیسا کہ جلال امیر کہتا ہے :

جرعہ لطف تو بعد از ما یا خواہد رسید

میں نے کل ایک خط نواب میرزا خان (۱) کو لکھا ہے ، خدا جانے وہ حضرت

(۱) نواب میرزا داغ دہلوی جو ان دنوں رام پور میں ملازم تھے ۔



کی نظر سے گزریے یا نہ گزریے۔ اس خط میں، میں نے زوجہؔ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لاؤلڈ ہے اور ساتھ روئے کراچی کے مکان اس کے تحت میں ہیں۔ امین الرحمان اس کا بیانا ہے، مفتی جی کا کوئی نہیں (۱)۔

(۱) یہ مکتوب پہلے پہل ”آجکل“، دہلی کے ”غالب نمبر“، (فروری ۱۹۵۲) میں چھپا تھا۔ نہایت حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس سادہ سی تحریر کو نے وجہ وسبب اہلیہ مفتی صدرالدین آزادؔ کی امداد میں وکلوٹ پیدا کرنے کی سعی قرار دیا گیا۔ حالانکہ پورے مکتوب میں ایک حرف بھی ایسا نہیں، جس سے اس الفسوساک الزام کے لیے برائے نام بھی کوئی اشارہ مل سکے۔ بلکہ امداد کی کیفیت بیان کرنے کے بعد میرزا نے لکھا :

فقیر کو بھی توقع ٹھہری کہ میرا مردہ نے گوروکھن نہ رہے گا۔ جس امداد و اعانت کو میرزا نے اپنے لیے امداد کا ایک بہت بڑا سہارا قرار دیا، اسے اہلیہ مفتی صاحب کی امداد روک دینے کی سعی قرار دینا زیبا انداز فکر کا نتیجہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ پھر لطف یہ کہ ہانسو روئے دہلی آچکے تھے، اس حالت میں ان کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ مکتوب اس دور کا ہے جب میرزا کے حواس بھی بجا نہ تھے اور مالی پریشانیوں نے انہیں انتہائی تشویشات میں ڈال رکھا تھا، ”مکاتیب غالب“ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ میرزا کا مطلب یہ تھا کہ جو مصدر لطف و کرم اس بیوہ کے لیے گراں بہا امداد کے انتظام میں متوقف نہیں، جس کے پاس وسائل موجود ہیں، وہ اس بیوہ کے لیے کیوں توقف فرمائے گا جس کا کوئی بھی وسیلہ اس دنیا میں نہیں۔ امداد کے سلسلے میں ایک کم مستحق فرد کی مثال پیش کر کے زیادہ مستحق کی طرف معطی کو منوجہ کرنا عام اسلوب بیان ہے۔ دینا میرزا غالب معصوم نہ تھے اور کون معصومیت کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہ ہونا چاہیے کہ غریب میرزا کو خواہ مخواہ نازیبا اخلاق کا پیکر بنانے کی سعی کی جائے :

چو بشتوی سخن اہل دل، مگو کہ خطاست  
سخن شناس نہ ہی دلیبرا، خطا این حاجب



اب میں اپنی حلیقت عرض کرتا ہوں۔ آخر عمر میں تین التامیں ہیں، آپ سے : ایک تو یہ کہ ہزار بارہ سو روپے کا قرض رکھتا ہوں، چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ادا ہو جائے۔ دوسری التام یہ کہ حسین علی خان کی شادی آپ کی جنینش خاص سے ہو جائے اور (تیسری التام یہ کہ) یہ سو روپے میرے جو مجھے ملتا ہے، اس کے کام پر اس کے ہیں حیات قرار پائے۔ یہ دونوں خواہشیں (یعنی دو آخری) خواہ میری زندگی میں، خواہ میرے بعد اجرا پائیں :

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزوں

روز شنبہ ۵۔ ربیع الثانی (۱۲۸۵ھ) عرشدالت دولت خواہ

۲۷۔ جولائی (۱۸۶۸ھ) اسد اللہ

جن اصحاب علم و فضل نے اس مکتوب کو میرزا کے خلاف ایک بے بنیاد الزام کی دستاویز بنایا، انہوں نے نادانستہ ہی یہی حدود حق و انصاف سے تجاوز کیا۔



## مولوی نعمان احمد

مولوی صاحب موصوف کے متعلق اس کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ سپہوا (برگتہ سپہوی، ضلع سیٹا پور، یو پی) کے تھے اور میرزا نے سرتامے میں انہیں تعلقہ دار لکھا ہے۔

(۱)

جاں بر سر مکتوب تو از فوق نشاندن

از عہدہ تحریر جوایم بدر آورد

ابو رحمت، سلامت۔ ہاند آوری کا شکر بجا لاتا ہوں۔ کیوں انہی میری تعریف کی، جو میں اپنے کو اس کے لائق نہیں پاتا ہوں۔ مرگزا ایسا نہیں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ غایت مائتالباب یہ ہے کہ سخنورانِ گزشتہ کا طرز شناس اور ان نازک خیالوں کا پیرو ہوں اور مبداء فیاض سے مجھ کو ان کی تقلید میں بابہ تحقیق ملا ہے اور میں صاحب طرز جدید ہوں۔

اب یہاں ایک بات سچ کہتا ہوں، آپ باور کریں۔ واللہ باللہ میرے ایجاد کیے ہوئے طرز میں آپ سے بہتر نثر کسی نے نہیں لکھی۔ نہ یہ مبالغہ ہے، نہ تملق۔ خالصاً اللہ آپ سچ ارشاد کریں کہ بعض اشخاص جو اس روش پر چلتے ہیں، بالانکہ خوش رفتار نہیں، لیکن مجھ کو برا جانتے ہیں اور برا کہتے ہیں، یہ حق نا شناسی اور نا انصاف ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ضرور لکھیے۔



جو ”قاطع برہان“ میں کہیں کہیں سہو طبعی واقع تھا، ناچار اس کی ترمیم و تکمیل کے واسطے اسی نسخے میں کچھ بڑھایا اور یک دیاچہ اور لکھا اور اس رسالے کا ”دوش کوہانی“ نام رکھا۔ کل یکشنبہ ہے۔ پارسل ڈاک میں روانہ نہیں ہو سکتا۔ ہر سو دن دوشنبہ کو پہنچوں گا۔ اس کے سوا وہ برسوں جیسی کا خط دیں ورنہ ہے اس کا منتظر اور جلد پہنچنے کا آرزو مند ہوں۔ آئندہ خالی، نواہی یا جو اور الفاظ اسم کے ساتھ معمول ہوں، ان پر اصلاح پاؤں۔

اسد اللہ

۵۔ ستمبر ۱۸۶۶ء

لغات پر یوں پتہ مراوم ہے :

مقام سہوا، برگہ سہولی، ضلع سہا پور پہنچ کر حضرت فلک ولہت مخدوم مکرم و معظّم جناب نعلان احمد صاحب تعلقہ دار زاد بچہ کی خدمت میں مقبول ہو۔

جواب کا طالب، غالب

۵۔ ستمبر ۱۸۶۶ء

(۲)

مولانا و بالفضل اولانا !

قبر میں جہاں اور عیب ہیں، ایک یہ بھی عیب ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا۔ حکام سے یہ سب ریاست خاندانی کے ملازم کے اکثر ملاقات رہتی ہے اور معاملات بھی آڑے ہیں۔ کبھی خوشامد کسی کی نہیں کی۔ بیلا حضرت سے جھوٹ کیوں بولنا اور آپ کی خوشامد کیوں کرتا؟ ایسا عامی بھی نہیں کہ واقعہ بالحق کو تکیہ کلام جانا ہوں۔ موجد، کو اور والا کو قسیمہ جان کر از روئے قسم لکھا تھا (۱) اور اب تقی از روئے قسم کہتا ہوں کہ نثر کے اس شہوہ خاص میں اور مدعیوں سے آپ بہتر ہیں۔

(۱) یہ اشارہ ہے خط ۱ کے ”واقعہ بالحق“ کی طرف۔ واقعہ بالحق میں ”و“ اور ”پ“ قسیمہ ہیں۔



آپ کو اپنا ہم فن اور ہم زبان سمجھ کر اپنا درد دل آپ کے سامنے کہا تھا۔ آپ نے غمخواری نہ کی بلکہ اور اتنا آپ مجھ سے ملول ہوئے۔ خیر یہ بھی میرے بخت کی برگشتگی تھی کہ حضرت کے ذہن نے میرے خلاف مقصود کی جہت انقال کیا (۱)۔

برسوں سے خطوط فارسی لکھتے چھوڑ دیے (۲)۔ اب شاہزادہ بشیرالدین بہادر نیرہ ٹیپو سلطان مغنور کے سوا کسی کو فارسی خط نہیں لکھتا اور یہ موافق ان کے حکم کے ہے اور وہ مطاع ہیں اور میں مطیع۔ چتر برس کی عمر، حواس معلوب، فوہل مضجحل، بصارت میں۔ ضعف، حالت میں رعشہ، نسیان مستولی۔ اے لو آپ کا خط آیا، پڑھا، جواب اور وقت (۳) پر حوالے کر کے خط مع سرنامہ وکھ چھوڑا۔ آج جو جواب لکھنے بیٹھا، خط نہیں ملتا۔ نہ بکسی میں، نہ کتابوں میں، نہ طاق میں۔ حیران کہ اب کیا کروں۔ بارے جو کچھ یاد آ گیا، اس کا جواب لکھا۔

قرآن کے باب میں عرض یہ ہے کہ زہرہ و مشتری کا ایک برج اور درجہ و دقیقہ میں برابر ہونا "قرآن السعدین" ہے۔ اور یہ قراتان جزئیہ میں سے ہے اور اکثر واقع ہوتا ہے اور یہ قرآن جب سلطنت موعود نہیں۔ اگر کسی بادشاہ کے حکام ولادت یہ قرآن آ پڑا ہوگا، یہ شرط آنکہ برج طالع میں یا اوتاد ثلاثہ یا مائل اوتاد میں واقع

(۱) میرزا نے تو خلوص سے مکتوب الیہ کی ضرورتی کے تسبیہ خاص کو سراہا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس نے اتنا اثر قبول کیا۔

(۲) معلوم ہوتا ہے، مکتوب الیہ نے عرض کیا تھا کہ خط کا جواب فارسی میں لکھا جائے۔ اسی وجہ سے میرزا کو توضیح کرنی پڑی کہ شہزادہ اب شہزادہ بشیرالدین توفیق مسوری کے سوا کسی کو فارسی میں خط نہیں لکھتا۔ لیکن شہزادہ موصوف کے نام بھی پانچ مکتوب اردو کے ہیں۔

(۳) یعنی دوسرے وقت۔



ہوا (۱) کہ نظر اس کی طالع مولود پر ہو تو وہ اللادہ صحت و عیش و عشرت کرنا ہے اور پس۔ وہ قرائت اور ہیں جو موجب تغیر اوضاع عالم و انتقال سلطنت ہوتے ہیں۔ ازان جملہ ایک یہ قرآن تھا کہ زحل و مریخ سرطان میں فراہم (۲) ہوئے ہیں، سراسر ہندوستان کی خاک اڑا دی (۳)۔

قصہ مختصر، جو بادشاہ ”صاحب قرآن“ کہلاتا ہے، یہ اعتبار افراط جاہ جلال و ثروت حال کہلاتا ہے۔ طالع ولادت میں قرآن السعدین واقع ہونا ضروری نہیں۔ ”صاحب قرآن“ مرادف شاہنشاہ ہے، سو بھی صرف سلاطین بحریہ (۴) میں دو شخص ”صاحب قرآن“ کہلاتے ہیں، امیر نمر اور شاہ جہاں۔ تتبع کلام اسانہ سے معلوم ہوگا۔ کہ خالائی نے اپنے آپ کو ”صاحب قرآن“ لکھا ہے۔ اسی طرح فقیر نے بھی لکھا ہے :

سز دگر نویسد صاحب قرآن (۵)

(۱) اوتاد طالع میں مولود چار بتائے جاتے ہیں۔ پہلا برج طالع جو خانہ اول ہے۔ اس کا تعلق مولود کے جان و تن اور عمر سے ہے۔ دوم خانہ چہارم، جس کا تعلق معاش اور ملک و مقام ہے۔ سوم خانہ ہفتم، اس کا تعلق تزویج کے سلسلے میں مقصود و مراد سے ہے۔ چہارم خانہ دہم، جس کا تعلق حکومت، سفل اور دولت سے ہے۔ ”اوتاد ثلاثہ“ سے بظاہر مقصود خانہ چہارم، خانہ ہفتم اور خانہ دہم کے اوتاد ہیں۔

(۲) اکھٹے۔ یکجا۔

(۳) اشارہ غالباً ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی طرف ہے۔ (۴) نیموری بادشاہ۔

(۵) پورا شعر یہی ہے :

جہل سال تولیع معنی ہشتم

سز دگر نویسد صاحب قرآن



اور بیان مدت توقع نویسی علت نہیں ہے صاحب قرآن کہلانے کی (۱)۔ فقط  
 شبہ ششم اکتوبر ۱۸۶۹ء  
 اشدقہ غالب

از روئے احتیاط بیرنگ بیوجنا ہوں  
 لقائے پر پنا ہوں مراوم تھا :  
 سہوا، پرگنہ سہولی، ضلع سہتاپور، بحضرت مخدوم و مکرم مولوی  
 نعمان احمد صاحب مقبول یاد از اسد

(۳)

حضرت آپ کو اپنے حال پر متوجہ ! پا کر، اور مائلی تخریق جان  
 کر کل چار سواد میں نے یہ سبیل ہارسل روانہ کیے ہیں :  
 ۱۔ ایک ”دافع ہڈیان“۔ مصنف اس کے مولوی نجف علی، مجمع البحرین  
 علم فارسی و عربی۔ سبب تالیف یہ کہ ایک شخص علی  
 فضول نے اپنی ذہنیت کے واسطے ”قاطع برہان“ کے مطالب کے  
 رد میں ایک کتاب لکھی۔ ”محقق طالع برہان“ (۴) اس کا نام  
 رکھا۔ عبارت سہل، مقاصد پرچ۔ مولوی نجف علی نے منصفانہ اس  
 کے رد میں ایک رسالہ لکھا، موسوم یہ ”دافع ہڈیان“، فارسی قدیم  
 کی طرز پر۔

(۱) مطلب یہ کہ میں نے شعر و ادب میں مرتبے کی رفعت اور  
 مقام کی بلندی کے اعتبار سے اپنے آپ کو ”صاحب قرآن“ کہا ہے۔  
 چالیس سال تک معنی کی توفیق نویسی ”صاحب قرآن“ کہلانے کی  
 علت نہیں، بلکہ محض اظہار حقیقت ہے۔

(۲) یہ سہر ہے جس پر تاریخ ۱۲۸۷ھ لکھی گئی ہے۔ جو بلاشبہ  
 غلط ہے، کیونکہ ۱۲۸۵ھ میں تو مرزا نے انتقال کیا۔ اغلب ہے  
 ۱۲۷۸ھ کو غلطی سے ۱۲۸۷ھ بنا دیا گیا ہو۔

(۳) جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب مولوی سعادت علی  
 کی تھی۔



۲۔ دوسرا رسالہ ، ”سوالات عبدالکریم“ (۱) یہ شخص طالب علم ساکن دہلی ہے ۔

۳۔ اس نسخے کے (سوالات عبدالکریم کے ) خاتمے پر استفتاء ہے ، جس کو میں نے تیسرا مواد لپٹا دیا ہے ۔

۴۔ چونکہ ”لطائف غیبی“ (۲) ۔ یہ رسالہ اردو زبان میں ہے ۔ اس کا حال اس کے معاہدے سے کہلے گا۔

اور نارسل سے کئی دن پہلے ایک خط بھیجا ہے ، اس کے جواب کا بھی طلبکار ہوں ۔

۱۹۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہ بے دستگاہ

نظریہ احتیاط یہ خط بیرنگ بھیجا ہے ، تصور معاف ۔

(۴)

قبلہ! آج خیال آیا کہ نامہ مرقومہ ۱۳۔ اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا۔ اس میں میری بھیجی ہوئی کتابوں کی رسید اور آپ کا عازم اکبر آباد ہونا مندرج تھا۔ اکبر آباد کا حکمہ تمام ہوا۔ غالب ہے کہ آپ بھی اپنے دارالریاست کو پہنچ گئے ہوں گے ۔ عجب ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی آپ نے یاد نہ کیا ۔

شوالحمد کہ اقبال نشان ، عالی دودمان مولوی سلطان احمد خاں کی نوید صحت از روئے مکتوب معلوم ہو گئی ہے ۔ فقیر کی دعا سے بے ریا ان کو پہنچے ۔ میں حسب الحکم خط بیرنگ بھیجتا ہوں ، مگر طریق احوط یہ ہے کہ آپ کے خطوط بھی بیرنگ روانہ ہوا کریں کہ فی الجملہ اس میں تلف ہونے کا اندیشہ کم ہے ۔

(۱) بظاہر یہ رسالہ خود میرزا نے مرتب کیا تھا اور عبدالکریم کے فرضی نام سے چھاپ دیا ۔

(۲) یہ کتاب بھی میرزا غالب ہی کی تھی ۔



جانتا ہوں : کہ آپ شعر کہتے ہوں گے ۔ اگر میرا کان سچ ہے تو  
جیسا کہ نثر سے متبع ہوا ہوں ، نظم سے بھی بہرہ اندوز ہوں ۔

دوشنبہ ۱۷ - دسمبر ۱۸۹۹ء نامہ " غالب سے ادب ،

تقصیر معاف ، جواب طلب

لفافے کا پتا یہ ہے :

ضلع سیتا پور ، پرگنہ منہولی ، مقام منہویا ۔

یہ والا خدمت مولوی صاحب جمیل المناقب صاحب ، عظیم الاحسان

مولوی نعمان احمد خان بہادر تعاقدار زاد مجدد منہویا باد ۔

اسد یگ رنگ ، بیرنگ



## سید احمد حسن عرشی قنوجی

سید احمد حسن ، بن سید اولاد حسن ، بن سید اولاد علی  
انور جنگ - ۱۹ رمضان ۱۲۳۹ھ - ۳/۵ مارچ ۱۸۳۱ء کو قنوج  
میں پیدا ہوئے۔ ان کے جد امجد حیدر آباد دکن کے امرا میں سے  
تھے۔ والد ماجد نے سید احمد شہید کی رفاقت میں جہاد  
میں حصہ لینے کے علاوہ تبلیغ و تنظیم جہاد اور اشاعت  
کتاب و سنت کا کام اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا۔ سید احمد حسن  
کے چھوٹے بھائی سید صدیق حسن (امیر الملک والا جاہ) نے یوہاں  
میں ناموری حاصل کی، نیز عربی، فارسی اور اردو میں بہ لحاظ  
کثرت و عمدگی تصانیف بھی بہت ممتاز ہیں۔

سید احمد حسن عربی و فارسی کے فاضل تھے۔ تینوں زبانوں میں  
شعر کہتے تھے۔ فنون سپہ گری میں بھی مہارت تامہ حاصل  
کی۔ دو تین مرتبہ حج کا قصد کیا۔ والد کے اصرار سے رکے رہے۔  
کیونکہ وہ فرمانا تھیں کہ گھر کے افراد مل کر چلیں گے۔  
آخر ۱۸۶۱ء میں اکیلے روانہ ہو گئے۔ بڑودہ پہنچ کر چند روز کے  
لیے رکے۔ اٹا سفر میں خارش کی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر تب و  
اسہال کی تکلیف شروع ہو گئی۔ اسی میں ۹۔ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ /  
۲۳۔ نومبر ۱۸۹۰ء کو انتقال کیا۔ تقریباً تیس برس کی عمر تھی۔



اردو اور فارسی شاعری میں میرزا کے شاگرد تھے۔ ان کے پاس میرزا کے بہت سے خطوط ہوں گے مگر صرف دو خط محفوظ رہ سکے جو سفر حج میں بڑودہ سے بھیجے ہوئے خطوط کے جواب میں تھے۔  
باقی خط وطن میں ہوں گے جو محفوظ نہ رہے۔

## (۱)

بارب، ایک خط مجھ کو بڑودہ گجرات سے آیا ہے، کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے، اودھر سے اظہار آشنائی ہے، میری طرف سے یہ بے حیائی ہے کہ مجھ کو ان کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خاندانہ نسبان خراب، عشرہ قتالہ (۱) کے مرحلے کا وہ پتہ ہوں۔ شاید اگر جیوں کا تو اس کا بھی مجھے علم نہ رہے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں، بینشہ برس کی عمر ہوئی۔ حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل، حواس باطنی میں سے حافظہ زائل۔ یہ سبب نسبان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھنوں، مولوی لکھنوں، خان لکھنوں۔ خط تو خیر کچھ لکھ دوں گا، خط کا عنوان کیا لکھوں؟ (۲)

(۱) ساتواں عشرہ یعنی اکٹھ سے ستر سال تک کا عشرہ عمر۔

(۲) اس نسبان اور بیہول کا ایک سبب تو بڑھاپا تھا، جس میں قوائے ظاہری کے ساتھ عموماً قوائے باطنی بھی کمزور ہو جاتے ہیں، ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ میرزا کو خیال تک نہیں آ سکتا تھا کہ احمد حسن عرشی قنوجی بڑودہ کیوں کر پہنچ گئے؟ بے شک وہ حج کو جاتے ہوئے دہلی میں میرزا سے ملے ہوں گے، لیکن اعلیٰ ہے میرزا کو احساس ہی نہ رہا ہو کہ بڑودہ سفر حج کی ایک منزل ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ عرشی نے راستے سے میرزا کو کوئی خط نہ لکھا ہوگا کہ انہیں یاد رہتا عرشی وہ پرانے منازل حج ہے۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ صرف احمد حسن نام لکھ دیا ہوگا، نہ تخلص درج کیا، نہ نام کے ساتھ سید لکھا اور وطنیت کی بھی تصریح غالباً نہ کی یعنی سید احمد حسن عرشی قنوجی۔



بندہ پرور، فقیر معاف رہے۔ حضرت کا دل غبارِ کدورت سے صاف رہے۔ مولوی عبدالجلیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں، بلکہ ان کا احسان جانتا ہوں، کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ گویا وہ اپنا نام ہمیشہ مجھ کو یاد دلاتے رہتے ہیں، نہ آپ کہ بعد ایک عمر کے ناکام یہ نامہ یاد لومنائیں اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد نہ دلائیں۔

یہ ہر حال تمہارا دعا گو ہوں، اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں۔ کب ملے تھے؟ کے ملاقاتیں ہوئی تھیں؟ یہ سب مدارج جان جاؤں۔

کتر کے شیوہ و انداز کا تو ڈھنگ اچھا ہے۔ خود تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ شاعر ہو، شاعر بھی ہو تو تخصیص کیا ہے؟ نامہ نگار کا حال یہ سبیل احوال یہ ہے کہ سیاست سے محفوظ ہوں اور حکام کی عنایت سے محفوظ ہوں، بے وفائی کا داغ نہیں لگا ہے۔ پنسن قدیم کا یہ دستور اجرا ہے۔ زندگی کا رنگ اچھا دیکھتا ہوں۔ دیکھتے مرنے کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔

مکرم غفوم، آپ کے ہم نام مولوی احمد حسن صاحب عالی مقام ظاہرا درویش نواز ہیں کہ اس گھمٹا گوشہ نشین کو حضرت نے سلام لکھا ہے۔ میری طرف سے سلام یہ اشتیاق تمام پہنچائیے (۱) والسلام

راقم

جواب نامہ کا طالب

اسد اللہ المتخلص بہ غالب

(۱) ان سطور سے خیال ہوتا ہے کہ عرش نے میرزا کو جو خط لکھا، وہ حکیم احمد حسن مودودی کی تحریک و اصرار سے لکھا۔ خط ۲ میں تصریح ہے کہ حکیم احمد حسن مودودی میرزا سے مشورۃ سخن کے آرزو مند تھے اور ان کا سلسلہ تلمذ ۱۸۹۰ء کے بعد ہی سے شروع ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کے نام میرزا کے جو خطوط اس وقت تک دستیاب ہوئے، ان میں سے پہلا جون ۱۸۹۱ء کا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے پیشتر بھی ایک خط لکھا تھا۔ اغلب ہے یہ سلسلہ ۱۸۹۱ء کے اوائل سے شروع ہوا ہو۔



مخدوم و مکرم مولوی سید احمد حسن خان صاحب باور کریں کہ یہ درویشوں  
 گوشہ نشین ہمارا دوست اور ہمارا دعا گو ہے۔ ہمارے نثر کی طرز پسند  
 اور ہمارے خواہش مقبول۔ سید احمد حسن صاحب کی خدمت گزاری  
 مقبول :

عشق نے غالب نکلا کر دیا  
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پینسٹ برس کی عمر ہوئی۔ اضطعال قوی، ضعف دماغ، فکر مرگ، غم عقبی،  
 جو آپ مجھ کو دیکھ گئے ہیں، میں اب وہ نہیں ہوں۔ نظم و نثر کا کام  
 صرف پیاس برس کی مثل کے زور سے چلتا ہے، ورنہ جوہر فکر  
 کی رخشندگی کہاں۔ بوڑھا پہلوان بیچ بتاتا ہے، زور نہیں دلا سکتا۔  
 یہ ہر حال حکیم صاحب کو میرا سلام کہجے اور کہجے کہ آپ  
 کے تکلف اپنا کلام بھیج دیا کریں۔ یہاں سے بعد حک و اصلاح کے  
 خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

غالب

۲۱۔ ستمبر ۱۸۹۰ء



## عباس بیگ اور محمود بیگ

میرزا غالب کے بھانجے میرزا عباس بیگ سینا پور (پوری) میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے، اسی ضلع میں علاقہ بڑا گڑوں بطور جاگیر ملا تھا۔ چھ سو روپے ماہوار الگ یہ صلہ خدمات ہاتے تھے۔ ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد میرزا عباس بیگ لکھنؤ میں مقیم ہو گئے تھے۔ جہاں ایک امام باڑہ بھی بنوایا، پچھتر برس کی عمر پا کر ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں فوت ہوئے تو انہی کے امام باڑے میں انہیں دفن کیا گیا۔ نرینہ اولاد کوئی نہ تھی۔ وجہ النساء بیگم نام ایک بیٹی تھی، جس کی شادی اپنے بھتیجے محمود بیگ (بن عاشور بیگ) سے کر دی تھی جس کے نام دوسرا خط ہے۔ وجہ النساء والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی۔ عباس بیگ نے اپنے ایک اور بھتیجے فیاض بیگ (بن جواد بیگ عرف میرزا مغل) کو بیٹا بنا لیا تھا اور پوری جاہداد اسی کے نام کر دی تھی۔

میرزا عباس بیگ کا ذکر کئی خطوں میں آیا ہے۔ ان خطوں سے واضح ہے کہ بھانجیوں اور ان کی اولاد کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری تھا اور وہ لوگ میرزا سے ملنے کے لیے بھی دہلی آیا کرتے تھے۔ ان کے نام بہت سے خط ہوں گے، مگر صرف یہی دو خط نادم صاحب سینا پوری نے لکھنؤ کے ایک رسالے ”خیابان“ کی اشاعت نومبر ۱۹۳۳ء سے لے کر مارچ ۱۹۶۳ء کے ”آجکل“ (دہلی) میں شائع کرائے۔



بھائی مرزا عباس بہادر،

میں حیران ہوں کہ ہم سرکار کے کام کو کیوں کر انجام دیتے ہو اور مضامین قانونی کو کیوں کر سمجھ لیتے ہو اور منسلکات کے فیصلے کیوں کر کرتے ہو! مجھ کو نواب گورنر جنرل بہادر کا دربار کب صیب ہوا؟ نہ انہوں نے دہلی میں دربار کیا، نہ میں انبالہ گیا۔ میں نے تم کو لکھا کہ ادھر تو مجھ کو اپنے فرزند (۱) کی شادی میں شریک نہ ہونے کا رنج رہا۔ ادھر دربار میں حاضر نہ ہونے کا غم رہا۔ اخبار میں، میں نے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر، پنجاب یعنی جناب منٹ گمری (۲) اور ان کے سکریٹری ٹامس ڈگلس فورسائٹ (۳) صاحب اور ان کے میر منشی من بھول سنگھ (۴) صاحب کی تعریف چھپوائی اس اخبار کی عبارت سے یہ بات نکلتی ہے کہ منشی نے مجھے خلیفہ دلوانا؟ اور یہ بھی محلِ خور ہے کہ گورنر جنرل کے دربار میں خلیفہ پایا۔ چمکتے ہو اور پھر میر منشی من بھول سنگھ..... کو اس کا صیب

(۱) مکتوب الیہ کی دہلی، وجہ التمسایہ یکم مراد ہے، جس کی شادی محمود بیگ بن عاشور بیگ (خواہر زادہ میرزا غالب) سے ہوئی تھی۔

(۲) منٹگمری (۱۸۰۹ء-۱۸۸۷ء) نووری ۱۲۸۵ھ سے جنوری ۱۲۸۶ھ تک پنجاب کا لفٹنٹ گورنر رہا۔ خلیج ساہیوال کا نام اسی کے نام پر منٹگمری رکھا گیا تھا۔ اور منٹگمری ہال بھی اسی کی یادگار ہے۔

(۳) فورسائٹ (۱۸۲۷ء-۱۸۸۶ء) اس نے یارقتہ اور لیہ (کشمیر) کے سفر بھی کیے، انبالہ میں کمشنر بھی رہا، ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی سزا دہی کے لیے کمشنر بنا دیا گیا تھا، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ لفٹنٹ گورنر کا سکریٹری کب سے کب تک رہا۔

(۴) میر منشی پنجاب جیسے مولانا محمد حسین آزاد مرحوم اور بعض دوسرے افراد کے ساتھ کار خاص کے لیے وسط ایشیا بھیجا گیا تھا۔







ہوں اور زخمی ہو گیا ہوں۔ انبالہ کسی طرح جاؤں؟..... خبر  
آئندہ دربار میں پاؤ گئے۔

جو عرضی تم نے میری طرف سے لکھ کر مجھ کو بھیجی تھی اور  
میں نے اپنی مہر کر کے رجسٹری کروا کر کالکتہ بھیجی تھی، اس کا  
کچھ میں نے جواب نہیں پایا۔ شاید یہ حکم اس عرضی پر ہوا ہو،  
لیکن اس عرضی کو گئے ہوئے بہت دن ہوئے اور دربار و خلعت کی  
واگذاشت کا حکم اب صادر ہوا ہے (۲)۔ چنانچہ مولوی افشار حسین خاں میر منشی  
کہتے تھے کہ لاڈ صاحب تمہارے دربار و خلعت کے واگذاشت کا  
حکم دے کر کالکتہ سے اڈھر کو روانہ ہوئے ہیں۔

دوسرے نواب گورنر جنرل بہادر کا نام لاڈ اینگن بہادر ہے اور  
چیف سکریٹری کا کرنل ڈورینڈی بہادر نام ہے۔ سیرنگتن صاحب  
شاید سال آئندہ سکریٹری یا پرائیویٹ سکریٹری ہوں یا کونسل کے ممبر ہوں۔

یہ ہر حال اگر تمہارے سبب سے کام ہوا تو کیا غضب ہوا؟  
مگر اتنا جان لو کہ واگذاشت کا حکم سنا ہوں کہ ہو گیا ہے۔  
میرے پاس تقریر اس حکم کی بھی ابھی نہیں پہنچی اور تعمیل بھی ابھی  
نہیں ہوئی، یعنی نہ میں دربار میں گیا، نہ خلعت پایا۔ نواب لفٹنٹ گورنر  
بہادر کی ملاقات اور ان کا خلعت اور امر ہے، یہ اور بات ہے۔ اس  
امر اور اس بات سے اس کو ہر گز علاقتہ نہیں۔

اب میں نے جناب کرنل ڈورینڈی بہادر چیف سکریٹری کو فارسی  
میں خط (۱) بھیجا ہے اور وہ کاغذ انگریزی آمدہ ولایت اس کے ساتھ

(۱) میرزا بعض اوقات تو عرضیاں یا خطوط انگریزی میں ترجمہ کرا کے  
بھیجتے تھے۔ بعض اوقات فارسی میں بھی ارسال کر دیتے تھے۔ اس  
زمانے کے انگریز ہر امر کا خیال رکھتے تھے۔ اکثر سکریٹری فارسی جانتے  
تھے اور جو نہیں جانتے تھے، ان کے ہاں مترجم موجود تھے، جن کے  
ترجمہ پڑھ کر احکام نافذ کیے جاتے تھے۔



بیجے ہیں۔ چاہنا چاہیے کہ کورٹنٹ سے میرے واسطے تین دستور جاری ہیں : دربار، خلعت (۱)، خط۔ بعد غدر کے تینوں دستور بند ہو گئے۔ اب دربار اور خلعت کی واگراشت کی خبر سن کر سکوتر صاحب کو خط لکھا ہے۔ جواب کے آنے پر دلجمعی کا مدار ہے۔ اگر جواب آیا تو ہم کو ضرور اطلاع دوں گا۔ ۱۲

واسطے خدا کے ان سطروں کو غور سے دیکھنا اور مطالب کو اچھی طرح سمجھ لینا اور غلط نہ سمجھنا (۲)۔ دوسرا ورق بنام محمود میرزا کے ہے، اس کو دینا اور اگر تمہارے پاس نہ ہو تو جہاں ہو بیج دینا۔

مراقبہ صبح سد شنبہ ۲۳۔ ذی قعدہ (۱۲۷۹ھ) راقم غالب

مطابق ۱۲۔ مئی (۱۸۶۳ء) سدہ حال ضروری جواب طلب

## (۲)

برخوردار الیال نشان محمود میرزا کو دعا پہنچے۔ بوقت میں تمہارا خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ خط تمہارا اچھا ہے، خدا کرے خط سر نوشت بھی اچھا ہو۔

(۱) میرزا نے نواب یوسف علی خاں کے نام ایک مکتوبہ (مراقبہ ۱۸۔ دسمبر ۱۸۶۶ء) میں خلعت کی تفصیل یہ بتائی ہے : 'کعبوہ کا تھان ایک، بنارسی تھان سنہری بوتلے ایک، 'بنارسی سیلا ایک، الوان کی چادر کٹاوا کلاہون ایک، قاپوز کا تھان ایک، الوان کی چادر بے کٹاوا ایک، دوشالہ ایک، یہ کل سات پارچے ہوئے جیفہ، سر بیچ دار، مالے مروارید ان پارچوں کے علاوہ تھے۔ (مکاتیب غالب ص ۸۸)۔

(۲) میرزا کے اس خط سے واضح ہے کہ اگرچہ میرزا عباس بیگ اپنی کارکردگی اور خدمات کی بنا پر بلند مرتبے پر پہنچ گئے تھے، مگر بے پروا سے تھے۔ کم از کم معاملات کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کا زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے۔ اسی لیے دوسرے خط میں جو میرزا محمود بیگ کے نام ہے، عباس بیگ کو مست خود پرست لکھا ہے۔



خدا کی قسم تمہارے سہرے کے دیکھنے کی بہت خوشی تھی، مگر آنہ سکا (۱) اگر جیتا رہا اور اسباب نے مصلحت کی جو اکتوبر نومبر یعنی جاڑوں میں آؤں گا۔ اور تم لوگوں کو دیکھوں گا۔ ۱۲

پھر اب اچھا ہو گیا ہے (۲) خاطر جمع رکھو۔ چہ پہلے کے دن رات کی نرس نے جو روح تحلیل کی ہے اب بڑھاپے میں وہ پھر اکھاں سے آئے۔ بیٹا! تیرے سر کی قسم اگر میں لنگ باندھے ہوئے نکلا بیٹھا ہوں تو میری شکل آکھ کی بڑھیا کی سی ہوگی۔ شاید ہوا کے جھولنے سے اڑ جائوں۔ جب مجھ کو دیکھو گے، تب جانو گے کہ کیا حال ہے (۳)۔ ۱۲

تمہارے ججا (۴) اللہ میاں کے "بست خود پرست" بندے ہیں۔ بات ہے کچھ، سمجھتے ہیں کچھ، نہ اخبار کا مطلب سمجھتے، نہ میرا حال۔ نہ میرا منہ جو کچھ واقع ہوا، اس کو سمجھتے۔ اب میں نے ان کو ایک خط جداگانہ لکھا ہے۔ اپنی طرف سے اظہار حال میں کوئی ذلیقہ باقی نہیں رکھا۔ خدا کرے سمجھ جائیں، لیکن مجھ کو توقع نہیں کہ سمجھیں۔

تم نے اپنی والدہ کی اور اپنی بہاوج کی اور خدا داد (۵) اور

(۱) میرزا مرض احتراق میں مبتلا ہو کر بالکل معذور ہو گئے تھے، اس لیے شادی میں شریک نہ ہو سکے۔

(۲) اس فقرے سے صاف ظاہر ہے کہ میرزا محمود بیگ اور محام دوسرے عزیزوں کو میرزا غالب کی بیماری کے متعلق اطلاع نہیں اور خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدہ جاری تھا۔

(۳) گویا میرزا محمود بیگ اور دوسرے عزیز میرزا کو دیکھنے کے لیے آئے بھی رہتے تھے۔ (۴) میرزا عباس بیگ۔

(۵) میرزا خداداد بیگ میرزا محمود بیگ کے بیٹا اور میرزا عاصم بیگ کے بیٹے تھے۔



رفیع الدین (۱) کی خیر و عافیت نہ لکھی۔ اب جو اس خط کا جواب لکھو تو  
 ان سب کی خیر و عافیتیں لکھو۔ ۱۲  
 سہ شنبہ ۲۳۔ ذی قعدہ (۱۲۷۹ھ)  
 ۱۲۔ مئی ۱۸۶۳ء حال (۱۸۶۳ء)

غالب

---

(۱) میرزا رفیع الدین بیک بھی محمود بیک کے بھائی تھے، شعر بھی کہتے تھے اور  
 وحشی تخلص تھا۔ ان کا ایک مختصر سا دیوان چھپا تھا۔ اب کتاب ہے۔



## میر احمد حسین میکش

والد کا نام میر کرار حسین ، ”روز روشن“ میں کراست حسین مرقوم ہے (ص ۹۸) جو صحیح نہیں ۔ میرزا غالب کے عزیز شاگرد ، عموماً فارسی شعر کہتے تھے۔ دہلی میں ان کا مشغلہ وکالت عدالت دیوانی تھا۔ (کلیات شکر فارسی غالب ص ۱۷) پھر یہ مشغلہ چھوڑ کر بشودی چنے گئے ۔ میرزا لکھتے ہیں :

یاد آورند کہ رفتن ایشان بہ بشودی روا تم داشتہ بودیم  
و باور دارند کہ ماندن ایشان در آنجا روا نداریم  
(کلیات شکر فارسی ص ۱۷)

جب میرزا کو عہدِ حسین خاں والی فرخ آباد نے اپنے پاس بلایا اور میرزا جانے پر راضی ہو گئے تو وہ میکش کو بھی ساتھ لے جا رہے تھے ۔ فارسی کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

دوین فرخندہ هنگام امیر سلطان شکوہ نصیر الدولہ معین الملک  
عہد حسین خاں بہادر حشمت جنگ کہ وسادہ نشین ریاست  
فرخ آباد است همانا کہ روشنی فروغی کہ در گوہر اوست  
گہر فشان کلک مرا نگرستہ و بہ من روئے نمود ۔ ورود من  
بہ فرخ آباد آرزو کردہ ۔ ہر چند گوشہ نشینی و ناسرادی آئین  
من است ، اما بہ مشاہدہ سہرے کہ ایی والا جاء یا من  
ہے ورزد ، آہنگ آن دارم کہ ہائے خوابیدہ را بہ رفتار آرم  
و از دہلی بہ فرخ آباد بروم و شا را بہ خوشن برم ۔ چہ  
خوشی باشد کہ پیوند اقامت بشودی کہ نہ بہ اندازہ آرزوی  
ثبات ، بگسلید و ہم دوین ہفتہ بہ من پیوندید !



ہلاک نیموہ کنکین ضمواء مستان را  
عنان گسستہ تر از باد نو بہار بہا

(کلیات نثر ۲۱۸)

اس خط پر تاریخ ثبت نہیں لیکن جمال حسین خاں کا انتقال ۱۸۵۶ء میں ہوا۔ یہ بہ ہر حال اس سے پیشتر کا ہوگا۔ میرزا فرخ آباد نہ گئے۔ ممکن ہے جمال حسین خاں کی بیماری اور وفات ہی کے باعث رک جانا ناگزیر ہو گیا ہو۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت میکش دہلی میں تھا۔ میرزا غالب مہرج کو لکھتے ہیں (تاریخ ۷۔ فروری ۱۸۵۸ء) :

میکش چین میں ہے۔ باتیں بنانا پھرتا ہے۔ ”سلطان جی“ میں تھا۔ اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بیٹی آیا۔ بالچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بیٹی کو اور لڑکے کو ہرام بود میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔ خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدنا پھرتا ہے۔

(خطوط غالب مرثیہ سہیت پرشاد ص ۲۳۵)

اپریل ۱۸۵۸ء کے ایک مکتوب میں غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں :

میکش کا حال تم کو معلوم ہے یا نہیں؟ مخنوق ہوا، گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں (خطوط ص ۲۲۱)

مطلب یہ کہ اسے بھانسی دے دی گئی۔ خدا جانے بعض اصحاب نے کسی بنا پر یہ لکھ دیا کہ دوران ہنگامہ میں میکش کو ایک گویے نے گولی مار دی۔

دہلی میں مختلف اصحاب کو بھانسی دلانے کے لیے سب سے بڑھ کر سرگرمی تھیوٹلس جان مشکاف نے دکھائی تھی، جسے اہل دہلی ”کالا“ مشکاف کہا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے اسی نے میکش کو شہر میں پھرتے دیکھا تو پکڑوا کر جھٹ پٹ بھانسی دلا دی حالانکہ اس عرصہ کا کوئی بھی گناہ نہ تھا۔



میرزا کے ایک اور خط میں یہی میکش کا ذکر آیا ہے ، میر سہدی  
مروج نے ایک خط میں لکھ دیا تھا کہ کئی ہے مجھ کو میکش بہت یاد  
آتا ہے ۔ میرزا لکھتے ہیں :

سو صاحب ! اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کہا لکھوں ؟ وہ  
صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرنے ہو ، اور نو کچھ بن نہیں آتی ،  
مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو ۔ آنسوؤں سے پیاس نہیں بجھتی ۔  
یہ تقریر تلافی اس تقریر کی نہیں کر سکتی ۔

(خطوط ص ۲۵۱)

”روز روشن“ میں ہے :

میکش . . . . . از سادات دہلی و تلامذہ اسد اللہ خاں غالب بود ،  
طبع معنی یاب داشت : و قدم بر طریقہ استاد خود گزاشت ۔  
در زبان تالیف ”آفتاب عالم تاب“ زندہ بود ۔

اے آنکہ در شہائے غم اندر دل من بگزی  
خون است این جا موجزن در من نگہدار از تری  
از ہر دو جانب موی تو آورختہ بروئے نو  
اے بستہ گیسوئے تو ہم زہرہ و ہم مشتری  
بر اوج شوکت ناویا پرواز عالی فطری  
در ملک عشقت تاروا ، پروانہ نیک اختری

(ص ۶۶۸ - ۶۶۹)

”گلستان سخن“ میں صرف یہ شعر مرقوم ہے :

گفتنش دی باکہ سے رفتی خرابان سوئے باغ  
گفت میکش ، بودہ باشد کای گرفتار من است

میرزا غالب نے اسی میکش اور جواہر سنگھ جواہر کے لیے ایک  
رباعی کہی تھی :

تا میکش و جواہر دو سخنور دارم شان دگر و شوکت دیگر دارم  
دو میکہ یرم کہ میکش از ماست دو معرکہ تیغیم کہ جواہر دارم  
(تلامذہ غالب ، کلیات نثر فارسی  
خطوط ، روز روشن ، گلستان سخن)



(۱)

بیانی میکش ،

آفرین ، ہزار آفرین - تاریخ نے مزا دیا - خدا جلے وہ خرے کس مزے کے  
ہوں گئے ، جن کی تاریخ ایسی ہے - دیکھو صاحب :

قلندر ہرچہ گوید ، دہدہ گوید

تاریخ دیکھی - اس کی تعریف کے خرے کٹھانیں گئے - اس کی تعریف  
کریں گئے - کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آئے کہ یہ حسن طلب  
ہے کہ نافع دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو - ابھی رقعہ  
لے کر آیا ہے ، ابھی خرے لے کر آئے - لا حول ولا قوۃ الا باللہ  
العلیٰ العظیم - اگر بغرض حال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے اور میں دین محمد  
صاحب کے مات خرے بچھاؤ گے ، تو ہم بھی کہیں گے : ”نازہ سے بہتر ،  
بارہ سے بہتر۔“

۱۸۵۶ء

(۲)

میاں عجیب اتفاق ہے - نہ میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں ،  
نہ تم میرے دیکھنے کو قدم راجہ کرنا سکتے ہو - وہ قدم راجہ کہاں  
سے کرو ، سراپا راجہ ہو - لا حول ولا قوۃ - تعطیل کے دن کیا ناخوش  
گزرے - یوسف مرزا ہے ، میر سرفراز حسین ہے ، تمہارا حال سن لیتا ہوں اور  
رہنچ کھانا ہوں - خدا تمہارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے -  
خواہیں یہ ہے کہ نانوائی کا عذر نہ کرو اور اپنا حال اپنے مات  
سے لکھو - والدعا

اسد

(۱۸۵۶ء)



## یوسف علی خان عزیز

عزیز کے والد مرزا نجف علی خان جنوں ، خلیف میرزا محمد علی خان دیوانہ کا وطن بنارس تھا ۔ نساج نے لکھا ہے کہ وہ اطراف دہلی میں سرشتہ داری اور تحصیلداری کرتے تھے ۔ (سخن شعرا ص ۱۱۲) پھر انہوں نے علی گڑھ کو مستقل وطن بنا لیا اور وہاں جاہداد بھی پیدا کر لی تھی ۔ جنوری ۱۸۵۳ء میں ان کا انتقال ہوا ۔ معلوم ہوتا ہے یوسف علی خان عزیز نے وارث ہوتے ہی جاہداد برہاد کر دی اور روزگار کی کوئی سبیل نہ ملی تو دہلی آ گئے ۔ میرزا غالب نے ان کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا ۔ کیونکہ نجف علی خان جنوں نے غالباً اطراف دہلی میں سرشتہ داری اور تحصیلداری کے دوران میرزا سے گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے تھے اور عزیز کی ہردش میرزا ایک عزیز دوست کے بیٹے کی حیثیت میں اپنا فرض سمجھتے تھے ۔ ان کی ملازمت کے لیے بھی کوشش کی ۔ پھر عزیز نے ہلی ماروں میں ایک هندو رئیس کے بیٹے کو بڑھانا شروع کر دیا ۔ اور جیسے بھی ان سے بڑھتے رہے ۔ لیکن یہ ذریعہ معاش نہ مستقل تھا اور نہ اطمینان بخش ، لہذا عزیز ادھر ادھر پھرتے بھی رہے ۔ مرثیہ گوئی اور سوزخوائی کا شوق بھی تھا ۔ میرزا کی کوشش سے حکیم امین اللہ خان نے عزیز کو بہادر شاہ کی بارگاہ میں پیش کیا ۔ وہاں سے چار پارچے کا خلعت ملا ۔ ”سراج الشعراء“ اور ”سراج الذاکرین“ خطاب ملا ۔ تیس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا ۔ جو محرم ۱۲۸۵ھ کے بعد بند ہو گیا ۔ آخر عمر میں یہ سلسلہ تلاش روزگار بیوپال چنچے وہیں انتقال ہوا (۱۲۸۹ھ - ۱۲۸۷ھ)۔



سعادت و اقبال نشان میرزا یوسف علی خاں کو بعد دعا کے دل نشین ہو کہ تذکیر و تائید ہرگز مطلق علیہ جمہور نہیں۔ اے لو! ”لفظہ اس ملک کے لوگوں کے نزدیک مذکر ہے، اہل یورپ اس کو مؤنث بولتے ہیں۔ خبر، جو میری زبان پر ہے وہ میں لکھ دیتا ہوں۔ اس باب میں کسی کا کلام حجت اور برہان نہیں ہے۔ ایک گروہ نے کچھ مان لیا، ایک جماعت نے کچھ جان لیا۔ اس کا قاعدہ منضبط نہیں۔

الف مذکر، ب، ت، ث، مؤنث۔ جیم مذکر، ح، خ، مؤنث، دال ذال مؤنث۔ سین شین مذکر۔ ص، ض، ط، ظ مؤنث، عین عین مذکر، ف مؤنث، قاف، کاف، لام، مہم، نون مذکر۔ ووا ہے، ے مؤنث، ہمزہ مذکر۔ لام الف حروف مفردہ میں نہیں، مگر بولنے میں مذکر بولا جائے گا۔ مثلاً لام الف کیا خوب لکھا ہے؟ کہیں گے، ”کیا خوب لکھی ہے“ نہ کہیں گے۔

”خزادہ“، ”خداوند زادہ“ کا مخفف، لیکن فارسی، عربی نہیں۔ اردو کا روز مرہ تھا ”خزادہ“ اور ”خزادی“ (۱) مرادف صاحبزادہ اور صاحبزادی ہے، مگر فی زمانہ مشرک ہے۔

”فقی“، فارسی لفظ نہیں ہو سکتا، عربی بھی نہیں۔ روز مرہ اردو ہے جیسا کہ میر حسن کہتا ہے:

کہ رستم جسے دیکھ رہ جائے فن

شعراے حال کے کلام میں نظر نہیں آتا۔

”نکبہ“ لفظ عربی الاصل ہے، فارسی اور اردو میں مستعمل۔ دونوں زبانوں میں ہم یہ معنی ”بالش“، (۲) ہم یہ معنی ”مکان قنبر“ آیا ہے۔ ایران میں ”نکبہ“ مرزا حائب، مشہور ہے۔

(۱) یہ دونوں لفظ خواجہ زادہ اور خواجہ زادی کے مخفف ہیں۔

(۲) سرھانا۔



”گل نکیہ،“ لفظ مرکب ہے ہندی اور فارسی سے۔ ”گل“، مخفف ”کال“، کا اور نکیہ یہ معنی ”بالش“، وہ چھوٹا گول نکیہ جو رخسار کے تلے رکھیں ”گل نکیہ“ کہلاتا ہے۔ ”گل“، (۱) یہ معنی بھانسی انگریزی لغت ہے۔

انگریزی زبان نے بنگالے میں سو برس اور دلی اکبر آباد میں ساٹھ برس سے رواج پایا ہے۔ ”گل نکیہ“ وضع کیا ہوا نورجہاں بیگم کا ہے۔ جہانگیر کے عہد میں اہل ہند کہا جاتے تھے کہ ”گل“، کیا چیز ہے (۲)۔

”معنی مفرد یہ لفظ جمع“، اس جملے کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ معنی مفرد، معانی جمع۔ اور یہ جو اردو کے محاورے میں تقریر کرتے ہیں کہ ”اس شعر کے معنی کیا ہیں“ یا ”اس شعر کے معنی کیا خوب ہیں“۔ اس میں دخل نہیں کیا جاتا ہے۔ خاص و عام کی زبان پر یونہی ہے۔ معانی کی جگہ معنی بولتے ہیں۔

”پتہ،“ لفظ ہندی الاصل ”پتہ“ ہے، یہ عامیہ مضمرہ۔ بعض مذكر بولتے ہیں، بعض مؤنث۔ شعر پتہ اچھا ہے، صاف و ہموار۔

(۱۸۹۶ء) راقم، غالب

## (۲)

میان،

گل زین العابدین قزو کا خط، مع اشعار کے، ٹکڑدار لٹافہ کے اندر رکھ کر، بہ سیل ڈاک بھجوا دیا ہے۔ آج صبح کو جمہارا خط آیا۔ دوپہر کو میں نے جواب لکھا، تیسرے پھر کو روانہ کیا۔

”سوتیلوں کا پھٹکا،“ الٹہ پتہ مناسب ہے، خیر ”سوتیلوں کا نوالہ“ بھی سہی۔

(۱) بظاہر انگریزی لفظ Gallows کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) مطلب یہ کہ جہانگیر کے زمانے میں انگریزی لفظ یہ معنی بھانسی کون جانتا تھا۔



حافظ کے شعر کی حقیقت جب سمجھو گئے جب قواعد مقررہ اہل سخن دریافت کر لو گئے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر مطلع میں یا اور اشعار میں رفاقی کی احتیاج آئے اور اس کی اطلاع ایک شعر میں کر دیں تو عیب جانا رہتا ہے۔ جیسا کہ استاد کا قطعہ ہے۔ اس میں ”ریو،“ و ”خرویو،“ کا قافیہ ہے اور شعر اخیر قطعہ کا یہ ہے :

غلط کلام ذریں معنی کہ گفتم زخندان نگر خویش را ”سیو،“  
حالانکہ صحیح ”سبب،“ ہے یہ بے موجدہ۔ شاعر نے اطلاع کر دی  
کہ میں نے غلط کیا جو ”سیو،“ لکھا  
اسی طرح حافظ فرماتا ہے :

یہ بین تفاوت رہ از گنجاست نا بکجا

حاصل اس کا یہ کہ ”دیکھو کتنا تفاوت ہے،“ ایک جگہ حرف روی ساکن اور ایک جگہ متحرک، مگر یہاں ابھی معترض کو گنجایش ہے کہ وہ یہ کہے کہ ہاں تفاوت کو ہم بھی جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ تفاوت ہم نے کیوں رکھا؟ اس کا جواب پہلا مصرع ہے :

صلاح کار کجا و من خراب کجا

یعنی حافظ فرماتا ہے کہ میں عاشق زار و دیوانہ ہوں۔ صلاح کار سے مجھ کو کیا کم؟

یورپ کے ملک میں جہاں تک جانے جاؤ گئے، تذکیر و تارث کا جھکڑا بہت پاؤ گئے۔ ”سانس،“ میرے نزدیک مذکر ہے، لیکن اگر کوئی مؤنث بولے گا تو میں اس کو منع نہیں کر سکتا۔ خود ”سانس،“ کو مؤنث نہ کہوں گا۔

سیف کو ”عدو کش،“ اور کھلم کو ”عدو بند،“ کہتے ہیں۔ سیف ”عدو بند،“ نہیں ہو سکتی۔ تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو ”عدو بند،“ نہ کہو۔ کوئی اور اگر کہے تو اوس سے نہ لڑو۔



”زلف“ کو ”شب رنگہ“ اور ”شبگون“ کہتے ہیں۔ ”شبگیر“ زلف کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ”شبگیر“ اس سفر کو کہتے ہیں کہ پھر چھ گھنٹی رات رہے چل دیں۔ نالہ ”شبگیر“ آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں، ”زلف شبگیر“ نہ مسجع، نہ معنول (۱)۔

”سخن“ کا قافیہ ”بن“ یہی دوست ہے اور ”تن“ بھی جائز ہے، یعنی سخن کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے اور اس پر متلمذین اور متاخرین اور اہل ایران اور اہل عند کو اتفاق ہے۔ ”تجہ“ خلتعاش، بوٹ کے ٹوٹے کو کہتے ہیں، اس میں کچھ شامل نہ چاہیے۔۔

تم اپنی تکمیل کی فکر کرو، وئیار کسی پر اعتراض نہ کیا کرو۔  
والدعا

### (۳)

بھائی،

تم کیا فرماتے ہو؟ جان بوجھ کر اجماع پڑے جاتے ہو؟ واقعی غدر میں میرا گھر نہیں لٹا، مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لٹا؟ بھائی ضیا الدین خان صاحب بہادر اور نالپر، حسین میرزا (۲) ہندی اور فارسی نظم اور نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے، سو اون دونوں گھروں پر جھاڑو بھر گئی۔ نہ کتاب رہی، نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں؟

ہاں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ ملی کی گیارہویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا حال میں نے لکھا

(۱) نہ سنا ہے اور نہ عقل میں آتا ہے۔

(۲) نالپر کے بعد، کلہا، اس لیے لکایا کہ حسین میرزا یہ اعتبار عہدہ نالپر تھے، یہ لفظ ان کے نام کا جزو نہ تھا۔



ہے اور نثر فارسی زبان قدیم میں ہے کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے اور ایک تصید فارسی متعارف، عربی اور فارسی ملی ہوئی زبان میں حضرت فلک رفعت جناب ملکہ معظمہ، انگلستان کی شاہش میں، اوس نثر کے ساتھ شامل ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید خلائق آگرہ میں منشی نبی بخش صاحب حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ سہر اور منشی مرگوبالہ نقتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی ہے۔ فی الحال مجموعہ میری نظم و نثر کا اس کے سوا اور کہیں نہیں۔ اگر منشی امیر علی خاں میرے کلام کے مشتاق ہیں تو یہ نسخہ موسوم بہ "دستنبیہ" مطبع مفید خلائق میں سے منگا لیں اور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۸۰۹ء)



## مولوی ضیاء الدین خان ضیاء دہلوی

مولوی صاحب موصوف بعد ازاں شمس العلیٰ اور اہل اہل ڈی  
ایڈنبرا کے اعزازات سے مشرف ہوئے۔

خدمت والا جناب معقلیم ، مسلم علیا عرب و عجم مولوی ضیاء الدین خان  
صاحب ضیاء دہلوی فیروزہ نواب سابق ہستی دارابور۔

جناب مولوی صاحب میں نے ایام دستار نشینی میں شرح ماہہ عامل نک  
پڑھا بعد اس کے لہو و لعب اور آگے بڑھ کر فنی و فجور و عیش و طرب میں  
منہمک ہو گیا۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی  
تھا۔ ناگہ ایک شخص..... (۱) کہ سامان ہنجم کی نسل میں سے ، معہذا  
منطقی و فلسفہ میں مولوی فضل حق مرحوم کا نظیر اور مومن و صوفی  
صالح تھا ، میرے شہر میں (۲) وارد ہوا ، اور لطائف فارسی بخت اور خواہش فارسی  
آمیختہ بہ عربی ، اس سے میرے حالی ہوئے۔ سونا کسوٹی پر چڑھ گیا۔ ذہن  
معوج نہ تھا۔ زبان دری سے پیوند اولیٰ اور استاد ہے مبالغہ جاماسب (۳)

(۱) یہاں "وارد ہوا" مرفوم ہے لیکن ظاہر ہے کہ "وارد ہوا" کا اصل مقام  
آگے آتا ہے۔ غالباً میرزا رومی یہ الفاظ مکرر لکھ گئے۔

(۲) "میرے شہر" سے اس مقام پر مراد آگرہ ہے ، جہاں ملا عبدالصمد آئے تھے  
اور دو سال میرزا کے پاس ٹھہرے تھے۔

(۳) زردشتی روایات کے مطابق ایک حکیم جس نے زردشت کی صاحبزادی سے  
شادی کی تھی ، پھر وہ اور اس کا بیٹا فرسوشدہ ، گشتاسب ہخامنشی کے وزیر رہے۔  
پیشگوئیاں جاماسب ہی سے منسوب ہیں۔



عہد اور یزرجمہر (۱) عصر تھا ۔ حقیقت اس زبان کی دل نشین و خاطر نشان ہو گئی ۔

اہل یارس جو اقدم عالم کے قائل ہیں ، وہ یوں مثل ہنود کے آفرینشی عالم کا آغاز و انجام و سرو بن نہیں بناتے ۔ ہمارے مذہب کے مطابق بھی کوسمرٹ وغیرہم کو دو چار ہزار برس سے کم نہ گزرے ہوں گے ۔ نائہ (۲) اور نجوم اور طب اور فقه اور انشاء (۳) کون سا علم اور کون سا فن ہوگا جو اس گروہ میں نہ ہوگا ۔ سکندر جب ایران پر مسلط ہوا تو ارسطو نے کتاب خانہ دارا سے بہت سے علوم یونانی زبان میں نقل کیے ۔ اللہ اللہ اس گروہ کو دیکھئے ، جن کا کلام علم حکمت میں حکمائے یونان کا ماحذ ہوا ۔ اگر ابو علی سینا (۴) ابوس و شمگیر (۵) کے کتاب خانے سے کتب حکمائے یونانیہ لیے کر مطالب حکمی زبان عرب میں نقل نہ کرنا تو اکابر عرب میں ۔ وائے مسائل قہیہ شرعیہ ، علم معقول کا نشان نہ پایا جاتا (۶) ۔

دو تین ہزار برس قبل آج سے کہ عرب و عجم یکگانہ ہم دگر تھے ۔ اہل یارس اپنے مطالب علم بلکہ علوم متنوعہ کو کسی زبان میں شروع

(۱) یزرجمہر یا یزرجمہر ، خسرو نوشیروان کا وزیر ، جس کی دانائی اور دانشمندی ضرب المثل ہے ۔

(۲) الہیات ۔ (۳) موسیقی ۔

(۴) امیر شمس المعالی فابوس و شمگیر صاحب ”لابوس نامہ“ زبانی خاندان کا چوتھا بادشاہ (۹۷۷ء-۱۰۱۲ء) ۔ اس خاندان کا مرکز جرجان اور طبرستان تھے ، لیکن کچھ عرصے کے لیے ان کا دائرہ اقتدار بہت پھیل گیا تھا ۔ فابوس کو علم پروری میں بڑی شہرت حاصل ہے ۔

(۵) میرزا کا یہ بیان یقیناً صحیح نہیں کہ یونانیوں نے ایرانیوں سے بیشتر علوم یونانی زبان میں نقل کیے یا ابو علی سینا نے یونانی علوم عربی میں منتقل کر دیے ۔



کیا کرتے تھے اور تعلیم و تعلم و سوال و جواب کا مدار کن الفاظ پر ہوگا ؟  
 سہ شہ وہ الفاظ پارسی ہوں گے ۔ جب خلیفہ ثانی (۱) کے عہد میں بزد جرد (۲)  
 مارا گیا اور پارس پر اعراب مسلط ہوئے ، دو فتن کاپیاتی کا جواہر آئین چمڑا  
 بارہ بارہ ہو کر غازیان اسلام پر ہٹ گیا ۔ کتاب خانے پارس کے کیا بادشاہی اور  
 کیا رعایا کے چھوٹے میں چھوٹکے گئے ، یعنی ان سے جام گرم ہوئے (۳) ،  
 جیسا کہ میں نے ایک جگہ اس واقعہ کو فارسی عبارت میں لکھا ہے ۔  
 وہی خدا :

کتاب خانہ خانے پارسیان افروزینہ کلخن گرما یہ خانے بغداد شد ۔ جانا  
 احکام آتش برستی ہم یہ آتش باز گشت (۴) ۔

اگرچہ بلاغت خاص اہل عرب کے حصے میں آئی ، لیکن فصاحت  
 میں اہل پارس بھی اعراب کے شریک ہیں ۔ بالجمہ اعیان عجم و  
 بلحاے عرب میں امتزاج و اختلاط و مہر و محبت و قرب و روابط پیدا

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۔ (۲) ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ ۔

(۳) یہ بیان بھی سراسر نا درست ہے ۔ کیونکہ کوئی کتب خانہ تھا  
 ہی نہیں جو لوٹا یا جلا یا گیا ہو ۔ ایسا ہی ایک افسانہ مسیحیوں  
 نے کتب خانہ اسکندریہ کے متعلق نرٹا بھا ، حالانکہ مدت سے خود  
 مغربی محققین تسلیم کر رہے ہیں کہ اصل کتب خانہ جولیس سیزر نے  
 مسلمانوں سے حدیوں پر جلا دیا تھا ۔ اس کے بعد جو کتابیں جمع ہوئیں  
 وہ قسطنطنیہ کے شاہنشاہ تھیرڈوسیس کے فرمان کے مطابق ۳۸۹ء میں تباہ کی  
 جا چکی تھیں ، یعنی مسلمانوں کے ورود سے کچھ کم تین سو سال پیشتر ۔

(۴) یہ عبارت ”سہر نیمروز“ کی ہے ، لیکن اصل بیان کے غلط  
 ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب ایران فتح ہوا تو بغداد  
 موجود ہی نہ تھا ۔ جب عباسی برسر اقتدار آئے تو منصور عباسی (۷۵۴ء-۷۷۵ء)  
 نے بغداد کی بنیاد رکھی یہ فتح ایران سے کم و بیش ایک سو سال بعد  
 کا واقعہ ہے ۔



ہوئے۔ اختلاف مذہب اٹھ گیا تھا اور ریاست و سیاست بہ صلاح و صواب دید  
 فریدین ہوئے لگے۔ طبیعتیں تو ہیں ذراک۔ فارسی و عربی کو باہم ربط  
 دے کر ایک اردو پیدا کیا۔ سبحان اللہ وہ زبان نکلی کہ نہ نری فارسی  
 میں وہ خزانہ، نہ نری عربی میں وہ ذوق۔ زبان فارسی کے قواعد کے  
 کتب خاکستر ہو گئے تھے۔ اس میں طرہ یہ کہ عربی کے قواعد کے  
 بڑے بڑے جلیل القدر رسالے مرتب ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ بے جا رہ  
 فارسی زبان غریب الوطن بے سرو سامان۔ نہ اس کی کوئی فرہنگ، نہ اس کے  
 قوانین کا کوئی رسالہ، نہ علم پارسی کا کوئی عالم باقی۔ دو چار ہزار  
 لغت و اسم و مثل زبان زد اہل عصر ہوں گے۔ فارسی کا حرف کہاں؟  
 فارسی کا نمونہ کہاں؟ فارسی زبان اعراب کی لونڈی، جو چاہا نام رکھ  
 دیا۔ حوالہ نہار کہہ کر ہلکا رہا، شمس التہار کہہ کر یاد کیا اور لونڈی  
 چھوڑ کر کہہ کر ہلا گیا۔ سو بھی جو اکابر فرہانین موجد زبان اردو ہوئے  
 تھے، وہ تسلسلہ قواعد پارسی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ۱۵۸۰ء ۱۶۰۰ء ہجری  
 میں ہوسناک لوگ فارسی کے فرہنگ لکھنے پر متوجہ ہوئے۔ نہ  
 ایک، نہ دو بلکہ ہزار در ہزار فرہنگیں فراہم ہو گئیں (۱)۔ یہاں تک  
 کہ قبل نو مسلم لکھنوی اور غیاث الدین ملتانی مکتب دار رام پوری  
 اور کوئی روشن علی جوہری اور کہاں تک کہوں کون کون، جس  
 کے جی میں آتی وہ متصدی تحریر قواعد انشا ہو گیا۔ میں ان سب کو  
 یا ان میں سے بعض فلاں و بھان کو اپنا مطاع کیوں کر جانوں اور کس  
 دلیل سے ان کے لحکم کو مانوں؟

پارسیان سانی جو جانتے نہ تھے کہ فاعل کسی کو کہتے ہیں اور  
 جمع کسی مرض کا نام ہے، امر کا صیغہ کون جانور ہے اور  
 اسم جاسد کسی قسم کے پتھر کو کہتے ہیں، انہوں نے کیسی نہ کہا ہو گا کہ  
 دانا و بیٹا صیغہ اسم فاعل اور نالان و گریان صیغہ فاعل یا حالیہ ہے۔ ایک

(۱) یہ زبان پداہتہ مبالغے پر مبنی ہے۔



جماعت نے کہہ دیا ہے کہ الف نون افادہ معنی فاعلیت کرتا ہے۔ ایک صف ہیکار  
 اٹھی کم الف نون حالیہ ہے۔ خدا جنے اہل یارس اپنی زبان میں صیغہ  
 امر انکو کیا کہتے ہوں گے اور الف فاعل ان کی لسان میں کون ہوگا۔  
 آخر یہ لن اسور دینی میں سے تو نہیں ہے کہ جو الہام اعظم رب کے قول  
 کو نہ مانے وہ مرند ہے۔ ثبوت قیاس کا مادہ اوروں میں نہا، ہم کو پیدا  
 ہے یہ ثبوت عطا نہیں ہوں اور پھر الف نون حالیہ کے وجود کے اعتراف میں،  
 میں ہی منفرد نہیں ہوں، بلوں تمہارے اور اشخاص بھی ہیں۔ سوال اس قدر  
 ہے کہ الف نون حالیہ موجود ہے یا نہیں؟ سائل کا جواب وہیں  
 تمام ہوا، یہاں تم نے فرمایا کہ سابقین القاتل وخیزان کو الف نون حالیہ  
 لکھ گئے۔ لاحقین نے کہا کہ یہ الف نون فاعل کا ہے۔ خیر ایک تردد  
 اگر پیدا ہوا تو نسبیہ میں پیدا ہوا۔ متاخرین کا قول متاخرین کے کلام کا  
 تاسخ اور الف نون حالیہ کے وجود کا مبطل تو نہیں ہوا۔ یہ ہر حال میں  
 لکھ دو کہ بعض لوگ اس الف نون کو فاعل کا الف نون بتاتے ہیں۔  
 اور بعض الف نون حالیہ کہتے ہیں۔ قصہ مختصر کاغذ استغناء مع دستخط  
 حضرات یا بے دستخط کل میرے پاس بھیج دیجیے۔

نہروڑی تقریر اگرچہ خارج از بحث ہے لیکن اس واسطے وہ تقریر تحریر میں  
 لاتا ہوں کہ پھر مجھے کچھ لکھنا نہ پڑے۔ اہل یارس کے منطقی میں  
 رواں و دواں مع نظائر کے بہت ہیں۔ کسی اسم کے ساتھ غنص نہیں۔  
 اہل عرب نے، بلکہ تویہ تویہ ان کو کیوں منہم کرون، فرہنگ  
 نگاران ہند نے یہ نام سواہن اپنے قیاس کے رکھے۔ ہم افادہ معنی فاعلیت کے  
 قیاس کو نہیں مانتے۔ الف نون حالیہ کہنے والوں کو ہم نے مطابقت  
 رائے کی ہے۔

فارسی میں اسم فاعل دو صورت پر ہے یا گویندہ یا گویا۔ صیغہ ہائے  
 امر کے ما بعد جو الف نون ہے، وہ حالیہ ہے، ہاں فعل کا ایک  
 توہم سا گزرتا ہے سو اگر بہ ايمان نظر دیکھیے تو ویسا ہی ایک وہم



مفعولیت کا بھی بابا جانا ہے۔ بس نظر اس بات پر ہے کہ قاعدت کی حالت اور مفعولیت کی حالت معاً پائی جائے ہی یہ الف نون حالیہ ہے اور ایسے وجود کے اثبات میں قواعد نحو عربیہ کا محتاج نہیں۔

خاص "اقتادن" میں دیکھو کہ نہ "اقتندہ" مستعمل ہے، مثل گویندہ، نہ "اقتادہ" مسموع و موجود ہے، مثل گویا "اقتان" صیغہ فاعل کہاں سے آگیا؟ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ "اقتان" تو ہم اسم فاعل جب مانتے کہ "اقتادہ" "بیفتہ" یہ معنی امر اہل زبان جو مالک ملکہ اردوے فارسی و عربی ہیں، ان کی نظم و نثر میں آیا ہوتا۔ اصل مادہ "اقتان" جو "اقت" ہے موجود نہیں، اقتان کہاں سے یہ معنی فاعل نکل آیا؟ مگر گرنے کی حالت جس پر طاری ہو وہ اقتان ہے از روئے حالت یہ حسب فعل۔ "میرندہ" کہو، مردن سے کیوں نہ بنایا صیغہ "فاعل متروک" رہا۔ صرف صیغہ مفعول یعنی "مردہ" پر فصاحت کی اور یہ جو قبلہ اہل سخن فردوسی طوسی علیہ الرحمہ کے ہاں آیا ہے :

میران کسے داد هرگز میر

مجاز ہے امر بھی اور تعدیہ بھی۔ متاخران میں "اے میرزا عبدالقادر بدل کہتا ہے :

یہ میراے سرکش ناہاکہ تا یک دم ہراسانی

بلکہ اردو میں بھی گراں جاں آدمی کو کہتے ہیں، "اے فلاں کے فلاں مرچکے، سودا کہتا ہے :

جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

یہ سب بطریق مجاز ہے۔ خلاصہ یہ کہ الف نون فاعل نہ فارسی بحث میں، نہ فارسی آمیختہ یہ عربی میں ہے۔ قیاس کو میں مانتا نہیں۔ الف نون بھیاں اسماء جامد کے آگئے ہے، جمع کا ہے۔ جہاں صیغہ ہائے امر کے آگئے ہے، حالیہ ہے۔ والسلام یہ الفوف احترام۔



پہلا رقعہ بعد بڑھنے کے یا نقل لینے کے استغناء کے کاغذ کے ساتھ  
مجھ کو واپس مل جائے۔

محبت کا طالب و غالب

(۲)

جناب مولوی صاحب ،

کرم از شما ، کسی از ما - لچھوں کے ساتھ - سب پہلا کرتے ہیں ، برون  
کے ساتھ نیکی کرتا جو بیکردی ہے - اگر اباج نہ ہوتا ، فوراً آپ  
کے پاس پہنچتا - اب متوقع ہوں کہ آج اس وقت یا اور وقت ، مگر آج ہی  
تشریف لائیں اور ضرور تشریف لائیں - شام تک چشم برہہ رہوں گا۔ (۱)  
۱۔ فروری ۱۸۶۶ء عنایت کا طالب و غالب

(۱) سنی العالی ڈاکٹر مولوی ضیاء الدین صاحب ہستی دارابور (تحصیل دہلی) کے  
جاگیردار خاندان میں سے تھے - دہلی کالج میں تعلیم پائی - مولوی سلوک العالی  
ناننوی اور مفتی صدوالدین آزدہ سے بھی عربی اور فارسی پڑھی - پھر  
دہلی کالج میں مدرس مقرر ہوئے بالآخر عربی کے پروفیسر ہو گئے - ۱۸۷۷ء  
میں کالج ٹوٹ گیا تو ایکسٹرا اسسٹنٹ ہوئے - اختتام پر پسنی لی - مدت العمر  
بڑھاتے رہے ، طویل عمر پائی - ۱۹۰۹ء کے قریب انتقال کیا -

فاضل جلیل ممتاز الدین صاحب آرزو کا اندازہ ہے کہ میرزا غالب مولوی ضیاء الدین  
صاحب کو قاطع برہان کی پست میں سید و ہم نوا بنانے کے خواہاں تھے - مگر  
مولوی صاحب خلاف ہی رہے حتیٰ کہ میرزا نے مولوی امین الدین بٹھالوی مؤلف  
قاطع القاطع کے خلاف ازالہ حینیت عرفی کا جو دعویٰ کیا تھا اس میں بھی مولوی  
ضیاء الدین نے خلاف گواہی دی اور شک آمیز قاروں کی توجیہ ایسی کر دی  
کہ وہ بے ضرر سے معلوم ہوں -

مولوی صاحب نے بعض کتابوں میں تصنیف کی - ان میں سے ایک  
کتاب کا نام "انتائے اردو" تھا - جس کے دو حصے تھے - یہ کتاب  
نوحی السرون کے لیے درجہ اعلیٰ کے امتحان کی غرض سے مرتب  
کی گئی تھی (۱۸۶۵ء) اور اس میں میرزا غالب کے گیارہ مکتوبات شامل  
تھے ، گویا میرزا کے وہ مکتوبات "اردوئے معلیٰ" اور "عود ہندی" کی  
طباعت سے چار سال پیشتر چھپ چکے تھے -



## مولوی کرامت علی

(ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے)

فقیر ابدائق جناب مخدوم مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ پہاں آئے ہیں اور آپ کی ملاقات سے حظ اٹھایا ہے۔ حل معنی اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں۔ شعراء نکھنڈو میں سے کسی کے ہیں، بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں :

خواست کز مار نجد و غریب و غیبین ندانت  
جرم غیر از دوست برسدیم و برسدن ندانت

”دانت“، بمعنی ”رکھنے کے ہے“۔ لیکن اہل زبان بمعنی ”بایسن“ بھی استعمال کرتے ہیں۔ شاہپوری رحمہ :

گر اسیر زلف و کاکلی گفہ ناشم خویش را  
گفہ ناشم، این قدر بر خویش پیچیدن ندانت

تیسرے شعر میں پہلے مصرعے کا دانت بمعنی رکھنے کے اور دوسرے مصرعے کا دانت بمعنی ”بایسن“ ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈتا تھا کہ اس کے ذریعے سے مجھ پر خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزرده ہو، مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ تضاراً کچھ دنوں کے بعد رقیب



ہے معشوق کو بلال ہوا۔ میری جو شامت آئی، میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو رافت درگاہ ہوا؟ معشوق اس گستاخی کو پہانہ عتاب ٹھہرا کر آزدہ ہو گیا، اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے ہائے ”برسیدن نداشت، یعنی ”پوچھنا نہ چاہئے تھا۔“

دیر خواندی سوئے خویش و زود فہمیدم، دریغ!  
بیش ازین بایم زگرد راہ پیچیدن نداشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یارِ مجھ کو بلاوے، مگر اس عیار نے نہ بلایا۔ رافت رافت میں اپنے غم سے ایسا زار و ناتوان ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں الجھنے لگے۔ جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا، تب بلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلانے اور میں نہ آؤں۔ ”دریغ“ کو یہ نہ سمجھا جائے کہ ”زود فہمیدن“ پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے۔ دریغ ہے دوست کی بے وفائی اور ہے جب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر :

من بہ والا<sup>۱</sup> مردم و رقیب بدرزد نیمہ لبش انگبین و نیمہ تیرزد انگبین، شہد کو کہتے ہیں اور نیزد مصری کو کہتے ہیں، ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور ہاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں۔ جب تک اس کو تیر سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ ”بدرزدن“ : اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں، ”باہر مارنا“، یعنی ”بدر“، ”باہر“ اور ”زدن“، ”مارنا“، لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکل جانا۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ معشوق کے ہوشوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ



مکھی مٹھاس کی عاشق ہے۔ اس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی، وہ جب چاہے، لمے نکالے اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھی گی، جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی، پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گئے اور وہ مر کر رہ جائے گی۔ اس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیری میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور ریشم کے واسطے مصری، یعنی وہ چاٹ کر، لطف اٹھا کر، صبیح و سالم چلا گیا اور میں بیٹھی کرو وہیں مر کر رہ گیا :

در ہمکشی بین و اعتقاد نقوذی کر بہ سے انگد ہم بہ زخم جگر زد

”زدن“ لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ لازمی کے معنی ”ہلا“ میں ”لگ جانا“ اور متعدی کے معنی ”مارنا“۔ یہاں زد لازمی ہے۔ اب یہ سبب چاہیے کہ ہمک کو شراب کو بگاڑنا ہے یعنی اگر شراب میں خون ڈال کر ایک آدمہ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے ہمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اسے ہمک کے نقوذ پر کتنا بھروسہ ہے۔ اگر وہ اس ہمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا، زخم جگر پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے عمل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کر رہتا ہے :

کیست دریں حالہ کز خطوط شعاعی سہر نفس ریزہ ہا بہ روزن در زد  
 بہ خیال ہے، یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے، مگر بطریق مجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ سہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے لکڑے لٹ لٹاتی سے دروازے کے روزن پر پھینک دے ہیں؟ آفتاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں



پڑنا اور ان خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے۔

دعویٰ اور را بود دلیل بدیہی خنڈہ دندان بما بہ حسن گہر زد  
 ”خنڈہ دندان بما، اس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دہیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا، اور ہنستا کوئی اس چیز پر ہے، جس کو اپنے نزدیک دلیل سمجھ لیتا ہے۔ اصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا۔ گویا اس نے یہ دعویٰ کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں۔ اب دعویٰ کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعویٰ پر دلیل بدیہی ہے، یعنی ہنسنے میں اس کے دانت نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گہاں کرتے تھے، وہ لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ بس اسی دلیل نے سب کو دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی نہیں، مان لیا۔

غیرت پروانہ ہم بروز مبارک نالہ جہ آتشی ببال مرغ سحر زد

پروانے کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیے۔ پروانے کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانے میں ہو یا پروانے کو ہو، بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانے پر، یعنی رشک۔ حاصل معنی یہ کہ میں نو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ رات کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھا تھا سو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا۔ تو وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانے پر سب کو تھا، اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بخودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے۔ مجھ کو وہ رقع اور غصہ تازہ ہو گیا، جو رات کو پروانے کو



دیکھ کر کھانا تھا۔ اب مرغِ سحر کو جلنے ہوئے دیکھ کر جلنا ہوں  
کہ ہمارے یہ کون ہے جو میری طرح جلنا ہے۔

لشکرِ ہوشم بزورِ مے نہ شکستی      غمزدہ ساقیِ فحشت راہِ نظر زد  
نظر، ”لشکر“ کو بھی کہتے ہیں اور ”نگاہ“ کو بھی۔ یہاں نگاہ کے  
معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا۔ کہ شراب کی تاب  
نہ لانا اور شراب پی کر، بیہوش ہو جانا، مگر کیا کروں کہ پہلے  
غمزدہ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا۔ پھر اس بو شراب پی  
گئی۔ بیکردی کا استعداد تو ہم پہنچ ہی گیا تھا، ناچار ہوش  
جائے رہے۔

زاں بت نازک چہ جائے دعویٰ خون است      دست وے و دامنے کہ او بکمر زد  
اس شعر کا لطف وجدانی ہے، بیانی نہیں ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں۔ کہ اس  
معتوق ہے کہ وہ بہت نازک ہے خون کا دعویٰ کیا کہیں کہ اس کے وقت  
عزمِ قتل، دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہنچا ہے کہ اس کا ہاتھ ہے اور وہ  
دامن کہ جو انہوں نے گردان کر کمر پر باندھا ہے۔ ایسا لچکا کمر کو پہنچا  
ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے۔ بس کوئی اس سے خون کا کیا  
دعویٰ کرے گا۔

برگِ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم      ہر چہ ز طبع زمانہ بپہدہ سرزد

فی

شاخ چہ بالہ گز ارمغان گل آورد      تاک چہ نازد اگر صلاے شمر زد  
شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بختضائے طہنتِ خاک ہر طرف ظاہر  
ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً گنا۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو بھی  
منظور تھی کہ اس کا رس نکلتے اور اس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دانشمندی  
ہے کہ اس نے گھاس میں سے یہ بات پیدا کی۔ بس اس طرح انگور  
ہیں اور گلاب کے پھول ہیں۔ شاخ گل کیا جائے کہ بدول میں



یہ خوں ہے اور لاک کہا جانے کہ میرے ہڈی میں کیا سر ہے ؟  
 ہم نے اپنے زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہر  
 رنگ سے اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشد ای کتہ چہ شہاری ؟      غالب مسکین : یہ التفات نیرزد  
 یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے  
 میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو اس اب معلوم ہوا  
 کہ میں لائق التفات کے نہ تھا۔ اس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب  
 عالم عقبیٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے ؟ جب ہمارے  
 مطالب اب نے ہم کو نہ دے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے ،  
 جانے دیجئے ، ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے (۱) ۱۲

غالب

---

(۱) یعنی اس لائق ہی نہیں کہ ہم پر التفات ہو۔ پھر حساب کتاب  
 کا کیا معاملہ ۔



## ہر گویند سہائے نشاط

بابو ہر گویند سہائے قوم کابستہ۔ آپ کے والد منشی خوب لال پٹنہ سے آئے کر۔ علی گڑھ کول میں توپن ہزیر ہو گئے تھے۔ ہر گویند سہائے علی گڑھ میں پیدا ہوئے (۸ دسمبر ۱۸۲۸ء) بابر منشی خوب لال نے آگرے میں تھام بستہ کیا۔ چنانچہ ایک بڑی کونہی اور باغ خرید کر ہر گویند گنج نام رکھا۔

ہر گویند پہلے صدر امین دہلی کے دفتر میں ناظر رہے۔ ۱۸۵۵ء میں مستعفی ہو کر گوالیار چلے گئے۔ ”غدر“ میں ملازمت چھوڑ کر علی گڑھ پہنچ گئے۔ پھر عدالت دیوانی میں نائب سررشتہ دار رہے۔ وکالت کا امتحان کر کے ۱۸۶۲ء سے آگرے میں وکیل دیوانی بن گئے۔ ۱۸۷۵ء میں ریاست کوٹہ کے چیف جج مقرر ہوئے۔ جب محنت خراب دھنے لگی تو ملازمت چھوڑ دی۔ کاروبار سے بھی دست بردار ہو گئے اور گنگا کے کنارے ایک دھرم شالہ بنا کر اس کے لیے ایک وقف قائم کیا۔ ۱۸۷۷ء میں دور و نزدیک سے آئے سو پنڈتوں کو بلا کر بگیاہ کیا۔ دھرم شالہ میں ہر گویند نے ۳۔ مئی ۱۸۹۱ء کو انتقال کیا۔ اولاد میں دو بیٹے تھے اور متعدد صاحبزادیاں۔

فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ کچھ کتابیں بھی آپ سے یادگار ہیں۔

### (۱)

برخوردار، بہت دن ہوئے میں نے تم کو خط لکھا ہے۔ اب اس خط کا جواب ضرور لکھو اور جلد لکھو۔ دو سوال ہیں تم سے، ایک تو یہ کہ یہاں مشہور ہے کہ نواب گورنر جنرل جہاد الہ آباد سے کان پور



آگئے ، کوئی کہتا ہے آویں گئے ۔ اس کا حال جو کچھ ہم کو معلوم ہو ، لکھو۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ دو قسم کی انگریزی شراب ، ایک تو کاسٹلن (۱) اور ایک اولڈ ٹام (۲)۔ یہ میں ہمیشہ پیا کرتا تھا اور یہ دونوں قسم ایسی روئے ، حد چوبیس روئے درجن آتی تھی۔ اب یہاں پہلے تو نظر نہیں آتی تھی ، اب پچاس روئے اور ساٹھ روئے درجن آتی ہے ۔ وہاں ہم دریافت کرو کہ اس کا نرخ کیا ہے اور یہ بھی معلوم کرو کہ بطریں ڈاک پہنچ سکتی ہے یا نہیں ؟ یہ دونوں امر دریافت کر کے مجھ کو جلد لکھو۔ اگر یہ قیمت مناسب ہاتھ آئے اور اس کا بھیجنا ممکن ہو تو یہاں سے روئے کی ہڈی بوسج دوں اور تم خرید کر بیل گاڑی کی ڈاک پر روانہ کر دو۔ جائزوں میں مجھ کو بہت تکلیف ہے اور یہ گڑبھال کی شراب میں نہیں پیتا۔ یہ مجھ کو مضرت کرتی ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے (۳) ضروری ، جواب طلب۔

چہار شنبہ ۲۶ - دسمبر ۱۸۵۹ء از غالب جاں بلب

(۴)

صاحب ، تم کو دعا کہتا ہوں اور دعا بھی دیتا ہوں۔ شراب کی قیمت کے دو خط بھیجے۔ بھائی ، کاسٹلن اور اولڈ ٹام دونوں چوبیس روئے درجن ہمیشہ لیا کرتا تھا۔ اب یہاں مہنگی ملتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا۔ جب وہاں بھی اسی قیمت کو ملتی ہے تو میرا مقدور نہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید وہاں ارزاں ہو۔ خیر اس کو جانے دو۔ روئے ہی ملے جائے تو غنیمت ہے۔ مہینے بھر کی روئے کا سوال ایک درجن کی قیمت ہے۔

جنوری ۱۸۶۰ء

(۱) کیشیل (ہسپانیہ) کی ایک شراب کا نام۔

(۲) اولڈ ٹام : ولایتی و سکی کی ایک قسم۔

(۳) گڑبھال کی شراب سے مراد دیسی شراب ہے ، جو ببول کی چھال اور گڑ سے بنائی جاتی ہے ، میرزا نے کئی جگہ اس کی مذمت کی ہے مثلاً :

غالب شرابِ قلعہ ہندم دماغ سوخت  
زل بعد بادہ ہائے گوارا کشیدہ باد



## کیول رام ہوشیار دہلوی

قوم کے کایستہ ، دہلی کے باشندے ، والد کا نام بخشی سلطان سنگھ ، جو بیگم سرو کی فوج میں ملازم تھے ۔ ہوشیار پہلے بیگم موصوفہ ہی کے پاس ملازم ہوئے ۔ پھر اپنے طور پر لوگوں کو بڑھانے لگے ۔ بعد ازاں جیل خانوں میں قیدیوں کی تعلیم پر مامور ہو گئے ۔ آخر کار انہیں یورپ میں ڈپٹی انسپکٹری پر لگا دیا گیا ۔ بڑھاپے میں اداسے فرائض کے لیے سفر کی مشقتیں اٹھانے کی ہمت نہ رہی تو خود ان کی درخواست پر انہیں چاند پور میں سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا گیا ۔ عربی ، فارسی ، اردو اور ہندی چاروں زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی ۔ اسی (۸۰) کے قریب کتابوں کے مصنف ہیں ۔ ان کا دیوان ۱۸۷۷ء میں مطبع نولکشور سے شائع ہوا تھا۔ نساخ نے لکھا ہے کہ فارسی میں صاحب دیوان گزرے ہیں (سجن شعرا ص ۶۰)۔ باقی معلومات تلامذہ غالب سے ماخوذ ہیں ، نیز تذکرہ شعرائے ہند سے ۔

غالب خاکسار کہتا ہے کہ شعرا ایران کلہم اجمعین مسلم الثبوت ہیں اور ان کا کلام سند ہے ۔ محنتوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں ۔ اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لے کر جامی تک اور جامی سے صائب و کلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو ، کوئی فرہنگ جمع کی ہو ، تو ہمیں دکھاؤ ۔ اس کو اگر میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گناہ کار ۔ ۱۴



جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں ، نام ان کے کہیں تک لوں ، مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہوں گے ۔ ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں ، کوئی اہل زبان نہیں ہے ۔ اشعار اسانڈہ ایران کو ماخذ لہرا کر جو لغات ان کی نظم میں دیکھیے ، جتنابیت ، مقام ان لغات کے معنی اکٹھے دیے ۔ استنباط معنی کا مدار قیاس پر ۔ یہ میں نہیں کہتا کہ قیاس ان کا سراسر غلط ہے ۔ میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے ۔

ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی (۱) یعنی جامع ”برہان قاطع“ احمق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے ، مگر قسمت کا اچھا ہے ۔ مسلمان اس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اس کے بیان کو مطالب مندرجہ“ (۲) کے برابر مانتے ہیں ۱۲

”گیا، اور ”گیا،“ یکایک فارسی سکسور سبز گھاناس کو کہتے ہیں ۔ ”گیا،“ یہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہے ، ہر گز نہیں ہے ۔ مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہات کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور فتحہ بنایا ہو ۔ فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے ، جو ایسا سمجھتے ہیں ۔ یہ ”گیا،“ یہ معنی پہلوان ہے ، نہ ”کار گیا،“ کوئی لفظ ہے ، نہ کوئی لغت ہے ۔ ۱۲

”کے،“ یہ کاف مفتوح یروڑن سے ایک لغت فارسی ہے ، ذو معنی ، یعنی دو معنی دیتا ہے : ایک تو ”کب،“ یعنی ”کس وقت“ اور دوسرے معنی اس کے ہیں حاکم اور مالک کے ۔ الف جو اس کے ساتھ آتا ہے ، وہ کثرت کے معنی دیتا ہے ۔ جیسے ”خوشا،“ ”بہت خوش“ ، ”بدا،“ ”بہت بد“ ۔ ”گیا،“ ”بڑا حاکم“ :

(۱) محمد حسین لہریزی ثم دکنی ۔

(۲) ویڈ ، جو ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتابیں ہیں ۔



عشق آن بگزیں کد جملہ اولیا  
یافتند از عشق او کار کیا

یعنی یہ سبب عشق کار بزرگ یافتند۔

سرفرو بردیم تا بر سروان سرور شدیم  
چاکری کردیم تا کار کیا یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا ۔ بس یا بے تختانی اگر ”مہبول“ ہے تو  
”نعلیمی“ ہے، اگر ”معروف“ ہے تو ”مصدری“ ہے، یعنی بزرگی کا  
کام ، حکومت کا کام ۔ وہ ”کیا“ مضاف اور مضاف الیہ مقلوب ہے ، یعنی  
”کیاے دہ“ اور ”حاکم دہ“ ۔ ”کار کیا“ مثلاً یعنی ”کیاے کار“ و  
”مالک کار“ ۔ جہاں ما قبل اس کے رائے منکسور لائیں گئے، وہاں ”کار“  
موصوف اور ”کیا“ صلت ہے ۔ نہایت لطیفی و اصل حقیقت یہ ہے ۔  
فقیر نے جہاں ”کیا“ کے لفظ پر خط مستقل کھینچا ہے ، وہ علامت  
لمتحدہ ہے ۔ دوسرا مرکز نہیں جو کافی فارسی سمجھا جائے گا ۔

داد کا طالب ، غالب



## شاہ کرامت حسین ہمدانی بہاری

بہار کے یہ بزرگ، جن کے نام میرزا کے متعدد مکاتیب ”نادر خطوط غالب“ کے نام سے چھپے، ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ گویا میرزا سے کم و بیش چودہ برس بڑے تھے اور ایک سو ایک سال کی عمر پا کر ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ”نادر خطوط غالب“ کے : مرتب سید محمد اسماعیل رضا گیلوی لکھتے ہیں کہ شاہ کرامت حسین کرامت میرزا کے شاگرد تھے اور ان کا غیر مطبوعہ دیوان جس پر میرزا کی اصلاحیں ہیں، ان کے پاس محفوظ ہے (نادر خطوط ص ۳۴)۔ ان میں سے اکثر خطوط کے متعلق شہادتِ ابتدا ہی میں پیدا ہو گئے تھے کیونکہ بعض کی عبارتیں دوسرے افراد کے خطوط میں پرتہ موجود تھیں، اس لیے میں نے صرف وہ خطوط اس مجموعے میں شامل کیے، جن میں میرزا سے کوئی افادی پہلو موجود تھا۔

سید محمد اسماعیل صاحب رضا لکھتے ہیں کہ ان کے جد امجد شاہ علی حسین ہمدانی متخلص بہ عالی نے میرزا کے چند غیر مطبوعہ خطوط ۱۹۱۲ء میں مرتب کر لیے تھے۔ موصوف شاہ کرامت حسین کرامت کے صاحبزادے تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ رضا صاحب نے جناب پیارے لال صاحب شاہ کو مرثیوں کے اصرار پر یہ خطوط ایک مفصل دیباچے کے ساتھ مئی ۱۹۳۹ء میں ان کے پاس بھیج دیئے تھے۔



شاہ صاحب کو غالب نائوائ کا سلام پہنچے۔ صوفیوں کی اصطلاح میں غاوری و مسامرت (۱) اور سرنیے ہیں جو کاملین اور عرفا کو حاصل ہوتے ہیں۔ میرا شعر بڑھو :

جب تک دھان زخم نہ پیدا کرے کوئی  
مشکل کہ بچہ سے راہ سخن وا کرے کوئی

مطلب یہ ہے کہ شاہد حلیفی کے ساتھ اس معمولی لب و دہن سے بات چیت نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لیے دھان زخم پیدا کرنا چاہیے۔ یعنی جب تک دل نیچ عشق سے مجروح نہ ہو، یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

شاہد حلیفی کا جو معاملہ غیر عشاق کے ساتھ ہے، اس کو تغافل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ کے ساتھ 'تعبیر' کیا جاتا ہے، جیسا کہ صحابی رباعی میں لکھتا ہے :

اے زاہد و عاشق ز تو در نالہ و آہ دور تو و نزدیک تو در حال نیاہ  
کسی نیست کہ جان او تو سلامت برود آن راہ "تغافل"، کشی، این راہ "نگاہ"،  
اب میرا شعر سنو :

کرنے گئے تھے اس سے "تغافل"، کا ہم کد  
کی ایک ہی "نگاہ"، کہ اس خاک ہو گئے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے "تغافل"، سے تنگ آ کر شکایت کی تھی اور اس کی توجہ کے خواستگار ہوئے تھے، جب اس نے توجہ کی تو ایک "نگاہ"، میں ہم کو فنا کر دیا۔

جات کا طالب، طالب

۱۳- دسمبر ۱۸۹۳ء

(۱) عبد و محمود کے درمیان مکالمات۔ واضح رہے کہ "ناظر خطوط غالب"، میں "غاوری"، کی جگہ "معاذت" ہے (ص ۵۴)۔



شاہ صاحب ،

میری ایک رباعی سنو :

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پریشی سے اسے غار نہیں  
جو ہاتھ کہ ظلم سے اتوایا ہوگا (۱) کیوں کر مائوں کہ اس میں تلوار نہیں  
یہ رباعی عاشقانہ ہے ، مگر مضمون بالکل نیا ہے ۔ باقی الفاظ کے معنی  
ظاہر ہیں ۔

دوسری رباعی سنو :

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے  
کہتے ہیں کہیں خدا ہے ، اللہ اللہ ! وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے  
دیکھو ، تم نے ایسی سونہی کہیں نہیں دیکھی ہوگی ۔ یہ بالکل نئی  
بات ہے اور میرا حصہ ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ہر چند دربار کے  
با اختیار لوگوں کو جھک جھک کے سلام کرتے ہیں ، مگر وہ ہمارے  
کامروانی میں درنگ و لعل کرتے ہیں ۔ ہم اپنے دل میں کہتے ہیں ،  
اُو خدا ہی سے کہیں ۔ پھر دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو،  
وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں ۔ صبح شام کرنا لیت و لعل کرنے  
کو کہتے ہیں ۔ چونکہ شام کو صبح کرنا اور صبح کو شام کرنا خدا کا کام ہے ،  
تو خدا کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ صبح و شام کرنے والے ہیں ۔  
زیادہ والدعا ۔

نجات کا طالب ، غالب

۲۲۔ فروری ۱۸۶۳ء

(۱) ”ظلم سے ہاتھ اٹھانا، کے دو معنی ہیں : اول ہاتھ اٹھانا کا مطلب ہے  
چھوڑنا ، ترک کرنا ، دست بردار ہونا ۔ دوسرے معنی ہیں ظلم کے قصد و عزم  
سے ہاتھ بلند کرنا ۔ فرماتے ہیں کہ میں کہوں کر مائوں اس میں تلوار  
نہیں ، جو آلہ ظلم و ستم ہے ۔



## عبدالغفور نساخ

جناب مولوی صاحب قہلہ ،

یہ درویش گوشہ نشین ، جو موسوم بہ اسد اللہ اور متعلق بہ غالب ہے ، مکرمات حال کا شاکر اور آئندہ افزائش عاقبت کا طالب ہے ۔  
 ”دفتر بے مثال“ کو عطیہ کبریٰ اور مہبت عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا ۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرنا ہوں کہ حضرت نے اس عجیب و غریب ، حیدرمان کو قابل خطاب و لائق عطایے کتاب جانا ۔ میں دروغ گو نہیں ، خوشامد میری خوشیوں ۔ دیوان قبض عنوان اسم یا مسمیٰ ہے ۔ ”دفتر بے مثال“ اس کا نام بیجا ہے ۔ الفاظ متین ، معانی بلند ، مضمون عمدہ ، بنفسی دل پسند ۔ ہم فقیر لوگ اعلیٰ کلمہ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں ۔ شیخ امام بھٹی طرز جدید کے موجد اور ہراتی نا ہموار روشنیوں کے ”نساخ“ تھے ، آپ ان سے بڑھ کر مصنفہ مبالغہ بے مبالغہ ”نساخ“ ہیں ۔ ہم دانائے دیوار اردو زبان ہو ، سرمایہ نازش فلمرو ہندوستان ہو ۔

خاکسار نے ابتدائے سن تیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے ۔ پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خاصہ فریائی کی ہے ۔ نظم و نثر فارسی کا عاشق اور مائل ہوں ۔ ہندوستان



میں رہتا ہوں ، مگر لیج اسمبلی کا گھنٹل ہوں ۔ جہاں تک زور چل سکا ، فارسی زبان میں بہت کچھ بکا ۔ اب نہ فارسی کا فکر ، نہ اردو کا ذکر ، نہ دنیا میں توقع ، نہ عقبی کی امید ۔ میں ہوں اور اندوہ ناکسی جاوید ، جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت (۱) کی شہب میں کہتا ہوں

چشم کشودہ اند بہ کردار ہائے من  
ز آئندہ نا امیدم و از رفتہ شرمسار

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا ۔ اب اور کہاں تک رہوں گا؟ ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ، اور ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا (۲) ۔ تین رسالے ستر کے (۳) ، یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے ۔ اب اور کیا کہوں گا ؟ مدح کا صلہ نہ ملا ۔ غزل کی داد نہ ملی ، ہرزہ گوئی میں ساری عمر گزائی ۔ بقول طالب آملی علیہ الرحمہ :

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی  
دھن بر چہرہ زخمی بود ، بہ شد

سچ تو یہ ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ نصف اور قلم میں وہ زور نہ رہا ۔ طبیعت میں وہ مزا ، سر میں وہ شور نہ رہا ۔ بچاس بچیں

(۱) کلیات نظم فارسی میں تیسرا قصیدہ ۔

(۲) یہ حساب تخمینے پر مبنی ہے ، اردو دیوان کی تعداد اشعار اس سے زیادہ ہے اور فارسی اشعار قریباً اتنے ہی ہیں ۔

(۳) اگر تین رسالوں سے پنج آہنگ ، سہر فیروز اور دستیو مراد لیے جاتیں تو ”قاطع برہان“ کو کیوں نظر انداز کیا ۔ حالانکہ اس خط کی تحریر سے پیشتر وہ چھپ چکی تھی ۔ اگر اسے بھی شامل کیا جائے تو تین رسالے کیوں کر بنے ؟ کم از کم چار بنے ۔



برس کی مشق کا سلسلہ کچھ باقی رہ گیا ہے ، اس سبب سے ان کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں ، حواس کا بھی بقیہ اس قدر ہے کہ معرض گفتار میں مطابق سوال جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے کہ دیکھو یہ وہاں (۱) کیا پیش آتا ہے اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیوں کر بخشا جاتا ہے۔

حضرت سے التماس ہے کہ آپ جو اہل (۲) کے ہادی (۳) اور مجھ کو ارسال نامہ کی سبیل کے ہادی ہوئے ہیں ، جب تک میں جیتا رہوں ، نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے مرنے کے دعاے مغفرت سے یاد فرماتے رہے گا۔ (۴) والسلام بالوفاء الاحترام۔

---

(۱) یعنی بارگاہ باری تعالیٰ میں وقت پریش نیک و بد۔

(۲) ہدیہ دینا ، تحفہ پیش کرنا۔ (۳) ابتدا کرنے والے۔

(۴) بظاہر یہ خط ۱۸۹۳ء کا ہے۔ میرزا نے خواجہ غوث خاں بیخبر

کے نام ایک خط میں جو نرائن کے مطابق ۱۸۹۳ء کا ہے، اس کا ذکر کیا ہے (ملاحظہ فرمائیے خط ۱۲)۔



## منشی نول کشور

منشی نولکشور بستونی (ضلع علی گڑھ) میں پیدا ہوئے (۱۸۳۶ء) پہلے وطن میں تعلیم پائی۔ پھر تکمیل علوم کے لیے آگرہ چلے گئے۔

منشی جی کے دادا بال مکند ضلع آگرہ کے خزانچی اور والد منشی جمنا پرشاد تحصیلدار تھے۔ بڑے بھائی رائے مکھن لال سب جج رہے۔ منشی نولکشور کو ابتدا ہی سے اخبار نویسی کا شوق تھا۔ بھائی نے انہیں منشی ہرسکھ رائے مالک "کوہ نور" کے پاس بھیج دیا۔ منشی جی نے ہرسکھ رائے کی خدمات بڑی مستعدی سے انجام دیں۔ خصوصاً ازالہ حیثیت کا مقدمہ ہرسکھ رائے کے خلاف دائر ہوا تو منشی نولکشور نے امداد میں کوئی بھی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ۱۸۵۸ء میں وہ لکھنؤ چلے گئے اور مطبع قائم کر کے اودھ اخبار کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کر دیا جو اکانوے سال کے بعد ۱۹۵۰ء میں اس وقت بند ہوا، جب منشی جی کے وارثوں نے جاہداد آپس میں تقسیم کر لی۔

منشی جی نے رفتہ رفتہ مطبع کو ترقی دے کر اس کی شاخیں کانپور، لاہور، اجمیر اور جبل پور میں قائم کیں۔ کالج کا کارخانہ بھی قائم کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مشرقی علوم کی جتنی کتابیں چھاپیں اور ان علوم کو جو فائدہ پہنچایا، اس کے احسان سے یہاں کے لوگ کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی کے علوم کی ہر شاخ، ہر دائرے



اور ہر فن کی ہزاروں جلدیں شائع کیں اور اس دور میں جب کتابیں جابجا پہنچنے کے اچھے انتظامات نہ تھے اپنے ایسٹوں اور خاص گاڑیوں یا چھکڑوں کے ذریعے سے جابجا کتابیں پہنچانے کا بندوبست کر دیا۔ قرآن مجید کی طباعت کے لیے ایک کمرہ اور سٹینیں الگ کر دیں۔ جہاں مسلمان کارکن یا وضو کام کرتے تھے۔ پور سنکڑوں بیواؤں، یتیموں، بے مامہ طالب علموں کی مستقل امداد کے علاوہ مختلف جبری امور میں بھی حصہ لیا۔ علی گڑھ کالج کے لیے دس ہزار کی تعداد کے علاوہ دس ہزار کتابیں دیں۔ ان کی وجہ سے مشرقی علوم کے نوادر ضائع سے محفوظ ہو گئے۔ ۱۹-۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۵ء کو منشی صاحب نے لکھنؤ میں وقف نائی اور ان کی اربھی سہیل لرن ہر کان پور لائی گئی۔ دریائے گنگا کے کنارے ان کے اکلوتے فرزند پراگ نرائن نے آخری رسمیں ادا کیں۔

مذکورہ ذیل خط میرزا نے بعض انگریز سہراٹوں کی ستائش میں منشی صاحب کے نام بھیج کر ”الودہ اخبار“ میں شائع کرایا تھا۔

منشی صاحب جمیل المناقب جناب منشی نول کشور صاحب کو دولت و اقبال و جاہ و جلال روز افزوں نصیب ہو۔ چونکہ احباب کامیابی و سادگمی سے شاد ہوتے ہیں، اس واسطے مجھے ان دنوں یادوری اقبال ہے ایک امر خوشی کا پیش آیا ہے۔ آپ کی خوشی کے واسطے لکھتا ہوں۔ بلکہ مضر حد تک کے امداد پر تم کو تہنیت دینا ہوں۔

آپ کو مبارک ہو کہ آخر ماہ گزشتہ کو جو حضرت فلک ولعت نواب معلی العالی لفظت گورنر بہادر قلعہ و پنجاب دہلی میں تشریف لائے نو سہ شہید کے دن ۳۱- مارچ ۱۸۹۲ء کو اس گمنام گوشہ نشین کو یاد فرمایا اور از روہ بندہ پروری کمال عنایت سے حلفت عطا کیا۔ سبحان اللہ



جو لوگ متعلق ہیں لفٹنگ گورنر پنجاب سے وہ اسمتوں کے کتے اچھے ہیں۔ جناب نواب معلی القاب کے مکارم اخلاق وہ روح افزا کہ جس سے مردہ زندہ ہو جائے، صاحب والا مناقب، نامی ڈگلس فورسائٹ صاحب بہادر سکوتر کے کاپٹ خلقت آمیز وہ روح آسا کہ جس کو سن کر بیمار شفا پائے۔ میں..... (۱) شادمان آیا، بلکہ بوڑھا گیا، جوان آیا، سچ ہے :

وزیرے جتیں شہریارے چناں  
جہاں جیوں نہ گیرد قرارے چناں

لفٹنگ گورنر بہادر اور صاحب سکوتر بہادر کا کیا کہنا ہے۔ آداب و مہتاب ہیں، مگر پلٹ من پھول سنگھ صاحب میر منشی بھی دیانت و امانت و کار بردازی و مظلوم نوازی میں انتخاب ہیں۔ یہ نہ مبالغہ ہے، نہ خوشامد ہے، بیان واقعی ہے۔ شاعرانہ سخن سازی کو میں نے دخل نہیں دیا ہے، وہ لکھا ہے جو سچ اور واقعی ہے (۲)۔

دوام دولت سرکار انگریزی کا طالب  
رجبور ناٹواں اسدائق خان غالب

(۱) یہ حصہ کرم خوردہ تھا، بڑھا نہ گیا۔ یہ ظاہر ایسے الفاظ ہوں گے؟  
”مہم زدہ گیا شادمان آیا“۔

(۲) یہ خط ۲۵۔ اپریل ۱۸۶۲ء کے ”اودھ اخبار“ میں چھپا تھا۔ میرزا کی طرف سے ارسال خط کا مقصد یہی تھا کہ اسے چھپایا جائے۔ اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ منشی نولکشور کو دوستانہ روابط کی بنا پر ایسی مسرت و شادمانی کی اطلاع دینا چاہتے ہیں۔



## سید محمد زکریا خاں زکی دہلوی

میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ وطن دہلی۔ اجداد امرا میں سے تھے، ان کے عہد میں جاہنشاہ فروخت ہو گئی اور یہ بھگتہ تعلیم میں ملازمت پر مجبور ہوئے زیادہ وقت بوائے کے مختلف مقامات میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی حیثیت سے گزرا۔ ہدایوں میں زیادہ دیر تک مقیم رہنے کے باعث وہیں لوٹن اختیار کر لیا تھا، لیکن دہلی آئے جانے لگے۔ ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔

(۱)

بلند پروز،

آپ کا عنایت نامہ پہنچا، آپ از روئے شرافت نسبی و لیاقت حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں، آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس عمر میں عالم و فضل میں وہ پایہ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کیے۔ بہ طریق سہل مستمع کہے ہیں۔ اوردو فصیح، عبارت سلیس، الفاظ نہایت سنجیدہ و سنج، حرف حرف مستند و رفتہ۔ جو خوبیوں تقلم میں چاہیں وہ سب موجود، مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا؟ میں تو اقلیم سخن کا گدائے خاک نشین ہوں، شہنشاہ کہاں سے ہو گیا؟ خیر آپ کی ارادت میرے لیے موجب سعادت ہے۔ جو صاحب شعرا میں خودمثنائی کو برا جانے ہیں، کیا انہوں نے ”بیوزلتا عروالا بیوزالعیرودہ“ (۱) نہیں سنا ہے یا اساتذہ مستند النکال کا فخریہ کلام ان کی نظر سے نہیں گزرا؟

(۱) شاعر کے لیے جو کچھ جائز ہے، وہ دوسرے کے لیے جائز نہیں۔



اللہ ! اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسی  
کیسی مدح طرازی کی ہے ۔ شیدائے (۱) عالمگیری کہتا ہے :

چہست دانی ہادۂ گنگوں مصفا جوہرے

حسن را پروردگارے ، عشق را بیغمیرے

تین شعر میں تین شاعروں کے یہ سبیل نمونہ لکھتا ہوں ۔ باقی مانند  
کلام اہل سخن کے حوالے کرتا ہوں ۔ ایک شاعر کہتا ہے :

بہ اعلیم معنی رسول امینم

سنائی و فردوسی از امتام

دوسرا اس سے بڑھ کر کہتا ہے :

بہ ملک سخن آل خدائے قدیرم

کہ معنی یکے باشد از ہندگام

تیسرا کچھ اور ہی راگ گاتا ہے :

خوش کوثر کہ مشرب الروح است

ناودائے ز یارگین من است

ناوداں بہ معنی موڑی اور یارگین اس گڑھے کو کہتے ہیں ، جس  
میں مطبخ اور حجام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے ، نعوذ باللہ من فعلیات الشعراء ۔

میر صاحب ، میں بیت پڑھا ہو گیا ہوں ، اس پر امراض متضادہ و  
مزمنہ میں گرفتار ، قوی بالکل مضحل ، اٹھنا بیٹھنا ، لکھنا پڑھنا سب  
مسکمل ۔ اعیاناً اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے ، معاف رہوں ۔ والسلام  
مالموف الاحترام ۔

۹۔ جنوری ۱۸۶۸ء بروز چہار شنبہ دعائے خیر کا طالب ، فقیر غالب

(۱) شیدا شاہ جہانی عہد کا مشہور شاعر تھا اور اس کے منقولہ شعر پر  
شاہ جہاں ہی نے باز پرس کی تھی بلکہ اسے مملکت سے نکل جانے کا حکم دے  
دیا تھا ۔ اس نے بڑی عاجزی سے معافی مانگی اور تصور معاف ہوا ۔



## سند شاگردی

سبحان اللہ سارلیفکٹ لکھنے کا کس وقت اتفاق ہوا ہے کہ میں نیم جان چند روز کا سپان ہوں ، مہینے بھر سے غذا بالکل مفقود ، صرف گوشت کے پانی پر مدار ہے۔ اگر انہوں تو دوران سر سے گر پڑوں (۱)۔

مید محمد زکریا خاں ، نسب میں مید امیر زادۃ عالی دودمان ، ان کے بزرگ و زراعت کا منصب پا چکے ہیں۔ جاگیر اب تک تھی۔ پھر یہ عوفی جاگیر بنسن مقرر ہوئی معہذا یہ شخص یہ ذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع اور دانشمند اور نیک طبیعت اور رنگین طبع۔ معنی ہے طبیعت کو علامتہ اچھا ہے۔ شعر کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں۔

(امداد اللہ خاں غالب)

(۱) یہ سند زکی نے اپنے دیوان مطبوعہ جون ۱۸۹۵ء کے ساتھ چھاپی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تحریر میرزا کے بالکل آخری دور کی ہے۔ جب غذا ترک کر دی تھی۔ صرف آب گوشت تھوڑا تھوڑا پی لیتے تھے۔



## حکیم غلام رضا خان

حکیم غلام رضا خان بن حکیم غلام مراد علی خان شریف خانی طبابت میں بھی کامل الفن تھے۔ انہیں "امیرالاطباء"، "شرفالحکماء" اور "الاطلون دھر لکھا گیا ہے۔ دہلی ہی میں رہے۔ اکمل المطابع کے نام سے ایک مطبع قائم کیا تھا، جہاں "اردوئے معلیٰ" پہلے مرتبہ طبع ہوئی۔ اس نام سے ایک اخبار بھی جاری کر لیا تھا۔ میرزا نے اردوئے معلیٰ کا حق طبع انہی کے حوالے کر دیا تھا۔

### (۱)

نور دیدہ و سرور دل و راحت جاں، اقبال نشان حکیم غلام رضا خان کو غالب نیم جاں کی دعا پہنچے۔ تم سے رخصت ہو کر اور تمہیں خدا کو سونپ کر روانہ رام پور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑا چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ہوا، موسم سایہ و سرچشمہ جایجا۔ آرام سے رام پور پہنچا۔ (۱)

نواب صاحب حال (۲)، یہ مقتضایہ الولیہ سراپہ، حسن اخلاق میں

(۱) یہ دوسرے سفر رام پور کا معاملہ ہے۔

(۲) نواب کلپ علی خان۔



نواب فردوس آرامگاہ (۱) کے برابر، بلکہ بعض نیو و روش میں ان سے  
 بہتر ہیں۔ یہ مجدد مسند نشینی غلطی کا حصول یک قلم معاف۔  
 علی بخش خان خان سامان (۲) کو بیس ہزار روپیہ بابت مطالبہ  
 سرکاری بخش دیا۔ مفصل حالات بذل و نوال عندالصلوات زبانی کہوں گا۔  
 سنا صاحب، میں فقیر آزادہ کوئی ہوں، دنیا دار نہیں، سکر نہیں،  
 خوشامد میرا شعار نہیں۔ جس میں جو صفات دیکھتا ہوں۔ وہ بیان  
 کرتا ہوں۔ نواب صاحب نو گھر بیٹھے سو روئے مہینہ دیتے ہیں۔  
 تم مجھ کو کیا دینے ہو، جو تمہارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے  
 کہ اگر یہ مثلی۔ میرا کوئی صلیبی بیٹا ایسا ہوتا جسے تم ہونو میں  
 اس کو اپنا فخر و شرف جانتا۔ علم و عقل، خلق و صلق، سواد (۳) و حلم  
 کے جامع، تواضع و زہد و تقویٰ کے حاوی۔ علم اخلاق میں حکماء روحانی  
 نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں، وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔  
 پروردگار تم کو عمر طبعی عطا کرے اور دولت و اقبال شمار سے زیادہ دے!  
 ان شائقہ ہم چہیں خواہد بود۔

غالب

۱۸۶۵ء

## (۲)

اردوئے معلیٰ کا حق طباعت

بیکر نے روح و روان، فقیر امداغہ خان غالب تخلص ہیچ مداد  
 کہتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ جو اردوئے معلیٰ تصنیف فقیر اکمل المطامع  
 میں چھاپا ہوا، سو میں نے از راہ فرط محبت، اپنا حق تالیف، نور چشم

(۱) نواب یوسف علی خان ناظم۔

(۲) رئیس الامرار مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے جد امجد جن  
 کے حالات دوسری جگہ لکھے جا چکے ہیں۔

(۳) راضی و دوستی کردار۔



اقبال نشان حکیم غلام رضا خان کو بخش دیا ہے اور اس حق کو  
 خاص ان کا حق کیا ہے۔ اب کوئی اور صاحب اگر مالک اکمل العطاہ  
 حکیم غلام رضا خان کے بے اطلاع اردوئے معلول چہانے کا قصد  
 کریں گے تو مواخذہ سے محفوظ نہ رہیں گے اور فوراً حسب منشاء قانون  
 ستم ۱۸۶۷ء سزا پائیں گے۔

سہر

نجم الدولہ دیرالملک

اسد اللہ خان بہادر

نظام جنگ ۱۸۶۷ء



## عبدالحق

(۱)

نہ ہوائی، یہ نہ سمجھو کہ سلطان یہ معنی مصادراتا ہے سلطنتہ اگرچہ من حیث التیاس صحیح لیکن نکمال باہر ہے۔ ”خداوند ملکہ و سلطانہ“۔ مشایخ ایران و روم یوں ہی لکھتے آئے ہیں۔ ”ضامن“ یہ معنی ”ضامن“ اور یہ معنی ”ضائب“، ”سلطان“ یہ معنی بادشاہ اور یہ معنی سلطنت۔ اس میں کچھ تامل نہ کرو۔ کسی کی مجال ہے کہ اس پر ہنس سکے۔

لیکن ملکہ و سلطانہ علامت مذکور ہے۔ اگر ”ملکہا و سلطانہا“ بن جائے تو بہتر ہے ورنہ خیر، یونہی رہنے دو۔ ہم سے کوئی بوجھے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ رعایت شکوہ سلطنت ہم نے نائیٹ کی رعایت نہ کی اور سچ تو یوں ہے کہ اگر کاتب سکھڑ ہو تو ہمارے ہوز کا شوشہ مٹا دینا دشوار نہیں ہے۔ بن سکے تو بنوا دو اور سلطانہ کو خدا کے واسطے مت بدلتا۔ یہ بلفارے عرب و عجم کا قرار داد ہے۔

بعد اس تحریر کے عرض ہے کہ برسوں پنج شنبہ کو عرضی لکھتی ہوتی میرے پاس آجائے۔ (۱)

(۱) آخری قمرے سے صاف ظاہر ہے کہ میرزا غالب نے خوش نویس سے ایک عرضی لکھوائی تھی اور بالاقی تحریر سے آشکارا ہے کہ یہ عرضی ملکہ و کثوریہ کے نام تھی۔ باقی کوئی اس وضاحت کا محتاج نہیں۔



جناب عالی ،

یہ خط فتح پور سے آپ کے نام آیا ہے ۔ میں اس وقت حاضر نہ ہو سکا خط پہنچا ہے ، اس کو ملاحظہ کر کے جب اس کا جواب مجھ کو دیجیے گا تو میں فتح پور روانہ ہو جاؤں گا۔ (۱)

شادی بادشاہ کے مرزا ارجمند کی اور بزم گاہ دیوان خاص ۔ رقم لکھی جائیں گے مصفاۃ الدولہ کی طرف سے ، مصفاۃ الدولہ امیر ہیں اور اسرا با ہمدگر طریقہ فروتنی کا سلوک رکھتے ہیں ۔ یعنی تشریف لائے ، ممنون کیجیے ۔

بس اب میں اس رقم کی عبارت میں کیا الفاظ صرف کروں ؟ تشریف شریف اور قدوم محنت لزوم کو دیوان خاص سے مباحثت (۲) دہلی اور پھر داعی مصفاۃ الدولہ ۔ اگر شہزادے اور دیوان خاص کے لائق الفاظ لکھے جائیں تو حضرت مکتوب الیہ برائیاں گے کہ ہم کو مصفاۃ الدولہ نے کیا لکھا ہے ۔ اگر متواضعانہ عبارت لکھی جاوے تو کسر شان سلطنت ہے ۔ اب آپ مجھ کو ہدایت کیجئے کہ نگارش کا کیا انداز ہو ۔

اسد اللہ

(۱) ”غالب کی نادر تحریریں“ دیکھیں تو معلوم ہوا کہ یہ رقم ”عبدالحق“ کے نام تھا ۔ خود میرزا غالب عبدالحق کو نہ جناب عالی ، لکھ سکتے تھے اور نہ ”فتح پور روانہ ہو جاؤں گا“ کو میرزا سے کوئی مناسب معلوم ہوتی ہے ، تحریر کا اسلوب و انداز یقیناً میرزا غالب کا ہے اور بظاہر یہ کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی ۔ اغلب ہے کسی شخص کی طرف سے یہ بھیجی گئی ہو یعنی عبارت میرزا کی اور کاتب و مکتوب الیہ دوسرے لوگ ہیں ۔ اگر یہ عبدالحق کے نام بھی ہے تو تحریر میرزا کی ہے ، مگر دوسرے کی طرف سے ہے ۔ بظاہر معاملہ میرزا جوان بخت کی شادی کا ہے ۔

(۲) دوری ، یعنی یہ طریقہ دیوان خاص کی طرف سے مناسب نہیں ۔



## سید احمد حسین تمنا مرزا پوری

سید موصوف کے مفصل حالات نہ مل سکے۔ صرف اتنا معلوم ہوا کہ مشن سکول مرزا پور (پوہل) میں ہیڈ مولوی تھے۔ "مرقع ادب" میں ان کا تخلص منیا بتایا گیا ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا اور نمونہ کلام میں وہی دوشعر درج ہیں جو میرزا غالب کے مکتوب اول میں منقول ہیں۔ مولوی فرزند علی اخگر جن کا ذکر ان خطوں میں آیا ہے، عدالت مرزا پور میں وکیل تھے۔ تمنا اور اخگر کے درمیان گہرے دوستانہ روابط تھے۔

تمنا کے دو رسالے بھی میں نے عزیز مکرم محمد عالم مختار حق (جھکیاں ناگرہ، لاہور) کے کتب خانے میں دیکھے:

۱۔ "تفرید التوحید" مطبوعہ مطبع کلزار احمدی سراد آباد (محرم ۱۳۰۴ھ = اکتوبر ۱۸۸۶ء) جس میں بعض معترضین کے اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء وحدت وجود کے قائل ہیں۔ تمنا نے مستند علماء اور صوفیہ کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ یہ "وحدت وجود" عقائد دہنیہ ہیں۔ اور نہ اس کے متعلق کوئی درج بات صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ صرف آٹھ صفحے کا رسالہ ہے جو "نعمت اللہ" ہی کے ساتھ



شائع ہوا۔ اس میں تمنا نے اپنی ایک کتاب ”برہان القدس“ کا ذکر بھی کیا ہے،

۲۔ ”اثبات العقل بالعقل“، یہ دس صفحے کا رسالہ بھی مذکورہ بالا مطبع ہی کا مطبوعہ ہے،

ان رسالوں سے دو باتیں ثابت ہو گئیں : اول احمد حسین عربی و فارسی کے فاضل تھے دینیات پر۔ انہیں عبور حاصل تھا اور عقائد بھی خالص اسلامی تھے۔ نیز ان کا تخلص تمنا تھا نہ کہ ”نبیاء“ دونوں رسالوں پر تمنا ہی طرح ہے۔

### (۱)

جلال غالب،

کل تمہاری دونوں غزلیں بعد اصلاح لکھ والے لفظ کے اندر رکھ کر بھجوا دی ہیں۔ مطلع تم نے میری زبان سے کہا ہے :

ادلے یوسفی لے لوٹ قاتل کے لڑکین پر  
سواد دہلہ یعقوب کے دھبے ہیں دامن پر

اس زمین میں میری غزل ہے اور ناسخ و آتش کی غزلیں میں نے دیکھی ہیں۔ تم نے بہت بڑھ کر لکھی ہے۔ گردن کا قافیہ مجھے پسند آیا۔

نراکت ان کی وقت قتل مثل میں یہ کہنی ہے  
یہ اتنے خون ناحق جس سے الٹی اس کی گردن پر

غرضکہ ساری غزل بے مثل و لاجواب ہے۔ کیوں نہ ہو، ابھی تمہارا شباب ہے۔ زمین شعر کو آہن پر پہنچا دیا ہے۔ اس غزل میں تم نے جوانی کا زور دکھایا ہے۔



نصیدے کا وعدہ نہیں کرتا۔ اگر بے وعدہ پہنچ جائے گا تو لطف زیادہ آئے گا اور اگر نہ پہنچے گا تو عمل شکایت نہ ہوگا (۱)۔

بندہ پرور، میرا کلام کیا نظم، کیا نثر، کیا اردو کیا، فارسی۔ کبھی میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کی فکر تھی۔ وہ مسودات جمع کر لے کر جمع کر لیتے تھے، سو ان دوستوں کا، زمانہ غدر میں گھر ہی لٹ گیا۔ نہ کتاب رہی، نہ اسباب رہا۔ پور میں اپنا کلام نظم و نثر کہاں سے لاؤں؟ (۲)

مولوی لرزہ علی اشکر کا کون، مشاقی نہ ہوگا؟ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں ان میں جمع ہیں، ظہیر ان سے مل کر بہت خوش ہوا (۳) آنکھیں ان کے حسن صورت سے روشن اور دل ان کے حسن سیرت سے مسحور ہو گیا۔ اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ میں یوں ہی خدمت گزاری کو حاضر ہوں۔ جب چاہیں اپنا کلام بطبع دیں۔ میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجیے گا (۴)۔

غالب

۱۳۔ جولائی ۱۸۶۷ء

(۱) بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے میرزا کے کسی نصیدے کی نقل مانگی تھی۔

(۲) حیرت اس پر ہے کہ ۱۸۶۷ء تک میرزا کی تمام تصانیف حنفی کہ کلیات فارسی بھی چھپ چکا تھا۔ پور مکتوب الیہ کو کلام کے لیے میرزا سے فرمائش کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یا میرزا نے یہ جواب کیوں نہ دے دیا کہ میری کتابیں نولکشنور کے مطبع سے خرید لیں۔ اغلب ہے کہ خط پر مندرجہ تاریخ صحیح نہ ہو اور یہ چند سال بیشتر کا ہو اس کی توثیق یوں بھی ہوتی ہے کہ میرزا غالب جولائی ۱۸۶۷ء میں اصلاح کی ذمہ داری بے تکلف قبول نہیں کرتے تھے۔

(۳) معلوم ہوتا ہے اشکر دہلی میں میرزا سے ملے تھے۔

(۴) بظاہر خط کے آخری فقرے کا تعلق اشکر سے ہے۔ تکلیف سے اشارہ غالباً کسی رقم کے متعلق ہے جو اشکر نے بیجوانی اور پیام ارسال کلام بھی انہی کے لیے ہے۔



بندہ پرور ،

کل دوپہر کو آپ کے عنایت نامے کے ساتھ ہی اشکر صاحب کا مہربانی نامہ مع غزل پہنچا ۔ آج جواب آپ کو لکھتا ہوں ۔ غزل میں نے دیکھ لی ۔ سوائے ایک دو جگہ کے کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی ۔ آج اس فن میں وہ یکتا ہیں ۔ خدا ان کو سلامت رکھے ۔ وہ بلابالغہ سراپا تصویر محبت ہیں ۔ نظم تو نظم ان کی نثر کے غریبے بوی قیامت ہیں ۔ اس دوبارہ عطیے اور یاد آوری کا افسانہ سنا ۔ میری جانب سے قدر افزائی کا شکریہ ادا کر دیجیے کہ حضرت نے اس ہیچ میوز اور ہیچ مداح کو قابل خطاب اور لائق جواب سمجھا ۔ میں دروغ گو نہیں اور خوشامد میری خو نہیں ۔ غزل دیکھی ۔ الفاظ متین ، معانی بلند ، ہندسہ دل پسند ، مضمون عمدہ ۔ سوائے ایک دو جگہ کے غزل بھر میں ایک نعلیے کی بھی گنجائش نہ تھی ۔ اصلاح کیا دیتا ہجسہ واپس کرتا ہوں ۔

قبلہ حاجات ، میرا حال کیا پوچھتے ہیں ۔ زندہ ہوں ، مگر مردے سے بدتر ۔ جو حالت مہری آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما گئے تھے ۔ اب تو اس سے بھی بدتر ہے ۔ مرزا پور کیا آؤں ! اب سوائے سفر آخرت کے نہ کسی سفر کی مجھ کو طاقت ہے ۔ نہ حیرات ، جوان ہوتا تو ان سے صحت کا طلب گار ہوتا ۔ بوڑھا ہوں تو ان سے مغفرت کا خواہاں ہوں :

دم واپسیں پر سر راہ ہے  
غریبوں اب اللہ ہی اللہ ہے

سچ تو یہ ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا ۔ طبیعت میں وہ سزا اور سر میں وہ سودا کہاں ؟ پچاس پچپن برس کی مشق کا کچھ ملکہ باقی رہ گیا ہے ۔ اسی سبب سے فن کلام میں گفتگو کو لیتا ہوں ۔ حواس کا بھی بقیہ میرے اس شعر کا مصداق ہے :



مضمحل ہو گئے فوری غالب  
آپ عناصر میں اعتدال کہاں

جب تک زندہ ہوں نامہ و پیام ہے شاد اور بہد میرے دعائے مغفرت ہے  
یاد فرماتے رہے۔ سانس میری زبان پر مذکور ہے۔ زند کا یہ مطلع :  
سانس دیکھی ان ہسل میں جو آئے جاتے  
اور چرکا دیا جلاز نے جاتے جاتے  
میرے لیے سند نہیں۔

بندہ پرور، لکھنؤ اور دہلی میں تذکیر و تائیت کا بہت اختلاف پائیے گا۔  
سانس میرے نزدیک مذکور ہے لیکن اگر اہل لکھنؤ اسے مؤنث کہیں  
تو میں ان کو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا  
آپ کو اعتبار ہے جو چاہیے، کہیے۔ مگر جفا کے مؤنث ہونے میں اہل  
دہلی و لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہیے گا، جفا کیا۔  
چشم بہ دور حضرت کی طبیعت نہایت اعلیٰ اور مناسب اس فن کے ہے۔  
اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھیے۔ (۱)

(۱) اگرچہ مکتوب الیہ مینا ہیں، مگر خط کے اہل غاماب اول سے آخر  
تک انکر می ہیں۔ یہ دونوں خط مجھے سر سہلی مجروح کے پوسٹ سید  
سیط حسن فاضل زیدی (محله غریب آباد، نواب شاہ) سے ملے۔



## مصطفیٰ خاں شیفتہ

جناب بیانی صاحب قبلہ،

یقین ہے کہ آپ مع الخیر اپنے دارالریاست (۱) میں پہنچ گئے ہوں اور یہ جمعیت خاطر روزہ رکھتے ہوں۔ سوا اہان کے کوئی خیال اور مولوی الطاف حسین (۲) کے فراق کے سوا کوئی وجہ ملال نہ ہو۔ خدا کرے ہم کو یاد آجائے کہ مفتی جی (۳) شگفتی کو شگفت کا مزید علیہ مسلم نہیں جانتے تھے۔ مکتبر نامہ میں دیکھا :

ہے دو شگفتی نمودن طواف  
عنان سخن را کشد در گزاف

صہبائی (۴) شفق صبح کو غلط اور اس رنگ کو مخصوص یہ شام جانتا

(۱) بظاہر منصوبہ جہانگیر آباد (ضلع بلند شہر یو پی) ہے جو نواب مصطفیٰ خاں کی جاگیر کا مرکز تھا۔

(۲) خواجہ الطاف حسین حالی جو ۱۸۶۳ء سے شیفتہ کی ولایت تک مرحوم و منفور کے مصاحب رہے۔ غالباً کچھ عرصے کے لیے وطن چلے گئے ہوں۔

(۳) مفتی جی سے مراد مفتی عبدالدین آزادہ مرحوم ہیں۔

(۴) مولانا ایام بخشنی صہبائی، جو ۱۸۵۷ء میں گوروں کے ہاتھ سے بالکل بے گناہ شہید ہوئے۔



تھا۔ محمد سعید اشرف (۱) مازندران کے کلام میں نظر پڑا :

مہجو صبح شفق آلودہ رخس رخس وسفید

اب جو فقیر کا یہ مطلع مشہور ہوا :

از جسم بہ جان نقاب ناک ؟

ابی گنج دربی خراب تاکے ؟

حضرات کو اس میں غائل ہے۔ ”خراہہ“ کی جگہ ”خراب“ کو نہیں مانئے۔ آیا یہ نہیں جانتے کہ لغت عربی اصل ”خراب“ اور ”خراہہ“ مزید علیہ، ”ویران“ لغت فارسی اصل اور ”ویرانہ“ مزید علیہ، ”موج“ لغت عربی اصل ”موجہ“ مزید علیہ ہے ؟ مزید علیہ جائز اور لغت اصل ناجائز کہوں ہو ؟ یہ ایک مصرع قلمی میں سے کسی کا ہے مگر ہمیں مصرع مجھے یاد نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کسی کا ہے :

چون مہر در کسوفم و چون گنج در خراب

میں خود کہتا ہوں کہ اس کو نہ مالو، اس راہ سے کہ میں قائل کا نام نہیں بتا سکتا۔ یہ مطلع مرزا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ کا ہے اور اس کے دہران میں موجود ہے :

بہ فکر دل فتنادی پہنچ باب دریغ

بگنج راہ نبردی دربی خراب دریغ

”گنج و خراب“، ”گنج و خراہہ“، ”گنج و ویران“، ”گنج و ویرانہ“

(۱) محمد سعید اشرف بن محمد صالح مازندران عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آیا اور کچھ عرصہ زینب النسا بیگم کا معلم رہا۔ پھر بیگم سے اجازت لے کر ۱۰۸۳ھ - ۱۰۹۷ھ میں وطن چلا گیا۔ دوبارہ آیا تو شہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم بن عالمگیر سے وابستہ ہو گیا، جو اس زمانے میں بنگال کا صوبیدار تھا۔ پھر اشرف نے حج و زیارت کا ارادہ کیا۔ مولکھیر (چار) پہنچ کر وفات پائی۔



مستعمل اہل ایران ہے ، اس بات میں تردد ہوتا محض عدم اعتنا ہے۔  
والسلام ۔

صبح سہ شنبہ دھم ماہ صیام ، سال غافر بنے اہل اسلام  
(۱۰۔ رمضان ۱۳۸۱ھ مطابق ۶۔ فروری ۱۹۶۵ء)



## مفتی سید محمد عباس

قبلہ ،

حضرت کا نوازشنامہ آیا ، میں نے اس کو حرز بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایہٴ عز و افتخار ہے۔ قنبر امیدوار ہے کہ یہ دفتر کے معنی (۱) ، نہ سرسری بلکہ سراسر دیکھا جائے۔ نہ پیش نظر

(۱) ”قاطع برہان“ جس کا ایک نسخہ میرزا نے قدر بنگراسی کے ہاتھ مفتی صاحب کو بھیجوا دیا تھا ، (دیکھئے قدر کے نام خط مرقومہ ۲۴- مئی ۱۸۶۲ء) مفتی صاحب اس زمانے میں لکھنؤ سے کان پور گئے ہوئے تھے۔ لہذا یہ نسخہ پارسل کی صورت میں نواب بالہ علی خان (بن معتمد الدولہ آغا میر) کے مکان پر کان پور بھیج دیا گیا ، جہاں مفتی صاحب ٹوہرے ہوئے تھے۔ ”قاطع برہان“ دیکھنے کے بعد مفتی صاحب نے ایک فارسی خط میرزا کے نام بھیجا ، جس میں دو رباعیاں میرزا کی مدح میں تھیں :

در فن معانی بد یضا دارد در سحر بیان لب عیسیٰ دارد  
گر شیوہ منشیان دیگر جادویت آوازہ قلمش عصای موسیٰ دارد

غالب آن سہر سیر نظم و نثر ہم صغیر صائب و طالب  
تغذہٴ با سہر از مہرشی رسید شد رقم تاریخ مہر غالب  
(عود ہندی مرتبہ سید مرتضیٰ فاضل ص ۵۰۱-۵۰۲)

”تجلیات“ میں ہے کہ مفتی صاحب نے کتاب کی انتہائی تحسین کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا ظرافت اور درشتی سے اعتدال مناسب تھا : ظرافت نے آفت کو برہا کیا درشتی نہ کرنی تھی یہ کیا کیا



دھرا رہے ، بلکہ اکثر دیکھا جاوے ۔ میں نے جو نسخہ وہاں  
 پہنچوایا ہے ، گویا کسٹوں پر سونا چڑھایا ہے ۔ نہ ہٹ دھرم ہوں ،  
 نہ مجھے اپنی بات کی ہج ہے ۔ دیباچہ و خانہ میں جو  
 کچھ لکھ آیا ہوں ، سب سچ ہے ۔ کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا  
 ہوں ، طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں ۔ نگارش ظرافت سے خالی  
 نہ ہوگی ۔ گزارش لطافت سے خالی نہ ہوگی ۔ علم و ہنر سے عاری  
 ہوں ، لیکن بچپن برس سے جو سخن گزاری ہوں ۔ مبداء فیاض کا  
 مجھ پر احسان عظیم ہے ، ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے ۔ فارسی  
 کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں ، مطابق اہل پارس  
 کے منطق کا بھی مزہ ابدی (۱) لایا ہوں ۔ مناسبت خدا داد ، تربیت  
 استاد سے حسن و قبح ترکیب پہنچانے لگا ، فارسی کے غواض جاننے لگا ۔

بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا ۔ ”قاطع برہان“  
 کا لکھنا کیا تھا گویا ہلکی کڑھی میں ابال آیا ۔ لکھنا کیا تھا کہ  
 سهام (۲) ملامت کا حلف ہوا ۔ ہے یہ تنک مایہ معارض اکابر  
 حلف ہوا ۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ ”قاطع برہان“ کی ترکیب غلط  
 ہے ۔ عرض کرتا ہوں کہ حضرت ! ”برہان قاطع“ و ”قاطع برہان“  
 ایک بحث ہے ۔ ”برہان قاطع“ نے کیا لٹھا ، نیتو ، لین سکھ قطع کیا  
 ہے ، جو آپ نے اس کو ”قاطع“ ، لقب دیا ہے ؟ ”برہان“ جب تک  
 تجربہ کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیوں کو ”برہان قاطع“  
 نام پائے گی ؟ ”برہان قاطع“ کی صحت میں نہی تقریر کیجئے گا ،  
 وہ ”قاطع برہان“ کی صحت کے ثبوت کے کام آئے گی ۔

---

(۱) عود ہندی مرتبہ مولانا سید مرتضیٰ حسین نیز تجلیات میں ”مرۃ ابدی“  
 کی جگہ ”مرۃ ابزدی“ ہے ۔ فقرہ یوں ہے : ”مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی  
 مرۃ ابزدی لایا ہوں“ ۔ (۲) تیر ۔



قطعہ' تاریخ کا کیا کہنا ! گویا یہ کتاب معشوق اور قطعہ  
 اس کا کہنا ہے۔ جناب نواب صاحب کا نیازمند اور بندہ فرمانبردار ہوں۔  
 بعد عرض سلام شعر کے پسند آنے کا شکر گزار ہوں (۱)۔ آپ کے  
 علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کی جائے وہ حق ہے، لیکن  
 میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکان سے رونق ہے (۲) ۱۲  
 (۱۸۶۲ء)

---

(۱) نواب صاحب سے مراد معین الدولہ انتظام الملک نواب ہاجر علی خان  
 ہیں۔ مفتی حید عباس نے لکھا تھا کہ نواب صاحب نے آپ کا یہ شعر  
 سکر بڑھوایا :

ازما یہ ما سلام و ہم ازما یہ ما پیام  
 زنج ولے مباد سلام و پیام ما

اور بہت تعریف کی۔ میرزا نے اسی کا سکر یہ ادا کیا ہے۔  
 (۲) نساخ کے دیوان کا نام۔



## صدرالصدور مراد آباد

یہ مکتوب مولوی محمد حسن عبدالصنور مرادآباد کے نام لکھا گیا تھا، وہ میرزا غالب کے دوست تھے۔ مگر ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اس مکتوب کی سرگزشت آب کو حاشیے میں ملے گی۔

قبلہ !

آپ سے رخصت ہو کر بھگتا بھاگتا، جاڑا کھاتا، برسوں (۱) گیارہ بجے

(۱) اگر یہ خط ۱۱۔ جنوری کو لکھا گیا تو برسوں کا مطلب ہے ۹۔ جنوری کو۔ یہ اس لیے غلط ہے کہ میرزا نے کم از کم تین خطوں میں سفر رام پور سے مراجعت پر ورود دہلی کی تاریخ ۸۔ جنوری لکھی ہے مثلاً :  
۱۔ ”آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا، ۸۔ جنوری کو قیر پہنچا، (بنام عبدالرزاق ساکری)

۲۔ ۸۔ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غصب الہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا (بنام میرزا نقتہ)۔

۳۔ میں جادہ نور دہلی ۲۰ شعبان ۱۲۸۲ء  
۸۔ جنوری ۱۸۶۶ء درغمتکہ پر پہنچا حضرت کے اقبال کی تائید تھی، ورنہ میں اور جینا دلی پہنچتا :

مفلوب غلبہ غم دل غالب حزیں  
کاندر تنش کہ زضعف توای گفت جان نہ بود  
از رام پور زندہ بہ دہلی رسیدہ است  
”مارا ازین گیارہ ضعیف این گہاں نہ بود“

(بنام نواب کلب علی خان بہادر، مکتوب رام پور ص ۷۷) لہذا ”برسوں“ کے بجائے ”اترسوں“ ہونا چاہیے۔



دن کے اپنے گھر پہنچا۔ اتریا و احبا کو زندہ و صحیح سالم پایا۔ الشکر للہ، اب میں ندرست ہوں۔ اس سفر میں سراسر حسرتہ و رنجور رہا۔ انجام سفر اختتام رنج تھا گویا۔

کیا عرض کروں، غازی آباد شہر سے سات کوس ہے۔ شب کو وہیں مقام کیا۔ وہیں سے طبیعت اصلاح ہو آئے لگی۔ قبض و اقباض رنج ہو گیا۔ صحت سے اعادۂ طاقت حاصل ہے۔ ۱۲

”قاطع برہان“، تم ”درفش کلویاتی“ کا پارسل پہنچا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو دیکھنا اور سارے دیکھنا۔ جس طرح ”لطائف غیبی“ کو دیکھا ہے اس طرح نہ دیکھنا۔ تم قناد (۱) نفوذ معنی ہو۔ تم میں داد نہ دو گے تو کون دے گا! یہ کتاب نہیں، گنج اسرار حکمت ہے (۲)۔ من قال فی قطع نظر ما قال کو دیکھو (۳)۔

بے دستک، اسد اللہ

۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء

(۱) برکھنے والا، کھونا کھرا دیکھنے والا۔

(۲) میرزا نے اپنے شعروں کے متعلق کہا تھا :

گنجینہ“ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے

جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

اب قاطع برہان، یا درفش ”کلویاتی“ کو ”گنج اسرار حکمت“ قرار دیا، یہ دھول اس اعتبار سے بالکل درست ہے کہ فارسی یا کسی بھی زبان کے متعلق محکم بنیادی اصول پس کر دے، جن کی روشنی میں کوئی شخص غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

(۳) یعنی یہ نہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے، یہ دیکھو کہ کیا کہا گیا ہے؟

آخر میں دو باتوں کا ذکر ضروری ہے :

بقیہ آگے صفحہ پر



۱۔ میرزا غالب دوسرے سفر رام پور سے مراجعت کے وقت دریائے رام گنگا پر پہنچے تو دریا میں سیلاب تھا۔ وہ خود ہالکی میں تھے۔ کتھار ہل پر سے گزر آئے سامان اور نوکر چاکر گاڑی میں تھے، ہل ٹوٹ گیا اور گاڑی دریا کے پار ہی رہ گئی۔ میرزا کے پاس صرف کبیل تھا۔ رات مراد آباد کی سرائے میں گزاری اور سردی کٹھا کر بیمار ہو گئے۔ صبح کے وقت صاحبزادہ ممتاز علی خان کو خبر ملی جو رام پور کے حکمران خاندان کے ایک فرد تھے (اور ان کی شادی مراد آباد میں سعید الدین خان بہادر کے ہاں ہوئی تھی) تو انہوں نے میرزا کو سعید الدین خان بہادر کے مکان پر پہنچایا۔ لیکن محمد حسن خان صاحب صدرالصدور کو بھی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ اصرار کرتے میرزا کو اپنے ہاں لے گئے اور پوری توجہ سے خاطر تواضع اور خدمت کی۔ یہ خبر رام پور بھی پہنچ چکی تھی۔ نواب کلب علی خان نے فوراً آدمی بھیجا کہ واپس رام پور آجائیں تا کہ علاج ہو سکے لیکن اس وقت تک میرزا ندرست ہو کر دہلی روانہ ہو گئے تھے۔

۲۔ اس خط کے محفوظ رہنے کا واقعہ عجیب ہے۔ یہ پنجاب یونیورسٹی کے ایک محفوظہ "دیوان واقف" سے ملا۔ جس کی کتابت ۱۸۱۷ء میں ہوئی تھی۔ دو صورتیں ذہن میں آتی ہیں : اول یہ کہ دیوان واقف کا یہ نسخہ میرزا کے پاس رہا اور مکتوب الیہ کو خط لکھا تو اس کی نقل دیوان ہی کے ایک سادہ ورق پر کر لی تا کہ اسے مکتوبات میں شامل کیا جا سکے، جن کی توثیق دہلی میں شروع ہو چکی تھی یا یہ خط جس کے ہاتھ آیا، اس نے دیوان واقف کے مجدد میں شامل کر لیا تا کہ محفوظ رہے۔



## محمد حسین خاں

محمد حسین خاں صاحب رام پور کے مشہور اخبار "دبدبہ" سکندریہ کے ایڈیٹر تھے۔ انہیں جو قطعے میرزا نے لکھ کر بھیجے تھے، ان کے متعلق تاکید کر دی تھی کہ فرمانروائے وقت سے اجازت لیے بغیر نہ جھانے جائیں۔

(۱)

مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غیر غالب کا سلام پہنچے۔ ابد اللہ ہر ہفتے "دبدبہ" سکندریہ، کے معائنے سے سرور اٹھاتا ہے۔ رام پور کے حالات بڑھ کر نہایت خوش ہے۔ ایک رباعی آپ کو اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ "دبدبہ" سکندریہ، میں، جہاں رام پور کا آپ لفظ لکھتے ہیں، پہلے یہ رباعی لکھ دیا کیجئے اور علی الدوام اس کا التزام رہے۔ یعنی ہر اخبار میں اس مقام پر یہ رباعی لکھی جایا کرے اور وہ رباعی یہ ہے :

آن کیست کہ جسم ملک را جان باشد ؟      آن کیست کہ ہمسر سلایاں باشد ؟  
آن کیست کہ البمش فرمان باشد ؟      کس لیست مگر کاتب علی خاں باشد ؟

اور ایک قطعہ اس مراد سے لکھتا ہوں کہ جہاں رام پور کی نمائش گاہ کا ذکر لکھو، اس عبارت کے خاتمے پر یہ قطعہ لکھ دو اور اگر یہ قطعہ نمائش گاہ کے ذکر کے بعد پہنچے تو اس کی اصلاح لکھ کر لکھ دینا۔



یہ قطعہ ایک ہی بار لکھا جائے گا :

نمایش گئیے در خورشائ خوش بر آراست نواب عالی جناب  
 بہ شب زہرہ و مہ قنادیل سقف بود بستاارش بہ روز آفتاب  
 ز غالب چو پرسیدہ شد سال آن چنین گشت آن زند خانہ خراب  
 ازان جا کہ در ہزم عیش و سرور بخشش چہانے شد کامیاب  
 چو بینی نہایت تفاوت طرب بگو سال آن بخشش بے حساب،  
 ”بخشش بے حساب کے ۱۲۸۵ ہوئے ہیں۔ جب بطرب کی ”ب“ کے عدد  
 کو دور کر دیجیے تو ۱۲۸۳ ہونے ہیں۔ فقط

مگر بیانی صاحب، نواب صاحب بے ہنر اجازت لیے اور کہیے ہرگز  
 نہ چھاپنا۔

۱۱۔ اپریل ۱۸۶۷ء جواب کا طالب، غالب

(۲)

خان صاحب شفیق مکرم محمد حسین خان صاحب کو غالب کا سلام  
 پہنچے۔ آگے میں نے ایک خط جمع ایک تعلقے اور رباعی کے بھیجا ہے۔  
 یقین ہے کہ آپ نواب صاحب بے اجازت لیے کر اس کو، واقعہ میری  
 خواہش کے، چھاپ، دیں گے۔

۲۰۔ اپریل ۱۸۶۷ء راقم امداد

(۳)

شفیق مکرم محمد حسین خان صاحب کو فقیر امداد خان کا سلام۔  
 آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مطالب دل نشین ہوئے۔ چوہتر کی عمر ہوئی۔  
 اگر سن کمز جودہ برس رکھیے تو مائے برس کا رنگ و بد، سیاہ و سفید  
 کا تجربہ کار ہوں اور حقیقت ہر بات کی کجاقہ، فوراً ذہن میں آجاتی ہے۔



والہ باللہ تم باللہ کہہ مارا خط پڑھتے ہی مجھ کو یقین آ گیا۔ آپ یہی  
 اس کو یقین سمجھتے گا۔ اب جو تم کو دوست صادق الولا جانا توحلیقت  
 لکھتا ہوں (۱)

۵۔ محرم ۱۲۸۳ھ (۱۰۔ مئی ۱۸۶۷ء)

---

(۱) یہ مکتوب اتنا ہی محفوظ رہا۔ ظاہر ہے کہ اس کے آگے کی عیادت  
 تلف ہو گئی۔



## مردان علی خان رعنا

رعنا کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ مہاراجہ کپورتھلہ کے ہاں ملازم تھے۔ نساخ نے ”سخن شعراء“ میں لکھا ہے :

راقم نے ان کو کلکتہ میں دیکھا ہے۔ ”غنجہ“ راگ، ان کا نظر سے گزرا۔ (ص ۱۸۷)

گویا وہ کلکتہ بھی گئے تھے اور ”غنجہ“ راگ، ان کی تصنیف ہے۔

### (۱)

خان صاحب عالی شان مردان علی خان صاحب کو فقیر غالب کا سلام۔  
نظم و نثر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ آج اس فن میں تم یکتا ہو،  
خدا تم کو سلامت رکھے۔

بیانی ”جفا“ کے مؤنث ہونے میں اہل ذہلی و لکھنؤ کو باہم  
اتفاق ہے۔ کبھی کوئی یہ کہے گا کہ جفا کیا۔ ہاں ہنگامے میں،  
جہاں بولتے ہیں کہ ”ہنہنی آیا“، اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں،  
ورنہ ستم و ظلم و بیداد مذکر اور جفا مؤنث ہے۔ ے شبہ و شک۔  
والسلام والا کرام۔ ۱۲

### (۲)

خان صاحب مشفق عالی شان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ  
پہنچا۔ رام پور کا اتفاق آج رام پور کو روانہ ہوا۔ کاغذ اشعار میں نے



دیکھو لیا۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ ”نالہ درہ، الخ“ نالہ دل، بنا دیا (۱)۔

نواب صاحب (۲) اودو کا تذکرہ لکھتے ہیں۔ فارسی غزل تم نے لے فائدہ لکھی۔ دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا بنا لکھا، سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا۔ منشی ٹولکشور صاحب یہاں آئے تھے، مجھ سے ملے تھے۔ بہت خوبصورت اور خوش سیرت، سعادت مند اور معقول ہند آدمی ہیں، تمہارے مداح اور میں ان کا ثنا خواں۔ خدا تم کو اور ان کو سلامت رکھے (۳) ۱۲

---

(۱) رعنا کا شعر تھا :

گزرا ہے مرا نالہ در چرخ کہن ہے

تھا روح کا ہمدن نہ پھرا جا کے وطن ہے

میرزا کا مطلب ہے کہ ”در چرخ“ کی جگہ ”دل چرخ“ بنا دیا۔

(۲) معلوم نہیں یہ کسی نواب کا ذکر ہے۔

(۳) بظاہر یہ خط ۱۸۶۱ء کا ہے، کیونکہ منشی ٹولکشور اسی سال دہلی آئے تھے۔



## منشی نبی بخش حقیر اور عبداللطیف

منشی نبی بخش حقیر محلہ تاج کینج آگرہ میں رہے تھے۔ ملازمت کا دور زیادہ تر علی گڑھ میں گزرا۔ اغلب ہے میرزا غالب کے بچپن کے دوست ہوں۔ میرزا نے ان کی سخن نہیں کی ہے حد تعریف کی ہے، بلکہ ہاں تک کہہ دیا کہ تعجب نہیں انہیں فہم سخن اور ذوق معنی کے دو حصے کیے گئے۔ نصف منشی نبی بخش کے حصے میں آیا اور نصف باقی دلیا کے حصے میں۔ لیکن ”نادوات غالب“ میں حقیر نے میرزا کے بعض اشعار کا مطلب پوچھا ہے۔ اس سے نو واضح نہیں ہوتا کہ انہیں سخن نہیں اور مطالب رسمی میں کوئی غیر معمولی مقام حاصل تھا۔

عبداللطیف اور نصیرالدین منشی صاحب کے فرزند تھے۔ ایک صاحبزادی دکیہ (ذکیہ النما یکم) کا ذکر کئی مرتبہ آیا ہے۔ عبدالسلام، عبداللطیف کا بیٹا تھا۔ اکتوبر ۱۸۶۰ء میں حقیر نے انتقال کیا۔ میرزا نے ”ستخیز“ سے تاریخ وفات نکالی :

گنت مدہ طول و بگو : ”ستخیز“

”نادوات غالب“ میں منشی صاحب کے نام فارسی کے ایک خط کو شامل کرتے ہوئے جوہر خط چلے ہیں۔ جن میں سے دو منشی عبداللطیف کے نام ہیں۔ ایک خط منشی تیمورائیں



آرام کے نام تھا جو غلطی سے اردو سے معلول میں منشی  
نہی بخش کے نام چھپ گیا۔ "نادرات غالب" کے مرتب نے  
بھی اسے اردو سے معلول سے لے کر اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔

بھائی :

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔ میان (۱) کا عذر مقبول و  
مطبوع۔ حق تعالیٰ ان کو رزق و ندرت اور خوش و خرم رکھے اور دولت و اقبال  
عطا کرے۔ بالفعل جناب مرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا۔ انہوں نے  
جو صورت چھ کتابوں کی آراستگی کی، جس تقریب سے نمبرائی ہے، وہ مجھ کو  
پسند آتی ہے۔ کل میں نے ان کو اجازت اسی طرح کی تزیین کی لکھ بھیجی  
ہے۔ حال تصحیح کا یہ تصریح آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اسی پر عمل رہے۔  
میں نے مرزا نقتہ کو کہ وہ غیاث القلبات کے بہت معتقد ہیں، اس امر کی  
اطلاع کر دی ہے۔

بیانی جان، میں نے ایک قصیدہ جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح  
میں لکھا ہے۔ سالہ شعر ہیں۔ چھ صلحے یعنی تین ورف پر چھپ کر  
دستبوس سے پہلے شیرازہ میں شامل کر دے جائیں، سو کتاب کو قصیدے  
سے عزت اور قصیدے کو کتاب کے سبب شہرت ہو جائے گی۔ کل جناب مرزا  
صاحب (۲) کو یہ خط لکھ چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ بھی آپ سے کہیں  
گئے اور آپ، مرزا صاحب، مرزا نقتہ اور منشی سید نرائن صاحب اس خواہش  
کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کر دیں گے اور جب باتفاق ہم چاروں  
صاحب پسند کرو گے تو گویا یہ اجلاس کوئٹل اس قانون کا اجرا منظور  
ہو جائے گا۔ امیدوار ہوں کہ اجرا قانون سے پہلے مجھ کو منظوری  
کی اطلاع ہو جائے تا کہ مسودہ اس قصیدے کا بھیج دوں۔ سہتم مطبع کو  
اگر کچھ نامل ہو، تو ہو، ورنہ بات آسان ہے۔

منشی عبداللطیف کو دعا کہنا اور ان کے عذر کے مقبول ہونے  
کی ان کو اطلاع دینا۔ بیگم کو دعا پہنچے اور سب لڑکے بالوں کو۔ میان

(۱) منشی عبداللطیف (۲) حاتم علی بیگ سہر



باقر علی اور حسین علی تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علی قدر مراتب بندگی، سلام، دعا کہتے ہیں۔

ہاں حضرت، اب ایک امر مختصر کے واسطے جداگانہ خط مرزا تقیہ کو کیا لکھوں؟ میری طرف سے دعا کہہ کر ان کو کہئے گا کہ اخبار گزشتہ کے اوراق مع خط مہتمم مطبع ”آفتاب عالمیہ“ حکیم صاحب کو پہنچ گئے۔ کل وہ چار روپے کی ہٹلوی اور ان کے خط کا جواب روانہ کریں گے۔ آپ چتر بھوج سہائے سے کہہ دیجئے گا اور تاکید کر دیجئے گا کہ چار ممبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجیں۔

بھائی، مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے کہ ہم، تم اور مرزا تقیہ میں مراسلات، مکالمات ہو گئی ہے۔ روز بانیں کرتے ہیں۔ اللہ اللہ یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سے خط لکھتے گئے ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گزرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا تو لفافے جاؤں گا۔ غنیمت ہے کہ محصول آدم آئے ہے، ورنہ پائیں کرنے کا مزا معلوم ہوتا۔ جو باتیں جواب طلب ہیں ان کا جواب طلب ہے۔

غالب

چہار شنبہ ۲۲۔ ستمبر ۱۸۵۸ء

### منشی عبداللطیف صاحب

صاحب،

آگے تمہارا ایک خط، پھر بارہ کتابوں اور ایک جتیری کا پوسٹل پہنچا۔ بعد اس کے کل ایک خط اور آیا۔ ریڈ صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا۔ آج ۶۔ دسمبر کی ہے۔ ۷۔ کو بموجب تمہارے لکھنے کے وہ وہاں سے جانے والے ہیں اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئیں گے۔ دو دن کے بعد بمقام میرٹھ خط روانہ کروں گا۔ خاطر جمع رکھو۔ وہ صاحب سُہر چسّا لکھیں، مجھ کو اطلاع دینا۔ رہی تمہاری سُہر، اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ وہ جس طرح تم نے لکھا ہے، بن جائے گی۔ مگر بھائی، ۱۸۵۸ء میں کے



دن باقی رہے ہیں۔ آج ۶۔ دسمبر کی ہے۔ ۲۳، ۲۵ دن باقی رہے ہیں۔  
 ۱۸۵۹ء جنوری مہینے میں خدا چاہے تو کھد جائے گی۔ تم میرے بجائے فرزند  
 ہو، میرے پہنچے ہو، جو ہمارا کام ہو، بے تکلف کہو۔ شرم کیا اور تکلف  
 کیوں؟ یہ سہر کا کھدنا کونسا کام ہے؟ میرزا حاتم علی صاحب ملیں تو  
 میرا سلام کہنا اور میرزا تقہ کو خط لکھو تو میری سفارش لکھنا۔ وہ مجھ  
 سے خدا ہو گئے ہیں اور خط نہیں لکھتے۔

غالب

۶۔ دسمبر ۱۸۵۸ء



## شیخ لطیف احمد بلگرامی

شیخ لطیف احمد لطیف بلگرام کے مولوی زادوں میں سے تھے اور ان کا سلسلہ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا تھا ، اس لیے عثمانی کہلاتے تھے۔ عربی کی تحصیل لکھنؤ میں کی تھی۔ فن مناظرہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ مولانا فضل الرحمان مرحوم کبج مراد آبادی کے مرید تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں کان پور بھی خاصی مدت تک مقیم رہے۔ میرزا کے شاگرد تھے :

میان لطیف ،

مزاج شریف ، غالب گوشہ نازین کی دعا ، تمہارا مسودہ آیا۔ کثر جگہ اصلاح کی باقی۔ روش تحریر بھی مجھے پسند آئی ، دل خوش ہوا لیکن :

ہشدار کہ نتوان بہ پک آہنگ سرودن

نعت نہ کولیں و مدح کے وجہ را

مید ابن حسن خاں وہاں موجود ہیں۔ میں یہاں بھٹی بے وجود۔ وہ تو میرے نزدیک علامہ ہیں ، جوان ہیں۔ میں ان کے نزدیک ایک مشت استخوان ہوں ، وہ بھی بوسیدہ و ناتوان۔

اگر خان صاحب وارستہ مزاج ہیں تو مید غلام حسین قدر سہی۔ وہ تو میرے نزدیک قدردان بھی ہیں ، اور شاگرد بھی ہیں۔ اگر کچھ بھی اپنے دل و دماغ میں قوت پاتا تو اپنی طبیعت کو آپ سے اصلاً دریغ نہ کرتا۔ کیا



لکھوں اور کیا کہوں؟ نور آنکھوں سے جانا رہا اور دل سے سرور۔ ہات میں  
رعشہ ہے اور کان سماعت سے عاری ہے :

عذابِ عروسان در آمد بیوش  
مراحمی تہی گشت و ساقی خموش

نظر ایباد و تکوین مولانا فضل حق ایسا ذوق مر جائے، غالب نیم مردہ  
و نیم جاں رہ جائے۔

مرنے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے، ہر نہیں آتی  
آگے آتی بھی حال دل پہ غمی اب کسی بات ہر نہیں آتی۔  
اگر جوان ہوتا اور بیمار تو آپ سے دعاے خیریت چاہتا، اسی (۸) برس کا بڑھا ہوئے  
آیا ہوں۔ دعاے مغفرت کا اسید وار ہوں۔ شراب کم بخت اب بھی چھوٹی  
نہیں، نماز کا اب بھی عادی ہوتا نہیں :

جاننا ہوں ثواب طاعت و زہد ہر طبیعت ادھر نہیں آتی  
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی؟  
نجات کا طالب، غالب (۱)

---

(۱) اس خط کی تاریخ کا معاملہ پیچیدہ ہے، ایک مقام پر مولانا فضل حق  
خیر آبادی مرحوم کی وفات کا ذکر ہے۔ ان کا انتقال ۱۲۔ صفر ۱۲۷۸ھ/۱۹/۸۔  
اگست ۱۸۹۱ء کو ہوا۔ اس وقت میرزا غالب کی عمر قریباً چھیالیس برس کی تھی،  
بالنسبہ وہ کمزور ہو گئے تھے لیکن اتنے نہیں، جتنے اس خط سے ظاہر ہوتے ہیں۔  
اعلیٰ ہے یہ خط بعد کا ہو اور مولانا فضل حق خیرآبادی کا ذکر شاید اس وجہ  
سے کیا گیا کہ مکتوب الہ نے اپنے خط میں ان کے متعلق کچھ لکھا ہو۔  
یہ حال یہ میرزا کی وفات سے تھوڑا عرصہ پیشتر کا معلوم ہوتا ہے۔



## صوفی منیری

سید ابو محمد جلیل الدین حسین عرف شاہ فرزند علی منیری،  
ولادت ۹۔ شوال ۱۲۵۳ھ/ ۸۔ جنوری ۱۸۳۸ء اور وفات ۶۔ ذی القعدہ  
۱۳۱۸ھ/ ۲۵۔ فروری ۱۹۰۱ء (تلامذہ غالب ص ۱۹۶ اور  
”نادر خطوط غالب“ ص ۱۸) صوفی کا ددھیالی رشتہ سید  
علیم الدین دالستند نیشاپوری سے اور تنہیالی رشتہ غنوم  
شاہ خلیل الدین برادر غنوم الحلق شاہ شرف الدین بہاری سے  
ملتا تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔  
میرزا غالب سے تلمذ تھا۔ اردو اور فارسی کے دیوان کے علاوہ  
تین اردو مثنویاں۔ ”لوائے العبد“ کشش عشق، روش عشق۔ ان  
سے یادگار ہیں۔ نثر میں شاہ شرف الدین کے سوانح حیات  
”وسیلہ الشرف“ کے نام سے مرتب کیے۔ مالک رام صاحب نے  
تصوف میں ”راحت روح“ نام ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔  
ان کے نام صرف ایک ہی خط ملا ہے :

زینۃ اولاد حضرت خیر الانام، قبلہ و کعبہ\* مجموع اہل اسلام،  
حضرت پیر و مرشد عالی مقام کی خدمت میں فقیر غالب کی ہندگی قبول  
ہو۔ اپنے ابوالبابا (۱) کے بڑے غلام کو آپ نے کیوں اتنا شرمایا کہ وہ  
شرم سے ہاتھ پائی ہوا جاتا ہے، کافی تھا ان اشعار کا بھیج دینا اور حکم و اصلاح  
کی اجازت دینا۔ میری مدح، آپ کے غلاموں کو موجب ننگ و عار  
(۱) حضرت علی رض۔



اور میرے آپا و اجداد کو ذریعہٴ عز و افتخار (۱)۔ حکم یہا لایا اور ایک جگہ اسلامی صورت بدل گئی کہیں مصرع کی جگہ مطلع لکھا گیا۔ بے غائبہ تکلف و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے (۲)۔ لفظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند۔

تغیر اپنا حال زار لکھتا ہے۔ اکہتر برس کی عمر، ہاتھ سے اپاہج، کانوں سے چرا۔ دن رات بڑا دھنسا ہوں۔ دو سطریں لکھیں، بدن تھراپا، حرف سوچنے سے رہا۔ لونیں ساط، حواس محفل، خدا فیل، بلکہ اقل :  
عمر بھر دیکھا کہیے مرنے کی راہ  
مر گئے پر دیکھے دکھلائی کیا

ایام شباب میں کہ بحر طبع روانی پر تھا۔ جی میں آیا کہ غزوات صاحب ذوالقار (۳) لکھنا چاہیے۔ حمد و نعت و مقبت و ساق نامہ و معنی نامہ لکھا گیا۔ داستان طرازی کی توفیق نہ پائی۔ ناچار اس آٹھ نو سو شعر کو چھپوا لیا (۴)۔ اصلاح ”برہان طالع“ از ابوے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ ”طالع برہان“ اس کا اسم اور ”درفش کلویانی“ اس کا علم۔ ان دونوں رسالہ مطبوع کو ایک بارسل میں

(۱) ظاہر ہے کہ مکتوب الیہ نے کلام بغرض اصلاح بھیجنے وقت میرزا کے کہالات شعر و سخن کے متعلق اپنے تاثرات بیان کیے ہوں گے۔

(۲) تکلف اور خوشامد کی آلاش سے بالکل پاک و کر عرض کرتا ہوں کہ آپ کا کلام واقعی معجز نظام ہے۔

(۳) رسولہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ میرزا خود لکھتے ہیں :

یہ اقبال اہل و نبوے دی  
سخن رانم از سیدالعرسلین

(۴) یہ مشنوی ”پر گھر بار“ کی طرف اشارہ ہے۔ جو ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء میں اکمل المطابع سے چھپی تھی اور اس کے ساتھ دو قصیدے نیز میرزا کا کچھ اور کلام بھی چھپا تھا، جو کلیات کے بعد کیا گیا۔



اور حضرات کے بھیجے ہوئے اوراق بھی اس ہارسل میں اور یہ خط جداگانہ ڈاک میں بھیجا دیا اور توقع رکھتا ہوں کہ اس کی رسید روز وزودیا دوسرے دن لکھی جائے (۱)۔

---

(۱) خط میں میرزا نے اپنی عمر اکہتر برس کی بتائی ہے لہذا یہ ۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۶ء کا ہونا چاہیے۔



## محمد سخاوت مدھوش انصاری

وطنِ ہدایوں ، لیکن مدھوش کی عمر کا زیادہ حصہ شاہِ جہان پور میں گزرا ۔ پہلے وکیل عدالت دیوال تھے ، پھر آنریری مجسٹریٹ اور نائب صدر بلدیہ بھی رہے ۔ خان بہادر کا خطاب پایا ۔ اپنے عہد کی قومی تحریکات میں سرگرمی سے حصہ لیا ۔ کانگریس کے پہلے اجلاس (۱۸۸۵ء) میں شریک ہوئے تھے ۔ تقریر میں بار بار ”ہم“ کہتے تھے ۔ ایک صاحب نے پوچھا ”ہم“ سے کیا مراد ہے فرمایا ”ہم“ سے ہندو اور ”ام“ سے مسلمان ۔ تصانیف میں سے ایک رسالہ ”تعلیم مسلمانان“ اور ”ارتقاء مدھوش“ ہیں ۔ تذکرۃ الواصلین پر تقریظ بھی لکھی تھی ۔ میرزا غالب کے شاگرد تھے ۔

---

مشفق و مکرّم منشی سخاوت حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۔  
 سبحان اللہ آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں ؟ اپنے کو تفریق کروں ، اگر شباب نہ لکھوں ۔ اس وقت ڈاک کے ہرکاری نے تمہارا خط دیا ، ادھر پڑھا ، ادھر جواب لکھنے کا قصد کیا ۔

میں ایک شخص گوشہ نشین ، فلک زندہ ، اندوہگین ، نہ اہل دنیا ، نہ اہل دیں ۔ مجھ جیسے لکھے آدمی کا جو مشتاق ہو ، اس کے خط کا جواب لکھنا کیوں مجھ پر شاق ہو ؟ ناہرا تم خود مجمع حسن اخلاق ہو ، ورنہ کیوں تم کو میرا اس قدر اشتیاق ہو ؟ ہاں ایک بڑی بھلی شاعری ،



اس کا حال یہ کہ آگے جو کچھ کہا ، سو کہا ، اب شاعر بھی نہیں رہا ،  
 بہ ہر حال بیماریِ فقیر نوازی کا شکر گزار ہوں اور طالب دہدار ہوں ۔  
 جانشکاء دوشنبہ ۳۰ فروری ۱۸۹۱ء (۱)

نجات کا طالب ، غالب

---

(۱) یہ خط شاہ جہان پور کے رسالے ”سراج سخن“ میں شائع ہوا تو  
 (فروری ۱۸۹۳ء) - اردو نثر نگاری کے ابتدائی دور میں مقلدِ عبارت لکھنے  
 کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا - میرزا غالب نے اس قافیہ بندی کو ختم کیا ،  
 لیکن جب وہ مقلدِ عبارت لکھتے تھے تو دوسرے نثر نگاروں کے برعکس بالکل  
 بے تکلف لکھتے تھے ، اس کی ایک مثال یہ مکتوب بھی ہے -



## مولوی عزیز الدین

محمد عزیز الدین عزیز ، ہندوستانی مہم دہلوی ، بن مولوی اسامہ الدین  
 فرشتوری ۔ میرزا کے شاگرد ۔ پہلے عزیز تخلص کرتے تھے ! پھر صادق  
 اختیار کو لیا ۔ انہوں نے دہلی کو وطن ثانی بنا لیا تھا ۔ اور ۱۶۔  
 جہادی لاولیٰ ۱۳۱۱ھ/۲۵۔ نومبر ۱۸۹۳ء کو وفات پائی ۔ عزیز و صادق  
 کے بھائی محمد سعید الدین متخلص بہ سعید و کامل بھی شعر کہتے تھے  
 اور زین العابدین خاں عارف کے شاگرد تھے ۔ محمد عزیز الدین کے بیٹے  
 ابوالحسن سر سید مرحوم کے سکڑوری رہے ۔ حیدرآباد میں  
 حج بھی ہو گئے تھے (تلاش غائب ص ۱۹۲-۱۹۳)  
 "سجن شعراء" ص ۲۷۳ : خطانہ جاوید جلد پنجم - ۲۵۰-۲۵۱)۔

صاحب ۔

کیسی صاحبزادوں کی سی ہائیں کرتے ہو ۔ دل کو ویسا چھو  
 جانتے ہو ، جیسی آگے تھی ؟ قلم جان کی کلی میر خیراتی کے پھانک  
 سے فتح اللہ یک خاں کے پھانک تک بے چراغ ہے ۔ ہاں اگر آبادی ہے



تو یہ ہے کہ غلام حسین خان (۱) کی حویلی ہسپتال ہے۔ اور ضیاء الدین خان (۲) کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالج صاحب (۳) کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالی شان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔

ضیاء الدین خان اور ان کے بھائی (۴) مع قبائل و عشائر لوہارو ہیں۔ لال کنویں کے محلے میں خاک اڑی ہے۔ آدمی کا نام نہیں۔

سمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی، اس کے پاس اور لکھمی کی دکان پر اس اشتہار کو بھیجا۔ بیگم لاہور گئی ہوئی ہے اور لکھمی کی دکان پر کٹے لٹٹے ہیں۔ مولوی عبداللہ خان (۵) لاہور ہیں۔ ایزد بخش اور نواب علی۔ ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں۔ میں نے آپ سہر کر دی۔ حکیم الحسن اللہ خان اور میاں غلام نجف اور پیادہ بیگ اور نئی بخش خان ساکن درپردہ، ان کی سہریں دو گئیں۔ محضر آب کے پاس بھیجا ہوں۔ خط از روئے احتیاط برنگ بھیجا ہے پوسٹ پٹ خط اکثر ناک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل کا خط آنکھیں پھوٹ جائیں، اگر میں نے دیکھا ہو۔ آپ ان سے میرا سلام نیاز کہیے اور خط کے نہ پہنچنے کی خبر پہنچائیے (۶)۔

۲۸۰۸۱/

(۱) نواب غلام حسین خان مسرور۔ (۲) نیر و رفشان۔

(۳) شیخ نصیر الدین عرف کالج صاحب۔ (۴) امین الدین احمد خان۔

(۵) مفتی عبداللہ آزاد۔

(۶) ظاہر ہے کہ یہ خط بریلی سے بھیجا گیا، کیونکہ قاضی عبدالجمیل بریلی کے خط کا ذکر ہے، محمد عزیز الدین سے قاضی صاحب ہی نے ذکر کیا ہو گا کہ میرزا کے نام خط بھیجا گیا ہے اور اس کا جواب نہیں آیا مضمون خط سے واضح ہوتا ہے کہ محمد عزیز الدین نے اپنے مکان کے متعلق سرکار میں ایک محضر پہنچنے کے لیے بعض اکابر دہلی کی سہریں بغرض تصدیق ثبت کروانے کی تکلیف دی ہوگی۔



## غلام بسم اللہ

غلام بسم اللہ بھٹل میرٹھی، نم بریلوی۔ اصل نام شاکر علی تھا، "غلام بسم اللہ"، تاریخی نام تھا، جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے یعنی ۱۲۳۹ھ - ۱۸۲۳ء۔ بھٹل کے والد منشی سرفراز علی قوم کمبوہ، کیمبرٹ کے محکمے میں سرشتہ دار رہے۔ غالباً ملازمت ہی کے تعلق میں میرٹھ مقیم ہو گئے۔ بھٹل کی پیدائش میرٹھ ہی میں ہوئی۔ پھر وہ مارہرہ اور بالی بریلی میں تعلیم پا کر فاضل عدالت مقرر ہوئے۔ پنشن کے بعد بریلی چلے گئے۔ ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء سال وفات ہے۔ شعر گوئی میں میرزا کے شاگرد تھے۔ (مختارہ جاوید جلد اول ص ۵۹۰-۵۹۱، تلامذہ غالب ص ۳۸-۳۹)۔

منشی صاحب، شفیق مکرم مظلوم لطف و کرم منشی غلام بسم اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

صاحب، یہ کیا ڈھنگ ہے شکایت کا۔ اگر تمہارے کلام میں اصلاح کم ہوئی ہے تو وہ کلام کی خوبی ہے، اوس کو استاد کی سہل انکاری کیوں سمجھو؟ آپ کے منصب (۱) صاحب کی غزل میں (بھی) اصلاح

(۱) منصب صاحب سے مراد مفتی محمد سلطان خان صدراعظم متخلص بہ الحسن ہیں۔ وہ بھی میرزا کے شاگرد تھے۔ بھٹل نے ان سے عربی پڑھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بریلی میں انامت کے بعد بھٹل اپنی اور الحسن کی غزلیں بغرض اصلاح ایک خط میں میرزا کو بھیجا کرتے تھے۔



کم ہوں ہے ۔ پس اون کو چاہیے کہ خوش ہوں ، نہ کہ مجھ سے  
کٹہ کریں ؟

حضرت ! خط میں تداخل (۱) برا ہے ۔ اگر یہاں کی ڈاک میں  
کبھی خط کھل گیا تو مجھ سے بچاس روپے لیے جاویں گے یا  
قید کا حکم ہوگا ۔ آئندہ آپ خط جداگانہ نہ بھیجا کیجیے ۔ اس  
باب میں تاکید جانیے ۔ کوئی حیلہ جواز کا آپ کی طرف سے مسموع نہ ہوگا ۔

غالب



## قاضی نورالدین حسین خاں

قاضی صاحب نے شاعروں کا ایک تذکرہ ”المخزن الشعراء“ کے نام سے لکھا تھا، اس کی تکمیل کے ایک عرصہ بعد مصنف نے ایک نسخہ یہ غرض اصلاح میرزا غالب کے پاس بھیجا تھا۔ مکتوب میں اسی کا ذکر ہے۔

مقدم و مکرم قاضی محمد نورالدین حسین خاں بہادر کی خدمت میں عرض ہے کہ برخوردار میرزا شہاب الدین خاں بہادر نے یہ اجزا مجھ کو دیے۔ نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کی۔ کلیل صاحب کی جو نثر آغاز میں ہے اس کو بھی نہیں دیکھا، صرف آپ کی نثر کو دیکھا اور اس کو موافق حکم کے بعض جا دوست کر دیا۔ بعض مواقع پر منشاء اصلاح لکھ دیا ہے۔ مجھ کو یہ ہایہ نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل کروں۔ یہ یہ فقورے ”الامر فوق الادب“ حکم بجا لایا ہوں۔ مرحبا، آفریں۔

(۱) اپنے خط میں دوسرے کا خط یا دوسرے کے خط میں اپنا خط رکھ کر بھیجنا قواعد ڈاک کے رو سے مستوع تھا، جس کی سزا کا ذکر میرزا نے خود کر دیا ہے۔ دونوں کے کلام میں اصلاح کی گنجائش کم تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ دونوں کا کلام بہتر ہو گیا تھا، مگر دونوں کو بلا وجہ اجلاس ہوا کہ میرزا اصلاح پر زیادہ توجہ نہیں کرنے حالانکہ میرزا کے نزدیک یہ گلہ کرنے کی بجائے خوش ہونے کی بات تھی۔



بہنہا خوب تر لکھی ہے اللہ سبحانہ آپ کو مدارج اعلیٰ کو پہنچا دے اور  
سلامت رکھے۔

میرٹھہ دوشنبہ جولائی ۱۸۶۲ء خوشنودی احباب کا طالب  
غالب



## میر ولایت علی

جناب میر ولایت علی صاحب مہتمم مطبع عظیم المطابع عظیم آباد واسطے اپنے جد کے میری تقصیر معاف کر دیجئے۔ درحقیقت میرا کتاہ نہیں : میری وسعت عجب چہیں گفتہ اند

ستر برس کی عمر، حافظہ معدوم، نسیان مستولی۔ کل آپ کو یہ طلب ترجمہ یونانی خیال مترجمہ صفیر پلگراسی خط لکھا۔ لقاہ کرینے وقت ٹکٹ لیٹھے بھول گیا۔ آج جو بکس کھولا، ٹکٹ بکس میں پائے۔ ذلیل و خوار، خجل و شرمسار۔ آج لقاہ جدید مطلوب کر کے بھیجتا ہوں۔ خدا کرے کتاب وہاں سے پہلے روانہ ہو اور یہ لقاہ وہاں بعد پہنچے (۱)۔

۶۔ اپریل ۱۸۶۵ء نجات کا طالب، غالب

(۱) یہ خط علی گڑھ میگزین کے ”غالب میر“ میں چھپا تھا۔ میرزا غالب نے ”اودہ اخبار“ میں ترجمہ کا اشتہار دیکھ کر میر ولایت علی مہتمم مطبع عظیم المطابع کو ارسال کتاب کے لیے لکھا تھا۔ اصل خط میں ٹکٹ دکھنا بھول گئے اور یہ خط ٹکٹ ارسال کرتے وقت معذرت میں تحریر کیا۔ اصل خط اب تک نہیں مل سکا۔



## حکیم غلام مرتضیٰ خاں

یہ دہلی کے مشہور خاندان اہلبا یعنی شریف خانیوں میں سے تھے  
سلسلہ نسب یوں تھا: غلام مرتضیٰ خاں بن حکیم صادق علی  
خاں بن حکیم شریف خاں۔ مہاراجہ ہشیالہ کے ہاں ملازم تھے  
جیسا کہ ان کے نام کے خط سے واضح ہے۔

خاں صاحب جمیل المناقب حکیم غلام مرتضیٰ خاں صاحب

درد مند کا سلام، خوب یاد کیجئے کہ میں نے کبھی کسی۔ امر میں  
آپ کو تکلیف نہیں دی۔ اب ایک طرح کی عنایت کا سائل ہوں۔ حاصل  
ہذا المکتوب پلٹ جے نرائن میرا خط لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے بزرگ،  
نواب احمد بخش خاں کی سرکار میں مراتب عالیہ اور عہدہ عالیہ جلیلہ  
رکھتے تھے۔ اب موقع یہ آیا کہ یہ جستجوئے نوکری میں ہشیالہ آئے ہیں۔  
اب کو میرے سر کی قسم، جہاں تک ہو سکے، سعی کر کے ان کو موافق  
ان کی عزت کے کوئی منصب دلوا دو گئے تو میں یہ جانوں گا کہ تم نے  
مجھ کو نوکر رکھوا دیا ہے۔ بڑا احسان مند ہوں گا۔

نجات کا طالب،

غالب

۱۳۔ سوال ۱۲۸۱ء

(مطابق ۱۱۔ مارچ ۱۸۹۵ء)



## حکیم محب علی نیر کا کوروی

حکیم صاحب کا سلسلہ نسب امام محمد بن الحنفیہ کے ذریعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کے پردادا شیخ محبوب عالم اٹوار کے چکلا دار تھے۔ دادا شیخ عائق علی گلاؤنٹی (ضلع میرٹھ) میں ٹھانیدار رہے۔ والد شیخ مشتاق علی اپنے عہد کے مشہور طبیب تھے۔ حکیم محب علی ۲۹۔ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ۔ ۲۳ جون ۱۸۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی اور طب کی تعلیم والد سے پائی۔ میرٹھ میں نواب مصطفیٰ خان نیفتہ کے دولت کدے سے قریب ہی رہتے تھے۔ یہیں میرزا سے ملاقات ہوئی۔ پھر امین پورے چلے گئے، جہاں ان کے والد کا مطب تھا۔ محب علی وکالت بھی کرتے تھے اور طبابت بھی، امین پورے ہی میں ۱۸۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ / ۳۱ اگست ۱۹۰۳ء کو انتقال کیا۔

بندہ پرور،

آپ کی تحریر سے مستنبط ہوتا ہے۔ کہ آپ مجھ سے میرٹھ میں (ملے تھے) مگر میں ہر چند یاد کرتا ہوں، مجھ کو وہ صحبت اور آپ کی ملاقات کی صورت یاد نہیں آتی۔ یہ ہر حال ارسال مسودات کی خواہش مقبول اور حک و اصلاح کی خدمت بجا لاتی یہ دل منظور۔ تمہارے ایوالایا کا کہ وہ ایوالاکہ بھی ہیں، غلام ہوں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

”ماہ نیم ماہہ مانگتے ہو، یہ نہیں جانتے کہ وہ آباں ہی ٹوٹ بڑا، جس پر ”ماہ نیم ماہہ“ طلوع کرتا۔“



بات یہ ہے کہ جس طرح مسافر سفر میں آدھی منزل طے کر کے دم لیتا ہے ، میں نے آدم سے ہابیوں تک کا حال لکھ کر دم لیا تھا ۔ قصہ تھا کہ اب جلال الدین اکبر کی سلطنت کا حال لکھوں گا ، ناگہ یہ فتنہ عظیم حادث ہوا اور اکبر و ہابیوں کے خاندان کا نام و نشان جاتا رہا ۔ عرفت اب بطبع العزائم - ۱۲

”ہنج آہنگ“ ، ”سہر فیروزہ“ ، ”دستیوار“ ، ”قاطع برہان“ ، ”دیوان اردو“ ، یہ پانچ رسالے البتہ کتب میں شمار کیے جائیں (۱)۔ ”ہاد مخالف“ کئی ورق کی ایک منظوم ہے ۔ منجملہ ان منظوموں کے جو ”کلیات نظم فارسی“ میں مندرج ہیں ، بجائے خود کتاب نہیں ہے ۔

ہاں یہ تو فرمائیے کہ ”قاطع برہان“ آپ کے ہات کہاں سے آئی ؟ شاید نواب مصطفیٰ خان صاحب سے لی ہوگی ۔ ملاحظہ (۲) ”قاطع برہان“ ضرور لکھیے ۔ ۱۲

گن زبست بود بر منت ز بے دردی  
بد است مرگ ، ولے بد تراؤ گن تو نیست

ہے ہے ! ہم اب تک یہ جانتے ہو کہ غالب شعر کہتا ہے یا کہ سکتا ہے ؟ ایک ہانو رکب میں ، ایک ہات ہاگ پر ۔ اس صورت میں کیا کہوں گا اور کیا لکھوں گا ؟

اے مکرم مصطفیٰ خان گوارہ ہیں کہ میں اب (شعر) نہیں کہتا ، اللہ اللہ ، لا موجود الا اللہ - ۱۲

چہار شنبہ ۱۸ - جنوری ہنگام فیروز (۳) غالب ۱۲

(۱) کلیات نظم فارسی غالباً سہو سے نظر انداز ہو گیا ۔ حالانکہ آگے اس کا ذکر آ گیا ہے ۔

(۲) یعنی جہاں سے کتاب لی ۔

(۳) صرف دن اور تاریخ درج ہے ، سال درج نہیں ، میرے اندازے کے مطابق سال ۱۸۹۳ء ہونا چاہیے ۔



## محمد حسین خاں

یہ صاحب مطبع اعلیٰ واقع شاعر و (دہلی) کے مالک تھے۔ میرزا غالب نے اردو دیوان کا ایک نسخہ منشی شیونرائی آرام مالک مطبع منید خلائی آگرہ کے پاس بغرض طباعت بھیج دیا۔ وہاں طباعت میں تاخیر ہوئی تو محمد حسین خاں کو دیوان چھاپنے کی اجازت دے دی جو ۲۰۔ محرم ۱۲۷۸ھ / ۲۹ جولائی ۱۸۶۱ء کو چھپا، لیکن یہ بہت غلط تھا۔ میرزا نے خود ایک نسخہ صحیح کر کے محمد حسین خاں کے پاس بھیج دیا کہ اب دیوان اس کے مطابق چھاپا جائے اور اس کے ساتھ غلط نامے کی ضرورت نہیں۔ محمد حسین خاں نے صحیح کیا ہوا نسخہ محمد عبدالرحمان خاں منہم مطبع نظامی کلان پور کے پاس بھیج دیا۔ جہاں سے دیوان ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ۔ جون ۱۸۶۳ء میں چھپا۔

جناب محمد حسین خاں صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں، میں نے اس نسخے کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اس میں درج کر دیا ہے (۱)، گویا اب غلط نامہ بیکار محض ہو گیا ہے۔ خاتمے کی عبارت کیا، میرا بیان کیا، میر فخرالدین کا اظہار کیا اب

(۱) مطلب یہ ہے کہ دیوان کے ساتھ جو غلط نامہ لکایا گیا تھا، وہ اب اصل میں شامل کر لیا گیا ہے۔ گویا اس کے مطابق متن کی تصحیح ہو گئی ہے، لہذا غلط نامہ غیر ضروری ہے۔



کچھ ضرور نہیں (۱)۔ کسی واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائے گی۔ یہ مجلد گویا مسودہ ہے، اسی کو بھیج دیجیے (۲)۔

غالب ۱۲

(۱) گویا خاتمہ دیوان میں جو عبارت تھی، نیز میرزا کا بیان اور میر قمر الدین مستم مطبع کا اظہار بھی غیر ضروری ہو گیا، کیونکہ اب دیوان مطبع احمدی میں نہیں بلکہ دوسرے مطبع میں چھپے گا۔

(۲) ان الفاظ سے واضح ہے کہ میرزا کی شکایت پر غالباً محمد حسین خاں نے قبول کر لیا تھا کہ خود میرزا دیوان کا ایک صحیح نسخہ تیار کر دیں۔ اور اسے دوسرے جہانم خانے میں چھپوا دیا جائے گا۔ اسی لیے میرزا کہتے ہیں کہ میرے صحیح کیے ہوئے نسخے کو مسودہ قرار دے کر بھوزہ مطبع میں بھجوا دیجیے۔



## تفضل حسین خاں

کیوں صاحب !

چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و اسنادی سب پر ہانی پھر کیا ؟ اگر کوئی ہزار بانسو کی چیز ہوتی اور میں مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھائے ، میرا کلام ، خرید آؤ دس روپے کی ۔ سو وہ بھی میں نہیں کہتا مجھے دے ڈالو ۔ تم کو مبارک رہے ۔ مجھ کو مستعار دو ۔ میں اس کو دیکھ لوں ، پھر تم کو واپس بھیج دوں گا ۔ اس طرح کی طالب پر نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو ۔ میرا اعتبار نہیں یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا یہ دل مطلوب ہے ۔

وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دے دو ۔ ہاتھ واپس ، اس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے ، نقل کر کے تم کو بھیج دوں گا ۔ اگر تم کو واپس نہ دوں تو مجھ پر لعنت اور اگر تم میری قسم نہ مانو اور کتاب حاملی رقعہ کو نہ دو تو تم کو آفریں ۔

غالب



## میر بندہ علی خاں

یہ میر بندہ علی عرف میرزا میر صاحب غالباً راجا شیو دھیان سنگھ والی الور کے مصاحب یا سرکاری تھے۔

میر صاحب شفیق و مکرّم و معظم ، میر بندہ علی خاں ، عرف میرزا میر صاحب کو غالب نے برگ و نوا کا سلام پہنچے۔ آپ کا پیام روح افزا پہنچا۔ ہنگہ وہ عبارت سراسر بشارت میں نے خود پڑھ لی۔ جناب سری راؤ راجہ (۱) صاحب نے جو میرے حق میں فرمایا ، سو بجا ہے۔ پانچ برس کی عمر میری تھی کہ میرا باپ عیدائہ بیگ خاں عرف میرزا دولہ سہاراجہ پختاور سنگھ بہادر کی وفات میں مارا گیا۔ سرکار سے میرے باپ کی تنخواہ میرے نام پر جاری ہوئی اور ایک گڑھ جس کا تالڑا نام ہے ، مجھ کو برائے دوام (۲) ملا۔ آپ یوں سمجھیے کہ اودھر دودھ پینا چھوڑا اودھر راج کی روٹی کھائی۔ چار برس کے بعد نصراتہ بیگ خاں میرا چچا مر گیا۔ نو برس کی عمر میں سرکار انگریزی سے یہ عوض چچا کی جاگیر

(۱) راجا شیو دھیان سنگھ والی الور۔

(۲) میرزا غالب نے مختلف اصحاب کو جو حالات لکھے ہیں ، ان کا خلاصہ یہ ہے :  
۱۔ حیدرآباد میں ملازمت کا سلسلہ ختم ہوا تو ان کے والد عیدائہ بیگ خاں نے الور کا قصد کیا۔

۲۔ راؤ پختاور سنگھ کی ملازمت کی ۔ وہاں ایک سرکشی زمیندار کے خلاف جنگ میں گولی لگتے سے عیدائہ بیگ خاں مارا گیا اور راج گڑھ میں دفن ہوا۔

بلیہ آگئے صفحہ پر



کے نقدی مقرر ہوں۔ اب تک اسی پر معاشی کا مدار ہے۔ عمر بھر نوکری نہ کی۔ نوکری کی تو بہادر شاہ نے عہد الدولہ دہلی کے نظام جنگ خطاب پایا۔ کچھ دنوں بادشاہ کا مصاحب رہا، پھر استاد کہلایا۔ اب ایک کم ستر برس کی عمر ہے۔ کانوں سے جیرا ہو گیا ہوں، بغیر لالھی کے چل نہیں سکتا۔ تکیہ یا دیوار کے آسے بغیر بیٹھ نہیں سکتا۔ دنیا دار نہیں، فقیر ہوں۔ بہت سی عزت اور تہوڑی سی دولت چاہتا ہوں۔ حضور (ؐ) کو خدا سلامت رکھے، وہ مجھے عزت بھی دیں گے اور دولت بھی بخشیں گے۔ قطع نظر اس سے حضور کا جہاں دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے۔

میں نے تو مسند نشینی کی تہنیت اور تاریخ کا قطعہ مع عرضداشت کے بھیجا۔ حضور نے کیوں میری عرضی کا جواب نہ لکھا اور کیوں مجھ کو نہ بلا بھیجا؟ راج کا قدیم متوسل انگریز کا پسن دار اور

۳۔ بختاور سنگھ رئیس الوری نے دو گڑوں سیر حاصل اور کسی قدر وزیرانہ عہدہ یک خاں کے دونوں بیٹوں (میرزا غالب اور میرزا یوسف) کے لیے مقرر کر دیا۔

زیر غور خط میں میرزا نے ایک گڑوں کا نام ”تالڑا“ لکھا ہے، جو میرزا کو برائے دوام ملا تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دو کے بجائے صرف ایک کا نام کیوں لکھا؟ نیز یہ گڑوں (دو یا ایک) کب اور کسی وجہ سے ضبط ہوئے؟ غالباً کے جچا نصر اللہ یک کے عہد امارت میں الوری کے انعام کی ضرورت نہ رہی، کیونکہ میرزا نصر اللہ یک خاں کو ایک ہزار روپے ماہانہ ذات کے ملتے تھے۔ نیز ضلع متھرا کے دو برگئے سولک اور سو نسا مدن العمر کے لیے مل گئے تھے جن کی آمدنی لاکھ، ڈیڑھ کے قریب تھی۔

(۱) راجا شیو دھیان سنگھ والی الوری پانچ برس تک اختیارات سے محروم رہے۔ ۱۳۔ دسمبر ۱۸۶۳ء کو ان کے اختیارات بحال ہوئے تو انہوں نے انگریز حکام سے ملتے کے لیے کلکتہ کا سفر اختیار کیا تھا۔ اسی سفر سے معاودت کا ذکر میرزا نے کیا ہے۔ ”بہ فتح و نصرت، معاودت کا مطلب یہ ہے کہ جو مقصد اس سفر کا محرک ہوا، اس میں کامیاب و بامراد لوٹیں گے۔“



خیر خواہ بعد غدر کے پسن جاری، گورنمنٹ سے اور حکام دہلی سے ملاقاتیں بستور، خطوط کی آمد و رفت جائیں سے بستور۔ اب یہ فتح و نصرت سفر سے معاودت فرمائی گئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا (۴) اور وہ سب کواخذ نظر سے گزرائوں گا۔ آپ سے خاص اس سہیلی کا امید وار ہوں کہ یہ خط اپنے نام کا یہ احتیاط اپنے پاس رکھنے دیجئے حضور تشریف لائیں تو یہ خط حضور کی نظر سے گزرائے۔ میں تو حضور کے تشریف لانے کی خبر سن کر فوراً الور روانہ ہوں گا۔ ان شاء اللہ العلی العظیم۔

۸۔ شعبان ۱۲۸۰ھ (۱۸۔ جنوری ۱۸۶۳ء) واقع : اسداتہ خاں



## مہاراجہ سردار سنگھ والی بیکانیر

سردار سنگھ (پسر رتن سنگھ ، پسر صورت سنگھ ، پسر گج سنگھ) ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا۔ باپ کی وفات کے بعد ۱۸۵۲ء میں مسند نشین ہوا۔ بیس سال کی حکومت کے بعد ۱۸۷۲ء میں ۱۸۷۲ء کو وفات پائی۔ بعض کے نزدیک فیاض اور بعض کے نزدیک مسرف تھا۔ اپنے کارکنوں کو بے وفا اور خود غرض یا کر انگریزی علاقے سے بھی قابل کارکن ہلائے۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے مشورے کے مطابق ایک انتظامی بنچایت بھی بنائی لیکن، خود اس کی مداخلت کے باعث انتظامی حالت ابتر ہوتی گئی۔ اس کا صرف ایک بیٹا تھا جو کنیر کے بطن سے تھا۔ اس لیے قواعد ریاست کے مطابق مسند نشین نہیں ہو سکتا تھا، لہذا اس کے پردادا گج سنگھ کی اولاد میں سے ڈونگر سنگھ کو مہاراجا بنایا گیا۔

میرزا غالب کے مکتوب سے ظاہر ہے کہ راج کی طرف سے انہیں ایک عرضداشت کا مسودہ اور سکے کا نقشہ بنانے کی فرمائش کی گئی تھی۔ عرضداشت سرکار انگریزی میں بھیجی منظور تھی۔ میرزا نے دونوں فرمائشیں پوری کر دیں اور ان کے ساتھ یہ مکتوب بھیجا۔

بہ حضور و افسر السرور، جناب سری مہاراجا صاحب والا مناقب، عالی شان،  
تقریر فیض و احسان دام اقبالہ و زاد انضالہ، لوازم نیاز و تسلیم از روئے مودت  
و ارادہ بجا مے آرد، مطالب و مقاصد را بہ زبان اردو عوضہ سے دارد۔



یہ گوشہ نشین سرکار فیض انار انگریزی کا بہ عوض جاگیر پنشن دار اور گورنمنٹ کے دیہار میں سات پارچے اور تین راتم خلعت پانے والا اور حضرت قدر قدرت ملکہ معظمہ دوران کا مداح اور بقلم وزراءے شاہنشاہی سازئی فکٹ خوشنودی کا پائے ہوئے ہے۔ دریں ولا منشی کشوری لال صاحب نے کہ وہ میرے دوست اور حضور کے خیر خواہ ہیں، مجھ پر مسودہ عرضداشت اور سکھ حضور کی فرمایش کی۔ میں حضور والا کی خدمت پہنچا لانے کو اپنا فخر و سعادت سمجھتا ہوں اور عرضداشت کا مسودہ اس نیاز نامے میں ملوثوف بھیج کر عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ مسودہ پسند نہ آئے تو یہ کاغذ مجھے واپس مل جائے اور اگر اسی مسودے کے موافق عرضداشت لکھائی منظور ہو تو میرا بھیجا ہوا یہ مسودہ کہ یہ سہر و دستخط میرے ہے، دفتر میں رہے اور حرف بہ حرف مطابق اس کے عرضداشت لکھی جائے۔ میرے لکھے ہوئے قہروں میں اور فقرے دلیل نہ کہے جائیں اور کوئی لفظ بدلا نہ جائے (۱)۔

اسم مبارک کے سچے کے باب میں عرض یہ ہے کہ اگر منہ جلوس اس کو قرار دیجیے کہ ہندوستان میں بادشاہی عملداری ہوئی (۲) تو یہ بات نامناسب ہے۔ کیا وہ اس سے پہلے بادشاہ نہ تھیں؟ اور اگر وہ سال منظور رکھیے جس سال وہ ولایت میں تخت پر بیٹھی ہیں (۳) تو یہ تکلف محض ہے۔ پھر یہ ہے کہ دوسرے لکھے جائیں: ایک از روئے اطاعت ۱۸۵۹ء (۴) اور ایک موافق رواج ملک و ملت ۱۹۱۵ء (۵)۔

(۱) یہ اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ الفاظ کا موقع و محل اور قہروں کا در و پست اصل صورت میں صرف یادداشت مرتب کرنے والے ہی پر واضح تھا۔ کوئی دوسرا شخص اس میں مداخلت کرنا تو عرضداشت کی ہیئت بدل جاتی۔

(۲) یعنی جب ہندوستان براہ راست ملکہ و کٹوریا کی عملداری میں آیا۔

(۳) ۲۰۔ جون ۱۸۳۷ء۔

(۴) جب ہندوستان کے راجاؤں مہاراجاؤں نے ملکہ کی اطاعت کا حلف اٹھایا۔

(۵) بگرمی سنہ جس کا رواج بیکٹیر میں تھا۔



سکہ، مبارک کے تین نقشے ہاجتا ہوں۔ دو مع تصویر اور اس میں  
 سکھ، منقول یعنی ایک شعر جیسا کہ سلاطین مغربی کا ہر ملک میں دستور  
 ہے اور ایک نثر۔ ان نقشوں میں ہے جو نقشہ سری مہاراج کی پسند آئے،  
 وہ حضور کو مبارک ہو۔

اب نیاز مند اس عنایت کا متوقع ہے کہ آئندہ میں راج کا متوسل اور  
 سری مہاراج کا دولت خواہ اور دعا گو گنا جاؤں اور جو کام میرے لائق ہو،  
 بے تکلف اس کے سر انجام کا مجھ کو حکم ہوا کرے۔ زیادہ حد اذہب۔

ہارستان جاہ و جلال بے خزان و بہار دولت و اتہال جاوہان باد۔

نگاشتہ پنجم جنوری ۱۸۵۹ء۔ نیاز نامہ اسد اللہ خان غالب تخلص



## نامعلوم

کون زیست بود بر منت ز بے دردی  
بدست مرگ ولے بدتر از گان تو نیست

مجھے زندہ سمجھتے ہو، جو نثر فارسی کی فرمائش کرتے ہو؟ غنیمت نہیں جانتے کہ مردہ کچھ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ ہنسن اگرچہ ملے گا، لیکن دیکھئے کب ملے گا؟ اس کے ملنے تک کیا ہوگا اور اس کے ملنے سے میرا کیا کام نکلیے گا؟ قطع نظر ان امور سے، اس وجہ قلیل کو کسی ہستی میں بیٹھ کر کھاؤں گا؟ یہ شہر اب شہر نہیں، قہر ہے۔ قصیدے کے اشعار ابھی کیوں بھیجو؟ جب زینب انطباع پا چکے، تب ایک نمبر مجھ کو بھیج دینا۔

میں نے بعد توطیہ و تمہید آغاز مئی - ۱۸۵۷ء سے اپنی سرگزشت لکھی ہے اور بہ حیثیت اقتضائے مقام، و قانع بھی اس میں درج کئے ہیں۔ شیو لزوم مالاہلزم (۱) مرعی رکھا ہے، یعنی فارسی بے آمیزش لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی بھی وہ فارسی قدیم کہ جس کا اب ہاوس کے بلاد میں نشان بھی نہیں، نا بہ ہندوستان چہ رسد؟ چالیس صفحے لکھ چکا ہوں۔ انجام میں انتظار بھی ہے کہ ہنسن کا مقدمہ ملے ہو چکے۔ ملے یا جواب ملے اور میں بہ ہر حال کسی جگہ اقامت گزریں ہو لوں۔ ہاں اس کے وقوع

(۱) اپنے اوپر کوئی ایسی بات لازم کر لینا جو اصل میں لازم نہ ہو۔ فارسی بے آمیزش عربی لکھنی لازم نہ تھی، مگر میرزا نے دستیو میں خالص فارسی لکھنی لازم قرار دے لی۔



تک جو کچھ قابلِ تحریر جوانبِ اجانب سے معلوم ہوگا، وہ ناچار لکھوں گا۔ یہاں کوئی چھاپے خانہ نہیں ہے۔ اگر اجازت دو گئے تو بعد اختتامِ ان اوراق کو تمہارے پاس بھیج دوں گا تا کہ ہزار جلدیں طبع ہو کر قلعہء سند میں پہنچ جائیں۔

مگر صاحبِ دلی روزے بہ رحمت

کند در حقِ ایں مسکینِ دعاے

شیر زمان خان اپنے باپ کی رہائی کی فکر میں میرٹھ گئے ہیں، یہ کسی واسطے کہ غریب یہاں کی حوالات میں سے تحقیقات کے لیے وہاں بھیجا گیا (۱)۔  
یکشنبہ ۱۸۔ جولائی ۱۸۵۸ء غالب نے نوا

---

(۱) یہ خط صدر صاحب میرزا پوری نے ”مرآعِ ادب“ میں رسالہ ”تصویر جذبات“ کے حوالے سے چھاپا تھا اور رسالہ ”مذکورہ کے ایڈیٹر سید احمد عزیز کیفی نے بتایا کہ یہ خط ان کے جدِ امجد کے نام تھا، لیکن جدِ امجد کا نام نہ بتایا۔



## نا معلوم

دیگر از خوشم خبر نبود ، تکلف بر طرف  
 این قدر دایم کہ غالب نام یارے داشتم

عجوب غم سے فراع نہیں ، اگرچہ گوشہ نشین و خاہاں خراب ہوں ،  
 لیکن یہ حسب رابطہ اذلی کثیر الاحباب ہوں۔ اطراف و جوانب سے خطوط  
 آتے ہیں ، ادھر سے بھی ان کے جواب لکھے جاتے ہیں۔ جو اشعار واسطے  
 اصلاح کے آئے ہیں ، بعد اصلاح پہنچ دئے جاتے ہیں۔

ان صاحبوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ نہ میں نے انہیں ،  
 نہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ محبت دلی اور نسبت روحانی سی ، لیکن  
 صاحبان بلاد دور دست کیا جانیں ، میرا حال کیا ہے ؟ ہفتاد و یکہ سالہ ،  
 عمر کی کتاب میں ہے۔ فصل آخر کی حقیقت یہ ہے کہ دس ہندو برس  
 سے ضعف سامعہ و قلت انتہا میں مبتلا ہوا اور یہ دونوں علتیں  
 روز افزوں رہیں۔ حس حافظہ کا بطلان علاوہ۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی ،  
 یہ امراض بڑھتے گئے۔ قصہ مختصر اب سامعہ کا حال یہ ہے کہ ایک نغمہ  
 کاغذ پر دواں قلم سامنے دھرا رہتا ہے ، جو دوست آتے ہیں ، پرسش مزاج کے سوا  
 اور کچھ کہنا ہوتا ہے ، وہ لکھ دیتے ہیں۔ میں ان کی تحریر کا جواب  
 دیتی دیتا ہوں۔

غذا کی حقیقت یہ ہے کہ صبح آٹھ دس پانچ کا شیرہ ، یہ پھر کو



سیر پھر گوشت کا ہائی ، دو گھڑی دن رہے دو یا تین تلے ہوئے کباب (۱)۔  
 نسیان حد سے گزر گیا۔ رعشہ ، دوران سر ، ضعف بصر ، یہ یارائی نو آمدہ ہیں۔  
 میر تقی مرحوم کا مطلع ورد زباں ہے :

منہور ہیں عالم میں ، مگر ہوں بوی کہیں ہم  
 الفصہ نہ درے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

خط ہمس میں ہا کتاب میں رکھ دینا ہوں اور بقول جانا ہوں۔  
 آگے لیتے لیتے خط لکھتا تھا۔ اب رعشہ بول بوی نہیں لکھتے دینا۔

صاحب ”اکمل الاخبار“ اور صاحب ”اشرف الاخبار“ نے ، جو ہمیشہ  
 مجھ سے ملتے جلتے رہتے ہیں ، از روئے مشاہدہ میرے کلام کی تصدیق کر کے  
 اس اعتبار کو اپنے اخبار میں چھاپا ہے۔ کل دیگر صاحبان مطبع اور  
 راہان اخبار اگر اسی عبارت کو اپنے اخبار کے اوراق میں درج کریں گے  
 تو فقیر ان کا احسان مند ہوگا۔

اس نگارش کی شہرت سے مقصود یہ ہے کہ میرے احباب میرے حال  
 سے اطلاع پائیں۔ اگر خط کا جواب یا اصلاحی غزال دیر میں پہنچے  
 تو تقاضا اور اگر نہ پہنچے تو شکایت نہ فرمائیں۔ میں دوستوں کی خدمت  
 گزاری میں کبھی قاصر نہیں رہا ، اور خوشی خوشنودی سے کام کرنا رہا۔  
 جب بالکل ٹکڑا ہو گیا ، نہ حواس باقی رہے ، نہ طالب ، پھر اب کیا  
 کروں ؟ بقول خواجہ وزیر :

میں وفا کرنا ہوں لیکن دل وفا کرنا نہیں

(۱) میر حبیب اللہ ذکا حیدرآبادی کو اس دور کی غذا کے متعلق  
 لکھتے ہیں :

صبح کو قند اور شیرہ بادام منتشر۔ دوپہر کو گوشت کا ہائی۔  
 سر شام تلے ہوئے چار کباب۔ سوئے وقت پانچ روکے پھر شراب  
 اور اسی قدر گلاب۔



اگر کسی صاحب کو میری طرف سے کچھ رنج و ملال ہو تو خالصاً  
معاف فرمائیں۔ اگر جوان ہوتا تو احباب سے دعا ہے صحت کا طلبگار ہوتا۔  
اب جو بوڑھا ہوں تو دعا ہے مغفرت کا خواہاں ہوں (۱)

شالب

---

(۱) یہ خط صدر صاحب سرزا پوری نے رسالہ اردو میں چھپوا دیا تھا ،  
معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کسی کے نام تھا ۔



## نا معلوم

کسی صاحب نے جن کا نام معلوم نہ ہو سکا، دو فارسی شعروں کا مطلب پوچھا تھا، جس کے جواب میں میرزا نے یہ خط لکھا۔

شباہتے است مر آن را کہ بر نیامده است  
وگرتہ موئے یہ باریکی میان تو نیست

سب کمر کو بال باندھتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے استغفر اللہ! بال کو کیا نسبت ہے کمر سے؟ کمر نظر نہیں آتی اور بال نظر آتا ہے۔ ہاں وہ بال جو ایلی نہیں آکا اور نہیں نکلا، اس کو کچھ مشابہت ہے کمر کے ساتھ؛

در صنفہ نبودم ہمہ<sup>۱</sup> آنچه در دل است  
در بزم کمتر است گل و در چمن بسے است<sup>۲</sup> آہ

بہول باغ سے آیا کرتے ہیں۔ باغ میں ہزاروں بہول ہوتے ہیں۔ بہلولوں میں دس دس ہانچ پانچ ہوتے ہوں گے۔ شاعر کہتا ہے میرے مضامین بہلول ہیں اور میرا دل چمن ہے اور صنفہ انجمن ہے۔ مضامین اتنے ہی تھ تھے جو دیوان میں آگئے۔ چمن میں بہلول اور دل میں معنی بہت ہیں (۱)۔

(۱) اصل کے لیے دیکھیے ”غالب کی نادر تحریریں“ مطبوعہ مکتبہ شادروہ دہلی ص ۱۱۱۔



## نا معلوم

میاں ۔

وہ عرضی کا کاغذ اٹھائے کیا ہوا اور عرضی کا مسودہ میں نے جیکل کشور کو  
پرسوں دے دیا تھا، تم نے بھی دیکھا ہوگا اور پتہ ہے کہ وہ اپنے گھر  
میں اس کو لٹکے رہے ہوں گے۔

اگر تمہارے پاس آجائیں تو ان کو کہہ دینا کہ جلدی کریں اور  
فلشہ تحریر کا کاغذ سادہ پر صاف کو اور تم کو دکھلا لیں۔ پھر اس کے  
موانق اور اس کو اٹھائی کاغذ پر لکھیں۔ زیادہ زیادہ (۱)۔

غالب

۱۸۵۳ء



## نا معلوم

بندہ پرور،

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کر دی اور صبح کو آپ کا کہار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا۔ اس عنایت کے شکر میں کیا خدمت بجا لانا۔ ہاؤس ایکہ رہا ہی ہو چکا ہوں، اس کو پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں پہنچوا دیجئے۔

”امید“ یہ تشدید میم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جناب مدفوع اسے زحاف سمجھیں۔ پہلے دوسرے مصرع میں یہ تخفیف میم ہے اور تیسرے مصرع میں میم مشدد ہے (م)۔

خائب

(۱) اس کے مکتوب الیہ کا پتا نہ چل سکا۔ قیاساً یہ دو شخصوں کے نام ہو سکتا ہے، ایک وہی عبدالحق، جس کے نام دو تحریریں پہلے گزر چکی ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ امکان ہے کہ یہ تحریر حکیم غلام نجف خاں کے نام ہو، نقشہ مجھے اور محبیبی دکھلا لینے سے زیادہ توجہ حکیم صاحب ہی کی طرف جاتی ہے۔

(۲) یہ تحریر، خائب کی نادر تحریروں میں دیکھی۔ رباعی کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ اردو میں تھی یا فارسی میں۔ ممکن ہے یہ رقعہ کسی ایسے شخص کو لکھا گیا ہو جس کا تعلق الور سے ہو اور ”راجہ“ سے اشارہ الور کے فرمانروا کی طرف ہو۔



## نا معلوم

یہ سگ دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے۔  
قول الماسور معذور کا پاس کرتا ہے اور حضرت انجم قرطبی (کذا) سے انتہاس  
کرتا ہے کہ میں استغفار کے سزاوار نہ تھا اور اب جو بوجہا کیا توسیع مع  
کہتا ہوں کہ میں فن تاریخ و معما سے بیگناہ ہوں۔

دیوان میں جو تاریخیں درج ہیں، بیشتر مادے اوروں کے اور قطع قہر کے  
ہیں۔ کبھی کوئی مادہ بھی عامیانہ کہہ دیا ہوگا۔

ہاں، حضرت، مبدا فیاض نے گنجینہ معنی سے بہت کچھ حصہ مجھ  
کو دیا۔ میں نے سراسر قصیدہ و غزل و مثنوی و رباعی میں صرف کیا۔  
البتہ یہ زور قوت ابداع مادہ تاریخ میں نیا شیوہ نکالا:

ز سال واقعہ میرزا سینا بیگ مات راست شہار آئمہ ایجاد  
صحیفہ ہائے سہاوی مبین از عشرات حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد (۱)

۱۲۳۸

(۱) قطع کا مطلب یہ ہے کہ سینکڑوں کا شہار آئمہ کرام کے مطابق ہے  
یعنی بارہ، دھون کی گنتی کتب سہاوی کے مطابق ہے یعنی چار (توریت، زبور،  
انجیل، قرآن) اور اکائیوں کا شہار طبقات بہشت کے مطابق یعنی آٹھ۔ لہذا  
۱۲۳۸ ہجری۔ (کلیات نظم فارسی ص ۳۴)۔



از برج سپر جون بہت عنوت از کواکب سیار (۱)

۱۲۷۰

۱۔ یہ دونوں قطعے کلیات فارسی مطلع و مطلع اودہ اخبار لکھنؤ میں چھاپے گئے ہیں اور وہ مجلہ مطبوع بلاد ہند میں پہنچ گئے ہیں۔ اشرف البلاد حیدرآباد میں اگر دو چار ہوں گے تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا جناب منشی حبیب اللہ خان ذکا کے پاس ضرور ہوگا۔ اوس میں مشاہدہ کیا جائے۔

اب یہ اتباع حکم احباب، جس فن کو نہیں جانتا، اوس کے خصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سفینے کے سوا کہیں نہیں دیکھے۔ اب جو دیکھے تو بالہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا، کہ ایک گروہ نامے دراز (۲) کے چار سو اور نامے مدور (۳) کے پانچ عدد گنا ہے، پس نہ جناب وجہ الدین خان بہادر معنی اپنے دعوے میں منفرد اور نہ حضرت سید میر محمد رگی اپنے دعوے میں تنہا ہیں، جو ایک جہت اختیار کروں تو دوسرے جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کثیر اور سب فاضل و تحریر ہیں، کیا جواب دوں، اور ان دلائل کو کن دلائل سے رد کروں (۴)۔ امید ہے کہ حضرات طرفین بموجب مضمون ”لا ینکف اللہ

(۱) یہ شعر تفضل حسین خان کے قطعہ ولات میں سے ہے: یعنی سیکڑے آسمانی

برجوں کے مطابق بارہ ہیں اور دھے سیاروں کے مطابق سات۔ آگے فرماتے ہیں:

گفتم آحاد، گفت شریعت باد از خداوند واحد القہا

یعنی اکائیوں پر نظر ڈالی جائے تو خدائے واحد و قہار کی طرح ”ایک“۔ یوں

۱۲۷۱ء تکل آئے (کلیات نظم فارسی ص ۳۵-۳۶)۔

(۲) لمبی نے (۲)۔

(۳) گول ٹ (۴) جسے بعض ”۵“ کے برابر شمار کرتے ہیں۔ یعنی لمبی کے

عدد چار سو اور گول کے پانچ۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ دونوں راویوں کے اقوال موجود ہیں۔ ان کی تعداد بھی کثیر

ہے اور سب فاضل بھی ہیں۔ ”تحریر“ یہ معنی زیرک و دانشمند۔



تقلاً لا وسماً، اس پر ہفتاد و شش (۱) سالہ ضعف الحواس کو عنو فرمائی ۔

---

(۱) یہ بھی غالب کی نادر تحریروں میں شائع ہوا ۔ اس پر تاویج کوئی نہیں لیکن یہ انتہائے پیری ہی کا معلوم ہوتا ہے ۔ ”ہفتاد و شش سالہ“ تو بداعتہ غلط ہے ، کیونکہ میرزا کی عمر تو تقریباً ۷۰ سال کچھ پہلے ہوئی ۔ یہ بھی ضعف حواس کا ایک عملی ثبوت ہے جو بے ارادہ پیش ہو گیا ۔



## دیباچے اور تقریظیں

”اردوے معلیٰ“ (طبع اول) کے ساتھ کوئی دیباچہ یا تقریظ شامل نہ تھی۔ اس وقت غالباً یہ طے کر لیا گیا تھا کہ تمام نثری تحریریں، جو خطوط و مکاتیب سے الگ نہیں ایک جداگانہ جلد میں شائع کی جائیں اور وہ تمام مکاتیب بھی اسی جلد میں رکھے جائیں، جن میں علمی و ادبی نکات بیان ہوئے تھے، لیکن تکمیل طباعت کتاب سے پیشتر ہی میرزا کی وفات نے یہ منصوبہ ضائع میں ڈال دیا۔

”عود ہندی“ پہلی مرتبہ طبع ہوئی تھی تو اس کے ساتھ صرف چند تقریظیں تھیں، مثلاً تقریظ ”گلزار سرور“، دیباچہ ”حقائق انظار“، تقریظ مشنوی ”شعاع سیر“، دیباچہ ”رسالہ“ تذکیر و تائید“، دیباچہ ”قصائد میرزا کاتب حسین نادر“۔ جب خواجہ حالی مرحوم کے زیر اہتمام ”اردوے معلیٰ“ کا دوسرا حصہ مدون ہوا تو اس میں مزید نثری تحریریں اور رقمے شامل ہوئے اور اس کے بعد جو اردوے معلیٰ دونوں حصوں پر مشتمل شائع ہونا رہا، اسے ”اردوے معلیٰ مکمل“ کہا گیا۔ ان میں بعض ایسی تحریریں بھی شامل کمر لی گئی ہیں، جنہیں میرزا کے خطوط میں شامل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس مجموعے میں مختلف تحریریں جمع ہیں۔



## نا معلوم

یہ سب دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے۔  
قول الماسور معذور کا پاس کرتا ہے اور حضرت انجم فرض (کذا) سے التماس  
کرتا ہے کہ میں استغفا کے سزاوار نہ تھا اور اب جو بوجہا گیا تو سچ سچ  
کہتا ہوں کہ میں فن تاریخ و معاشیہ بیکانہ ہوں۔

دیوان میں جو تاریخیں درج ہیں، بیشتر مادے اوروں کے اور قطع نظر کے  
ہیں۔ کبھی کوئی مادہ بھی عیبمانہ کہہ دیا ہوگا۔

ہاں، حضرت، مبدأ لیاغی نے گنجینہ معنی سے بہت کچھ حصہ مجھ  
کو دیا۔ میں نے سراسر قصیدہ و غزل و مثنوی و رباعی میں صرف کیا۔  
البتہ یہ زور قوت ابداع مادہ تاریخ میں نیا شیوہ نکالا :

ز سال واقعہ میرزا مسینا بیگ      مکت راست شہار ائمہ ایجاد  
صحیفہ ہائے سیاہی مبین از عشرات      حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد (۱)

۱۹۳۸

(۱) قطع کا مطلب یہ ہے کہ سیکڑوں کا شہار ائمہ کرام کے مطابق ہے  
یعنی بارہ، دھوک کی گنتی کتب سیاہی کے مطابق ہے یعنی چار (توریت، زبور،  
انجیل، قرآن) اور اکائیوں کا شہار طبقات بہشت کے مطابق یعنی آٹھ۔ لہذا  
۱۹۳۸ء بنے۔ (کلیات نظم فارسی ص ۳۳)۔



از برج سپر جونی مدت عشرت از کواکب سیار (۱)

۱۶۷۰

۱۔ یہ دونوں قطعے کلیات فارسی منطبع و مطبع اودہ اخبار لکھنؤ میں چھاپے گئے ہیں اور وہ مجلد مطبوع بلاد ہند میں پہنچ گئے ہیں۔ اشرف البلاد حیدرآباد میں اگر دو چار ہوں گے تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا جناب منشی حبیب اللہ خان ذکا کے پاس ضرور ہوگا۔ اس میں مشاہدہ کیا جائے۔

اب یہ اتباع حکم احباب، جس فن کو نہیں جانتا، اس کے خصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سہنے کے سوا کہیں نہیں دیکھے۔ اب جو دیکھے تو بالہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا، کہ ایک گروہ تارے دراز (۲) کے چار سو اور تارے مدور (۳) کے پانچ عدد گنا ہے، پس نہ جناب وجیہ الدین خان چادر معنی اپنے دعوے میں منفرد اور نہ حضرت سید میر محمد زکی اپنے دعوے میں تنہا ہیں، جو ایک جہت اختیار کریں تو دوسرے جہت والوں کو کہ وہ بھی انخاص کثیر اور سب لاضل و تحریر ہیں، کیا جواب دوں، اور ان دلائل کو کن دلائل سے رد کریں (۴)۔ امید ہے کہ حضرات طرفین بموجب مفہوم "لا یكلف الله

(۱) یہ شعر تفضل حسین خان کے قلمہ وفات میں ہے: یعنی سیکڑے آسمانی برجوں کے مطابق بارہ ہیں اور دھے سیاروں کے مطابق سات۔ آگے فرماتے ہیں:

گفتم احاد، گفت شریعت باد از خداوند واحد القہا

یعنی اکائیوں پر نظر ڈالی جائے تو خدائے واحد و شہار کی طرح "ایکہ"۔ یوں ۱۶۷۱ء نکل آئے (کلیات نظم فارسی ص ۳۵-۳۶)۔

(۲) لمبی نے (ت)۔

(۳) گول ت (۵) جسے بعض "۵" کے برابر شمار کرتے ہیں۔ یعنی لمبی کے عدد چار سو اور گول کے پانچ۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ دونوں دلوں کے افراد موجود ہیں۔ ان کی تعداد یقیناً کثیر ہے اور سب لاضل بھی ہیں۔ "تحریر" بہ معنی زاہک و دانشمند۔



تفسیراً لا وسیعاً، اس پر ہفتاد و شش (۱) سالہ ضعیف الحواس کو عقوبت مائیں ۔

---

(۱) یہ بھی غالب کی نادر تھریروں میں شائع ہوا ۔ اس پر تاریخ کوئی نہیں لیکن یہ انتہائے پیری ہی کا معلوم ہوتا ہے ۔ ”ہفتاد و شش سالہ“ تو بداعتہ غلط ہے ، کیونکہ میرزا کی عمر تھوڑے سے حال کچھ مہینے ہوئی ۔ یہ بھی ضعیف حواس کا ایک عمل ثبوت ہے جو کم ارادہ پیش ہو گیا ۔



## دیباچے اور تقریظیں

”اردوئے معلیٰ“، (طبع اولیٰ) کے ساتھ کوئی دیباچہ یا تقریظ شامل نہ تھی۔ اس وقت غالباً یہ طے کر لیا گیا تھا کہ تمام نثری تحریریں، جو خطوط و مکاتیب سے الگ تھیں ایک جداگانہ جلد میں شائع کی جائیں اور وہ تمام مکاتیب بھی اسی جلد میں رکھی جائیں، جن میں علمی و ادبی نکات بیان ہوئے تھے، لیکن تکمیل طباعت کتاب سے پیشتر ہی میرزا کی وفات نے یہ منصوبہ ختمی میں ڈال دیا۔

”عود ہندی“، پہلی مرتبہ طبع ہوئی تھی تو اس کے ساتھ صرف چند تقریظیں تھیں، مثلاً تقریظ ”گزار سرور“، دیباچہ ”حداثی الطوار“، تقریظ مثنوی ”شعاع سہرہ“، دیباچہ ”رسالہ“ تذکیر و تائبہ“، دیباچہ ”قصائد میرزا کاتب حسین نادر“۔ جب خواجہ حالی مرحوم کے زیرِ اہتمام ”اردوئے معلیٰ“ کا دوسرا حصہ منون ہوا تو اس میں مزید نثری تحریریں اور رقعے شامل ہوئے اور اس کے بعد جو اردوئے معلیٰ دونوں حصوں پر مستقل شائع ہونا رہا، اسے ”اردوئے معلیٰ مکمل“ کہا گیا۔ ان میں بھی ایسی تحریریں بھی شامل کر لی گئیں ہیں، جنہیں میرزا کے خطوط میں شامل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس مجموعے میں مختلف تحریریں جمع ہیں۔



## دیباچہ سراج المعرفت

(۱)

سبحان اللہ آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعویٰ ! حمد و شکر کی گزراش کا سرمایہ دو فوتیں ہیں : فکر اور فطرت اور یہ دونوں فوتیں موہبتی (۱) ہیں۔ بخش ہوئی دستگاہ پر خود بکائی اور پھر اسی جھٹسنے والے کے آگے ! کیسی تنگ طرفی ہے اور کیسی ہرزہ درائی۔ اس صورت میں اذالے حق حمد کے نو کیا معنی مگر ہاں حمد کرنے والا ہندو توفیق حمد شایستہ آفرین ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ توفیق نتیجہ کشت و کار ہے، البتہ عطیہ پروردگار ہے۔ قدوت حمد اس نے پیدا کی، توفیق حمد اس نے عطا کی۔ جبکہ آدمی حمد کا عازم ہو تو سیاسی عطیہ توفیق کیوں نہ لازم ہو؟ ہاں اے حق شناس اگر عید کو شعور ہے، عطیہ توفیق شکر پر ایک اور شکر ضرور ہے۔

مگر کسے شکر حق فزون گوید

شکر توفیق شکر چون گوید

حق یوں ہے کہ حقیقت از روئے مثال ایک نامہ در ہم پچریدہ سر بستہ ہے کہ جس کے عنوان پر لکھا ہے لا مؤثر فی الوجود الا اللہ اور خط میں مندرج ہے لا موجود الا اللہ اور اس خط کا لانے والا اور اس راز کا جاننے والا وہ نامہ آور نام آور ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی۔

ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی خاصہ (۱) کی صورت یہ ہے کہ مراتب

(۱) گہرے معنی۔



توحید چار ہیں : آکاری و العالی و صفاتی و ذاتی ۔ البتہ پیشین صلوات اللہ علیہ نبینا و علیہم ، اعلان مدارج توحید سے گانہ (۱) پر مامور تھے ۔ حاکم الانبیا کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری الہا دیں اور حقیقت نیرنگی ذات کو صورت الٰہی کسما کان میں دکھایا دیں ۔ اب گنجینہ معرفت خواص امت ہمدنیہ کا سینہ ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے ۔ زبہ خامی عامہ مومنین کی کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود ، جو اصل مقصود ہے ، وہ ان کی نظر میں نہیں (۲) جب لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہیں گے ، اس سے اسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قسم کھ بر آ رہیں گے ۔ یعنی ہمارے اس کلمہ سے وہ مراد ہے ، جو خاتم الرسل کا مقصود تھا ۔ یہی حقیقت ہے شفاعت ہمدنی کی اور یہی معنی ہیں رحمۃ اللعالمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح فزائے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة ۔

قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے ، لیکن وحدت حقیقی کا راز دان ہے ۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی سو باو کہے اور سو بار سنے ۔ نبی کی حقیقت توحیدیت (۳) ہے ؛ ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق ، جس کو فیض پہنچاتا ہے :

نبی را دو وجہ است دلجوئے خلق      یکے سوئے خالق ، یکے سوئے خلق  
بدان وجہ از حق بود مستغنی      بدین وجہ بر خلق باشد مفیض (۴)

یہ جو صوفیہ کا قول ہے الولایۃ افضل من النبوة معنی اس کے صاف از روئے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے ، افضل ہے

(۱) آکاری ، العالی اور صفاتی ۔

(۲) یہ میرزا غالب کے معتقدات تھے ، جن کا ذکر خطوط میں کئی جگہ آپکا ہے ۔

(۳) یعنی اس کی دو جہتیں اور سمتیں ہیں ۔

(۴) نبی و رسول کو خالق سے فیض حاصل ہوتا ہے اور وہ خلق کو فیض پہنچاتا ہے ۔ یعنی جو کچھ خالق سے حاصل کرتا ہے اسے خلق کے سامنے آشکارا کر دیتا ہے ۔



نبوت سے کہ وہ وجد الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص ہے۔ جس طرح نبی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے، اسی طرح ولی مستفیض ہے اتوار نبوت سے۔ مستفیض کی تفضیل منبر پر ہے اور مستفیض کی ترجیح مفیض پر ہر گز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں۔

اب وہ ولایت کہ خاصہ نبی تھی، نبوت کے ساتھ مطاع ہو گئی، مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہے مشکوٰۃ نبوت سے هنوز باقی ہے۔ نقل و تحویل ہوئی چلی آتی ہے اور چراغ سے، چراغ جلنا چلا جانا ہے اور یہ سراج ایزدی ظہور صبح قیامت تک روشن رہے گا۔ اور اب اسی کا نام ولایت ہے اور یہی مسعمل طریق ہدایت ہے۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جو از روئے کلمہ لا الہ الا اللہ مشہود عیون (۱) اعیان (۲) است اور منظور نظر اکابر ملت ہوئی ہے، مگر وہ بات اب کہاں کہ ایک بار لا الہ الا اللہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جائے؟ اور وہ ضامن زبردست کہاں کہ فائل لا الہ الا اللہ کو، اگرچہ اس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو، قدم گد نوحد پر قائم کر دے؟ یعنی رسول مقبول واجب العظمیٰ، فائل الزامد بلا سم علیہ التحیت والتسلیم۔ اب سعادت بقدر ارادت ہے اور راحت بعد جراحت۔ صبح بھی تو ہے، آدمی کیوں کر سمجھ سکے اور بالائن بدیہیات کے جواز پر اس کو کیوں کر تسلی ہو۔ یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں، نیست و نابود محض جان لے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے :

اے کردہ بآرایش گفتار بسیج وز زلف سخن کشودہ راہ خم و بیج  
عالم کہ تو چیز دیگرش سے ذاتی ذاتیت بسیط منبسط، دہکر بیج

جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اہل اے روحانی ہیں، دیکھا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور یہ سب امتیلائے وہم مشاہدۂ وحدت ذات سے محروم رہے

(۱) عین کی جمع، آنکھیں۔

(۲) اعیان یہ معنی اکابر۔



جائے ہیں۔ ہر چند ان کو سمجھائیں گے، راہ پر نہ آئیں گے۔ ناچار اشغال و اذکار وضع کیے تاکہ قوت متغیہ اس میں الجھتی رہے اور رفتہ رفتہ بخود ہی طاری ہو جائے۔ وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو اور ہم اس کو بہ جبر یا بہ تکلف ثابت کیا جاتے ہوں :

دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

وہم صورت گری اور پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے۔ بس جب وہ وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہو گیا، بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری و پیکر تراشی سے معزول ہو گیا۔ بے خبری و بخود ہی چھا گئی اور وہ کیفیت جو موحدين کو بہ مجرد فہم حاصل ہوتی ہے، اس شغل کے نفس کو بخود ہی میں آ گئی۔ ایک دریا میں جان کر کودا، ایک کو کسی نے لحال کر کے دھکیل دیا، انجام دونوں کا ایک ہے۔ وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں، یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں، مگر ہاں کم ہیں اور مخفی ہیں اور کہیں کہیں ہیں اور ایسے نفوس کو کہ جو کسب حالت بخود ہی کے واسطے محتاج اشغال و اذکار ہیں، بہت بلکہ بے شمار ہیں۔

حق سبحانہ ہمیشہ صلاحیت رکھتے حضرت شاہنشاہی، حق شناس حق آگاہ سراج الملتہ والدمین ابو ظفر بہادر شاہ کو جو لباس بادشاہی میں یاد الہی کر رہے ہیں :

شاہی و درویشی میں جا پا ہم است

بادشاہ عہد قلاب عالم است

حکم دیا حضرت پیر و مرشد برحق نے جناب افادت ملب، معرفت نصاب، مجمع البحرين شرح و عرفان، ترانہ السعدین غل و ایمان، ابو حنیفہ ثانی، سراج العلماء، ضیاء الفقہاء، مولانا سید رحمت علی خان بہادر کو اور فرمایا ان سے کہ وہ اشغال و اذکار جو انتہائے قوس نزولی نبوت و ابتدائے قوس عروجی ولایت یعنی عہد جناب رسالت علیہ السلام سے ہم سینہ بسینہ و ہم (۱) سورتہ بسفینہ چلے آئے

(۱) نہ ہم یہ معنی لیتے ہیں۔



ہیں ، ان کو ایک رسالے میں درج کریں اور اس رسالے کی تحریر میں وہ عبارت اردو کہ غالب اور نے نکلف ہو، خرچ (۱) کریں۔ کیوں نہ ارباب فہم اس واز داری پر قربان ہو جائیں کہ مجموعہ اشغال و اذکار زبان حقیقت ترجمان سے فرمائے ہیں اور حکم دیا ہے کہ ان کو وارستہ بہ سلاسل فقرا و منقر من رسائل العرفا تحریر کریں۔

غضا را بہ ترک کچ مج زبان ، امدادہ خاں مہجدان کہ جس کا فن سخن میں غالب نام اور وہ خود مغلوب ہوس گئے خام ہے ، اس رسالے کے مشاہدے سے مستفیض ہوا۔ جی میں آیا کہ اس کتاب مستطاب پر ایک دیباچہ لکھیے اور پھر میں برگ و ساز کروں اور عزم سفر حجاز کروں۔ زمزم کے پانی سے وضو کروں اور اس کائنات میں ملائکہ آشیانہ کے گرد بہروں اور حجر اسود کو چوموں اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ جاؤں اور خاک تربت اطہر کا سرمہ آنکھوں میں لگاؤں۔ بادشاہ سے کیا عجب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دے کر مجھ کو خانہ خدا کے طواف کی وقعت دیں کہ یہ گنہگار وہاں جاوے اور اگر زیست ہے تو وہاں جا کر اور اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک کے سب کچھ ہے ، بخشوا کر پھر آوے :

غالب ہوائے کعبہ بہ سر جا گرفتہ است  
رست آنکہ عزم خلیع و توشاد کرد می (۲)

- 
- (۱) پورے باب کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں میرزا نے "خرچ" نہیں بلکہ "خرچ" لکھا ہو گا (یعنی ج سے نہیں ج ہے) اور اسے "درج" کا قافیہ بنایا ہو گا۔  
(۲) ستاون برس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۶۹ھ یا ۱۲۷۰ھ کی تحریر ہے (۱۸۵۳ء یا ۱۸۵۴ء)۔ ایک مرتبہ خود بہادر شاہ مرحوم نے حج و زیارت کا قصد کیا تھا۔ اس وقت مرزا نے کہا:

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے جائیں  
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

اب یہ کہہ رہے ہیں کہ دو برس کی تنخواہ بیشکی مل جائے تو چلے جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میرزا کو حج و زیارت کی بڑی آرزو تھی لیکن یہ پوری نہ ہو سکی۔



## تقریظ بر کتاب بہادر شاہ ثانی

(۲)

اللہ ! نطق کو آفرید کار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے کہ  
 اسودیشی میں سے کسی ام کا شہود اور مصالح دنیوی میں سے کسی  
 مصلحت کا وجود بلکہ اگر یہ مثل اسم اعظم فرض کیجئے تو اس کی  
 یہی بود جب تک اس لعلینہ "غیبی" کا رسول نہ ہو، عالم امکان میں ممکن  
 نہیں :

سخن را ازان دوست دارم کہ دوست  
 بہ تصدیق از ما طلب کار اوست

مسائل حکیمانہ کی ہستی، نرہات ندریاتہ کی مہستی، درد و دومان کے مدارج کا  
 الظہار، افسانہ و افسوں کے مقامات کا مدار، شکوہ شکایت کا عنوان، تفریق و اقرب  
 کا بیان، رد و قبول کی حکایت، فتح و شکست کی روایت، صرف و نحو  
 کی وارداتی، لفظ اور معنی کی گفتگو، جو کچھ انگوٹوں نے کہا ہے،  
 جو کچھ لب کوئی کہہ رہا ہے، جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت  
 تک کہتے رہیں گے، جو کچھ نیک و بد نو و کہن سے ہے، سب وابستہ  
 نطق سخن سے ہے۔

اب سمجھیے کہ سخن از روئے مثال کیا ہے؟ چشمہ ہے، ندی ہے،  
 سہل ہے، دریا ہے؟ کسی روٹی اور کسی زور کا پانی۔ اس کا چڑھاؤ،  
 اس کی رفتار، اس پر کسی کا زور اور کسی کا اختیار۔ جدھر منہ کیا ادھر ایک



تالہ ہوا ، دریا کی لہر کیا گھوڑے کی پاک ہے کہ کسی کے ہاتھ ہو؟  
 بارہا دیکھا ہے کہ آغاز کلام جس کی ہندی میں اٹھان اور فارسی میں  
 انگڑی اور عربی میں باعث کہے کچھ اور ہے ۔ پور وسط میں صورت بدل کر  
 وہ کچھ اور ہو گیا کہ انجام سے قطع نظر فی الحال نہیں سمجھا جاتا کہ یہ  
 کیا طور ہے ۔

یہ کتاب کہ مجموعہ دانش و آگہی ہے اگرچہ اس کو مبینہ کہہ  
 سکتے ہیں ، لیکن از روئے حقیقت ایک نہر ہے کہ پیر سخن سے گذر کو  
 ہی ہے ۔ جب اس نگارش نے انجام پایا تو مجھ کو پیشگاہ سلطنت اہمدت  
 سے حکم آیا کہ بندہ درگاہ امدادہ اس کی ترقی لکھنے میں اللہ ہار حسن  
 اطاعت کرے اور سخن طرازی میں آرائش زبان اردو پر قناعت کرے ۔ جیسا  
 کہ حکم ہوا لانا ضرور ، ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ منشا اس  
 رسالہ کی نگارش کا کیا ہے ۔

ان اوراق کے ناظرین پر غامی و مستور نہ رہے کہ سن اٹھارہ چلوں (۱)  
 مہمب مانوس میں ، نہ شہر سے بلکہ خارج سے ، یہ آواز بلند ہوا کہ حضرت  
 قدر قدرت ، فلک رفعت ، ثریا یازگہ ، انجم سپاہ ، بادشاہ ابن بادشاہ ، خلیفہ  
 روئے زمین ، ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ ، بادشاہ غازی نے ترک مذہب  
 آہستہ نامدار کیا اور تشیع کو تسنن پر اختیار کیا ۔ ہار یانکن بزم قرب  
 و راز دانان خلوت اتنی حیران اور حیرت ان کی ہوا ۔ اگر بادشاہ نے کبھی یہ بات  
 کہی ہوتی تو پہلے ان کو آگہی ہوتی ۔ اسرار سلطنت کی خبر اور پھر اس

(۱) بہادر شاہ سنہ ۱۸۵۷ء میں تخت نشین ہوئے ۔ ان کے متعلق شیع کی  
 انواء ۱۸۵۷ء کی علالت کے بعد پہلی ۔ کیونکہ مرزا حیدر سکھو نے بادشاہ کی  
 صحت کے لیے جو سنت مانی تھی ، وہ لکھنؤ جا کر ادا کی تو اس کے بعد  
 راجہ رفیع مسہور ہو گیا کہ بہادر شاہ شیعہ ہو گئے ہیں ۔ بادشاہ نے اس  
 کی تردید کی اسی سلسلے میں ایک مشہور لکھی گئی ۔ پھر یہ کتاب مرتب  
 ہوئی ۔ اٹھارویں چلوں سے مراد ۱۸۵۷ء یا ۱۸۵۵ء ہو سکتے ہیں ۔



میں عام کو قدم خاص (۱) ا نہ بوجھنے کا پارا ، نہ چپ رہنا گوارا۔  
 علایے ناسدار و مشائخ کبار و قہقارے دیار نے جرات کر کے عرضداشت  
 لکھی ۔ مضمون یہ کہ ایسا سنا جاتا ہے اور پاور نہیں آتا ہے ۔ امیدوار  
 ہیں کہ خداوند تاج و حریر کے مافی الضمیر پر آگئی ہاویں ۔ حضور نے  
 تحاشی کی اور فرمایا کہ کبھی ایسا داعید ہمارے ضمیر میں اور کبھی  
 ایسا کلمہ ہماری زبان پر نہیں گزرا۔ بعد چند روز کے ایک دن حسب الحکم  
 قضا نواہ :

بزم سلطانی ہوئی آراستہ  
 کعبہ امن و ایمان کا در کھلا

شہنشاہ ، گیتی پناہ ، مسند جم نشین ، اہل دل ہم نشین ، امرا ، فستہ دستہ  
 دست بستہ ، صفحہ نگار بھی مانند خار سر دیوار باغ و پوقانہ ، ہائے چراغ اس جہن  
 میں نشاط اندوز اور اس انہیں میں ادب آئینہ زبان مبارک گہر افشاں ہوئی ،  
 حلیت مذہب اہل سنت و جماعت بیان ہوئی ۔ سو مان علیا اس مجمع عظیم  
 میں یہ پیرایہ حسن ظن جلوہ گر ہوا ۔ خاص و عام کو اعلیٰ حضرت کا ثبات  
 قدم مسلک تسبیح پر پاور ہوا ۔ مضامین ارشاد کیے ہوئے اعلیٰ حضرت  
 کے بموجب ارشاد ، قاتب میں ڈھلے ۔ ناکہ جانب اجانب سے اس نظام کے  
 جواب میں کچھ وار چلے ۔ یہ گہکارے گناہ بھی یہ دم مدوح ہوا اور  
 خنجر زبان کے زخم سے مبروح ہوا (۲) ۔ الغرض جب وہ تحریر یہاں دیکھی

(۱) جو امر خواص پر چلے آٹھکرا ہوتا چاہیے تھا ، وہ نوے خیر تھے ۔  
 عوام یا خیر قرار دے گئے حالانکہ انہیں خواص ہی سے صحیح خیر مل  
 سکتی تھی ۔

(۲) مطلب یہ کہ اس پر رد و خلاف کا سلسلہ شروع ہوا ، جس میں  
 میرزا کی بھی مشیت کی گئی اور ان پر خنجر زبان سے زخم لگائے گئے ۔ اس کی  
 وجہ یہ ہوئی کہ اس بحث میں جو مشنوی بافتہ کے تسنی کی توفیق اور  
 تشیع سے برأت میں لکھی گئی تھی ، وہ حسب الحکم میرزا نے لکھی تھی ۔



دہائی گئی تو اس میں خفا کی توہین پائی گئی۔ ناچار یہ رس نہ جیسا  
 کہ حضرت مولا نے دیہاجے میں لکھا ہے ، لکھا گیا اور مجھ کو غریب نگاری  
 کے واسطے ، جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے ، کہا گیا۔ میں اگر  
 اس گزارش میں یہ سب نہ کہہ جاتا تو وضع تحریر کا موضوع نہ بچھوٹ  
 رہ جاتا۔ بحث و نزاع کا رسم و آئین اور ہے ، شیوہ سخن دانان معنی آفریں  
 اور ہے۔ نہ سنیہ ہوں کہ ہجر میں۔ جن سرائی کروں ، نہ فقیہ ہوں کہ بحث میں  
 زور آزمائی کروں۔ غریب الوطن سیاہی زادہ ہوں ، الملک زیدہ خاندان بیاد دانہ  
 ہوں۔ تاب آفتاب حوادث سے ظل اللہ کے سایہ دیوار کی پناہ میں بیٹھا  
 ہوں ، گویا ایک لہکا ہوا مسافر ہوں کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم  
 لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں۔ احسان ہے مجھ پر خدا کا کہ میں سوائے اپنے  
 خدا کے کہ وہ غیب دان اور اپنے بندوں پر مہربان ہے ، یہ نہیں کہ کسی  
 اور کا گتہ کار ہوں۔ جو مجھ کو اپنا ہم کینی سمجھیں ، ان سے دعا ہے  
 مغفرت کا موقع اور جو مجھ کو اپنا مخالف مددگار کریں ان سے دعا ہے تخفیف  
 عذاب کا امیدوار ہوں۔ جسبی اللہ نعم الوکیل ، نعم المولیٰ و نعم النصیر۔



## دیباچہ ”حدایق انظار“

(۳)

”حدایق انظار“، ہوسنان خیال کی جلدوں کا ترجمہ ہے جو  
خواجہ بدرالدین امان نے کیا تھا۔ (۱۸۱۷ء-۱۸۷۹ء)۔

سبحان اللہ، شاہد زیبائے سخن کا حسن بے مثال، مشاہدہ اس کا نور افزائے  
نگاہ، تصور اس کا انجمن افروز خیال۔ از روئے لفظ اہل معنی کی  
نظر میں آئینہ عارض خیال، من حیث المعنی بصورت صنعت قلب ”کلام“ کا  
مقابلہ معنی ”کمال“۔ اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا  
ہوتا تو ہم اس صورت میں کیوں کر کہیں کہ کیا ہوتا؟ اس بحث  
دلفریب کی نظارگی سے بے باادہ مست ہو جائے اور یہ پیکر ہوش رہا  
دیکھ کر اہل معنی ہلکے قلم صورت پرست ہو جائے۔ نظم میں اور ہی  
روپ، نثر میں اور ہی ڈھنگ۔ فارسی میں اور ہی زمزمہ، اردو میں اور ہی  
آہنگ۔ سیر و توارخ میں وہ کچھ دیکھو جو ہم سے سینکڑوں برس پہلے واقع ہوا۔  
السانہ و دلبستان میں وہ کچھ سنو کہ کہیں کسی نے نہ دیکھا، نہ سنا۔  
ہرچند خرد مند پندار مغز توارخ کی طرف مائل ہوں گے، لیکن قصہ کہانی  
کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل سے قائل ہوں گے۔ کیا توارخ  
میں مستحال الوقوع (۱) حکایات ہیں؟ نا انصافی کرتے ہو، یہ کچھ بات نہیں

سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر بٹکولائے، سمرق اس کو اڑے گھوڑے میں

(۱) ایسے واقعات جو بظاہر بیش آئے ممکن معلوم نہ ہوں۔



اٹھا لائے۔ پرورش کر کے پہلوان بنائے۔ آداب حرب و ضرب سکھائے۔ پھر جب رستم سفندیار کی لڑائی سے گھبرائے، زال اس اسم سے مسیحی کو بلانے۔ مسیحی گردان کبوتر کی طرح مدئی کی آواز ستے ہی چلا آئے اور اپنی بیٹ کی لب سے ہا اور کسی دوا سے رستم کے زخم اچھے کر کے، ایک ٹبر دو شاخہ دے کر تشریف لے جائے۔ رستم دس برس کی عمر میں دست ہاتھی کو ہلاک کرے، جب چشم بد دور، جوان ہو، دیو مفقود کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعویٰ خدائی منسوخ ہے، شداد اور محمود کا بھی توارخ میں ایسا ہی مذکور ہے (۱)۔

اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزہ دیو کش رستم جیسا قرار دیں اور ایک زمرہ شاہ گمراہ دعویٰ خدائی کرنے والا مثل محمود گھر ڈالیں، گو ایک ڈھکوسلا بنایا ہے، انہیں روایات کا جریہ اٹھایا ہے، مگر اچھا اٹھایا ہے۔ موعظت و بند نہیں، ترہات لہرائے ہے۔ سر و اخبار نہیں، جھوٹا افسانہ ہے۔ داستان طرازی متحملہ تھوٹ سکتی ہے، سچ یہ ہے کہ ذلی پہلانے کے اسے اچھا فن ہے۔ عمرو کی عیاریاں دیکھو، حمزہ کی میدان داریاں دیکھو۔ جامع ان حکایات کا کوئی مستور ایران ہے، مگر وہ میر تقی، محمد شاہی جو لہجہ موہن الدولہ اسحاق خان کا ہے گویا باغ ارم کو ہندوستان میں اٹوا لایا۔ اس نے ہستنا خیال میں کچھ اور ہی ممالا دکھلایا۔

ان قصص میں سے ایک جلد ہے معز نامہ۔ واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم اور حسن و عشق کی گرمی ہنگامہ۔ معز الدین کی طلسم کشائیاں اگر سنیں تو امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبزادی کو ڈھونڈنے پارس اور کہیں بتا نہ پائی۔ انوالحسن کی عیاریوں کے جوہر اگر دیکھیں تو خواجہ عمرو کو یہ حیرت ہو کہ زیرہ سی آنکھوں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔

(۱) جو واقعات میرزا نے بطور مثال "تاریخی"، بتائے ہیں، وہ بھی تو بیشتر محض افسانے ہی ہیں۔



دریں ولا میرا برادر زادہ، سعادت توامان خواجہ ہدوالدین خان عرف خواجہ امان کہ وہ ایک جوان شیریں بیان نیز ہوش ہے اور ہر فن کے کمال کی تحصیل میں سختی کوشش و سخت کوشش ہے۔ ستار کا جو خیال آیا، ایسا بچایا کہ میان تان سین کو انگلیوں پر اٹھایا۔ مصوری کی طرف جو طبیعت آئی، وہ تصویر کھینچی کہ اس کو دیکھ کر مائی و پیرا کو حیرت ہوئی۔ اس اقبال آثار کا یہ ارادہ ہوا، معز نامہ کی فارسی نثر کے اردو کرنے پر آمادہ ہوا۔ معزالدین فیروز بخت کی کشور کشائیاں، ابوالحسن جوہر کی لیرنگ بمائمان عجائبات حکیم لطاس کی حیرت افزائیاں، ملکہؔ نو بہار کی رنگین ادائیاں، جمشید خرد پرست کی زور آزمائیاں، خار منکوس معوس کی غم جہانیاں، مسلمین و کفار کی لڑائیاں، مسلمانوں کی بھلائیاں، کافروں کی برائیاں، فارسی سے اردو میں لے آیا۔ یوں تصور کرو کہ قلمرو اردو میں ایک قصر دلکش یا ایک خانہ بالغ روح افزا سر تا سر بنایا۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے، گویا تقریر کو ہر ایدہؔ تحریر دیا ہے۔

بعد اختتام نگارش غالب فلک زدہ سے دیباچہ لکھنے کی آرزو کی۔ میں نے ہر چند عجز آمیز و معذرت انگیز گفتگو کی، پندارگر نے ایک بات نہ سنی، ایک عشر نہ مانا۔ بھلا اس اصرار کا کیا علاج، اس خدا کا کیا ٹھکانا؟ بھتیجا اور بیارا بھتیجا، ناچار بجز خامہ فرسائی کے کچھ نہ بن آئی۔ اس دیباچے کے انجام کا بجز اس کے اور کوئی رنگ نظر نہ آیا کہ عالم ارواح کو سیدھا چلا گیا اور حضرت نظامی سے ایک شعر مانگ لایا۔ اسی شعر شعریٰ شعار (۱) کو خامہ میں لکھے دیتا ہوں، بہت تنگ آ گیا ہوں اب دم لیتا ہوں۔ :

شکر کہ ایں نامہ بعنوان رسید  
بیشتر از عمر بہا ہاں رسید  
و من الله التوفیق و هو خیر الموفق

(۱) ”شعریٰ“، ایک ستارہ جسے بہت بلند اور روشن مانا جاتا ہے، یعنی ستارہ شعریٰ کی طرح بلند و روشن شعر۔



## تقریظ بر گلزار سرور

(م)

سبحان اللہ ! خدا کی کیا نظر فروز صنعتیں ہیں ، تعالیٰ اللہ کیا حیرت آور تعززیں ہیں ۔ یہ جو ”حدائق العشاق“ (۱) کا فارسی زبان سے عبارت اردو میں نگارشی پانا ہے ، ارم کا یوں دنیا سے الٹ کر بھارتان قدس کا باغ بن جانا ہے ۔ وہاں حضرت رضوان ارم کے نعل بند و آبشار ہوئے ، یہاں مرزا وجیب علی بیگ سرور ”حدائق العشاق“ کے صحیفہ نگار ہوئے ۔ اس مقام پر یہ ہیج میرز جو موسوم بہ اسد اللہ خان اور مخدوم بہ نجم الدولہ اور متخاص بہ طالب ہے ، خدائے جہاں آفریں سے توفیق کا اور خالق سے انصاف کا طالب ہے ۔

ہاں ، اے صاحبان لبہم و ادراک ! سرور سحر بیان کا اردو کی شکر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہد کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے :

رزم کی داستان گھر سننے ہے زبان ، ایک تیغ جوہر دار  
 رزم کا التزام گھر کیچے ہے قلم ایک ابر گوہر بار

مجھ کو دعویٰ تھا کہ انداز بیان اور شوخی تقریر میں ”فسانہ عجائب“ (۲)

(۱) فارسی میں مکاتیب عشق و محبت کی ایک کتاب ، جس کا ترجمہ سرور نے ”گلزار سرور“ کے نام سے کیا تھا ۔

(۲) یہ خود سرور کی نہایت معروف کتاب ہے ۔



سے ظہور ہے۔ جس نے میرے دعوے کو اور "فسانہ" عجائب، کی ہکٹائی کو  
 مٹا دیا۔ یہ وہ تحریر ہے۔ کہا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا آئی ہے،  
 یہ سو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لائق ہے۔ مانی نقاش کے معنی  
 تصویریں بنا کر پیمبری کا دعوہ کرے، کیا عقل کی کمی ہے۔ یہ ہندو  
 خدا معنی کی تصویر کو بیچ کر دعوے خدائی نہ کرے، کسی حوصلے کا  
 آدمی ہے۔ سچ تو ہوں ہے کہ جناب مہاراجہ صاحب والا صاحب عالی  
 شان انبیری برہاد نرائن سنگھ جہاد (۱) جس باغ کی آراش کے کارفرما ہوں  
 اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں، وہ باغ کیسا  
 ہوگا؟ پھست نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ کوئی نہ کہے کہ یہ درویش  
 گوشتہ نذیر فضول و سبک سر کیوں ہے؟ سے دیکھئے بھالے حضور کا ثنا گستر  
 کیوں ہے؟ صاحبو! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے کہ اس کی سخاوت  
 کی ثنا کرتے ہیں؟ رستم سے کہاں شکست کھاٹی ہے کہ ہم اس کی  
 شجاعت کا ذکر کرتے ہیں؟ مہمڈا جناب مہاراجہ صاحب جلیل المقاب  
 عہد الاحسان ہابو برہاد نرائن کا مورد عنایت رہا ہوں۔ جن  
 دلوں میں وہ دلی شریف لائے ہیں، اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں۔  
 جب تا شناسائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو، تو ان کا نیازمند کیوں ان کا ثنا خوان  
 نہ ہو؟ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے ثنا خوانی کا، میں تو عاشق ہوں  
 ان کی شاعر پروری و سخن دانی کا۔ حضور نے لہردانی کی، سرور نے گوہر افشانی  
 کی۔ حضور کا اقبال، سرور کا کمال، حضور کی عالی ہمتی، سرور کی خوش  
 قسمتی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ نقش صفحہ روزگار پر یادگار رہے گا۔ مصنف کا  
 شہرہ رنگین بیانی میں، مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسائی میں تا روزگار  
 رہے گا۔ فقط

---

(۱) مہاراجا بنارس چمن کے پاس سرور ملازم رہے۔ مرزا وجہ علی بیگ سرور کے  
 حالات اختصاراً پہلے لکھے جا چکے ہیں۔ سرور وسط ۱۸۵۹ء میں بنارس پہنچے  
 اور ۱۸۶۶ء تک وہاں رہے۔ یہ تقریباً ہر حال اسی زمانے کی ہے۔



## دیباچہ قصائد میرزا کلب حسین خاں

(۵)

میرزا کلب حسین خاں نادر نخلص بنارس کے رئیس اور احترام الدولہ  
دیورالکھ نواب میرزا کلب علی خاں ہیت جنگ کے فرزند تھے۔  
ڈپٹی کلکٹر بھی رہے۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۹۵ء  
۱۸۷۸ء میں انتقال کیا۔ ان سے بہت سی کتابیں منسوب ہیں۔  
جس مجموعہ قصائد کا یہ دیباچہ تھا۔ اس کی کیفیت میرزا نے  
خود بیان کر دی ہے۔

سبحان اللہ! شاهد سخن کمالِ حسن میں لسانی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ  
یوسف کنعان معانی ہے۔ کنعان ہو، کنواں ہو، کارواں ہو، کوئی جگہ،  
کوئی مقام، کوئی مکان ہو، زلف ویسی ہی معنی، عارضی دستور ناپدار۔ لب کی  
جاں بخشی کا وہی عالم، چشم اس طرح بہار۔ معہذا جو سلطنت مصر کے  
زمانے کا جال تصور میں لائے گا، وہ آفتاب تاباں کو حضرت یوسف کا اذقیل  
ذراہ پائے گا۔ لو ہم ابھی لعلو سخن سے آئے ہیں۔ حسن پرستان سخن  
کے واسطے نوید سراسر امید لائے ہیں۔ سنی سنائی نہیں کہتے، نہ دیکھ  
آئے ہوتے تو چپ رہتے۔ امید یہ کہ دانش مند آدمی باور کریں:  
نوید یہ کہ دیدہ و رنگ نظر کریں کہ یوسف سخن کنعان کو چاہ  
و کارواں و بازار و زندان سے نکل کر تخت فرمانروائی مصر پر جلوہ افروز  
ہوا ہے۔ زلیخاے عشق کے گھر عید ہوئی ہے اور یوسف حسن کی سرکار  
میں نور روز ہوا ہے۔



غالب آئندہ ! نوحی اس ورق کے ناظرین جب تک رمز نہ جانیں گے ،  
 تیری بات کبھی نہ مانیں گے ۔ کیوں نہیں کہتا کہ خالق نے اواب  
 عالیجناب والا دود ماں میرزا کلب حسین خان کو کیا اچھی طبیعت بخشی  
 ہے جو انہوں نے ان اوراق کو اپنے اشعار سے رواق اور اسعار کو نعت و  
 مثبت سے زینت بخشی ہے ۔ دیباچہ نگار نے اس مجموعہ ’ نظم کو  
 مصر فرض کیا ہے اور شاہد معنی کو یوسف قرار دیا ہے ۔ جس کتاب  
 میں آئمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدح کے سو قصیدے  
 زینت اوراق ہوں ، ان اوراق کے سواہ کیوں نہ سرمہ چشم اہل دین  
 اور وہ اوراق کیوں نہ حرر بازوئے مومنین آفاق ہوں ۔ میں اپنے علوریت پر  
 ناز کرتا ہوں کہ آئمہ اطہار کے مداح کا ستایش گو ہوں اور بذریعہ  
 اس ستائش کے غالب پر غالب یعنی اپنے سے بہتر ہوں ، اس دعوے کا  
 گواہ ، ابدانہ ۔ فقط



## دیباچہ رسالہ تذکیر و تائیت

(۱)

یہ سید فرزند احمد صغیر بلگرامی کی کتاب ”لذعات صغیر“ کا دیباچہ تھا، جس کا نام مولانا مرادعلی حسین فاضل کے ارشاد کے مبارک بعد میں ”فیض صغیر“ رکھا گیا اور یہ ۱۸۶۶ء میں مرتب ہوئی تھی۔ صغیر کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

سیدی و سندھی، نور بصر و لخت جگر، قرۃ العین احمد، مولوی سید فرزند احمد کے طول عمر و دوام دولت و دائمی اقبال کی دعا مانگتا ہوں، جن کو سید فاضل سے اس رسالے کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ سبحان اللہ تذکیر و تائیت کی تقریر کہ وہ اور مطالب کی ترویج پر بڑی مشتمل ہے، کسی لطف سے ادا ہوئی۔ ہر چند اس راہ سے کہ دانا اور ذقیفہ رس اور منصف ہیں قواعد تذکیر و تائیت کے منضبط نہ ہونے کے خود معترف ہیں، لیکن قوت عالم و حسن۔ فہم و لطف طبع سے وہ مضبوط ضوابط چم پہنچائے ہیں کہ اور صاحبوں کے دل کی دوسرے کو کیا خیر، مگر بھیجے تو دل سے پسند آئے ہیں دعا یہ ہے اور یقین بھی یہی ہے کہ رسالہ صفحہ روزگار پر یادگار اور ہمیشہ منظور انظار اولوالابصار رہے گا۔ جو صاحب اس کا مطالعہ فرمائیں گے، نفع بھی پائیں گے اور لطف بھی اٹھائیں گے۔ مؤلف صاحب جو کامیاب اپنے ذہن رسا سے ہیں، راسی جلیل القدر عظیم آباد اور وآرا (خلع شاہ آباد، پیار) اور حضرت فلک رامت مولوی سید صاحب عالم صاحب ماہروری کے نواسے



ہیں ۔ سید واسطی ہنگرامس ہیں ، جہاں کے سادات علم و فضل میں نامی اور  
 قدر و منزلت میں گرامس ہیں ۔ ان حضرت کا مداح گویا اتنا ثنا خوان ہے  
 جسما کہ مولوی معنوی رومی علیہ الرحمہ کا بیان ہے :

مداح خورشید مداح خود است  
 کہ مرا دو چشم مرثا مرمد (۱) است

داد کا طالب ، غائب



## تقریظِ مثنوی ”شعاعِ مہر“

(مصنفہ حاتم علی بیگ مہر)

(۷)

اللہ اللہ ظلی کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے  
 کہ امورِ دہی میں ہے کسی امر کا شہود اور مصالحِ دنیوی میں ہے کسی  
 مصلحت کا وجود بلکہ اگر بدلِ اسمِ اعظم قرض کیجیے تو اس کی  
 بھی نمود، جب تک اس لطیفہ غیبی (۱) کا شمول نہ ہو، عالم امکان  
 میں نہیں۔ مسائلِ حکیمانہ کی ہستی، ترہاتِ ندیمانہ کی ہستی،  
 درد و درمان کے مدارج کا اظہار، افسانہ و افسوں کے مقاصد کا مدار،  
 شکر و شکایت کا عنوان، نثرین و آفرین کا بیان، رد و قبول کی حکایت،  
 فتح اور شکست کی روایت، صرف و نحو کی رازدانی، نثر و نغمہ کی گفتاشانی،  
 جو کچھ آگوں نے کہا ہے، جو کچھ آبِ کوئی کہہ رہا ہے، جو  
 کچھ آگے کہیں گے اور نیامت تک کہنے رہیں گے جو کچھ متعلق  
 لیک و بد، نو و کهن ہے ہے، سب وابستہ ظلی و سخن ہے۔

اب سمجھیے کہ سخن از روعے مثل کیا ہے؟ چشمہ ہے؟ ندی ہے؟ سیل ہے؟  
 دریا ہے؟ کہسی بولی ہے؟ کسی زور کا ہانی! اس کا چڑھاؤ، اس کی  
 رفتار، اس پر کسی کا زور، کسی کا اختیار؟ جدھر منہ کیا، ادھر ایک قالم  
 بیا دیا۔ دریا کی لہر کیا گھوڑے کی پاگ ہے کہ کسی کے ہات میں

(۱) یعنی ظلی۔



ہو؟ (۱) ہاں، اہل خود کو اٹھا لیتا جاتے، جو لطف جس بات میں ہو۔ یہ مثنوی کہ مجموعہ دانتی و آکسی ہے۔ اگرچہ اس کو سہینہ کہہ سکتے ہیں، لیکن فی الحقیقت ایک نہر ہے کہ بحر سخن سے ادھر بھی ہے۔ (۲) - سخن ایک معشوقہ، بڑی بکر ہے۔ تفلح شعر اس کا لباس اور مضامین اس کا زیور ہے۔ دینہ وروں نے شاہد سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکنے ماہ تمام دیا ہے۔ اس رو سے اس مثنوی نے "شعاع مہر" نام دیا ہے۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہاں مہر سے مراد آفتاب ہے۔ یہ شعاع اس مہر کی ہے کہ جو ڈوڑھا خاکِ راور و تراب ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ معذور و قن ضمیر مہر جہر سرزا حاکم علی مہر کو سخن طرازی میں بدینا ہے اور از روئے انصاف اس طرح سے کہ نہ ادھر سے لاف نہ ادھر سے گراف، سچ سچ، صاف صاف، یہ مہر اپنے ہم نام مہر مہر کا ہم چشم اور دھتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ غالب کا شیوہ درویشی و آزادہ روی ہے۔ مہر کے حسن گفتار اور میرے صدق اظہار پر برہان قاطع یہ مثنوی ہے۔ میں فن تاریخ و فن معنا سے بہکنہ ہوں (۳) صرف حسن خداداد معنی کا دیوانہ ہوں۔ مثنوی کی طرزِ تحریر دلپذیر ہوئی، اس سے یہ تقریباً دلپذیر تحریر ہوئی۔ جیسے یوں کہ کوئی کاتب کسی وقت میں اس تقریباً کو مثنوی سے جدا نہ کرے۔ ہاں گنجائش اس کی ہے کہ کسی زمانہ میں سہو و غفلت سے یہ امر واقع ہو۔ یہاں ہم کہتے ہیں کہ خدا نہ کرے ۱۲

(۱) احتیاج سے "عادت میں ہو"، نکتہ عبارت وہی ہے، جو پیاہر شاہ کی کتاب کی تقریباً میں ہے۔ وہ عبارت بیشتر کی لکھی ہوئی نہیں۔ "شعاع مہر" کی تقریباً بعد میں لکھی گئی۔

(۲) بعض اصحاب نے اسے "بیتی ہے"، بنا دیا، حالانکہ یہ "ہی ہے"، او، "آگہی ہے" کا قافیہ ہے۔

(۳) یہ تاریخ نہ کہنے کا عذر ہے۔



## دیباچہ دیوان ذکا

(۸)

حبیب اللہ خاں ذکا حیدرآبادی کے مجموعہ کلام موسوم بہ ”خاش و خاش“ پر مہرزا نے یہ دیباچہ ۱۸۵۵ء/۱۲۷۱ھ میں لکھا تھا اور یہ دیوان ذکا کی وفات سے نو سال بعد اس کے بڑے بیٹے رحمت اللہ رسا نے چھپوایا تھا۔ اسے دیوان صرف رسماً کہا گیا ہے، حقیقتہً یہ ذکا کی نظم و نثر کا مجموعہ تھا۔

”خاش و خاش“ خس و خوار کو کہنے میں یا وہ چیزیں جو کام کی نہ ہوں اور بے تک دی جائیں۔

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں، کسی امیر کا نہیں، کسی شہنشاہ کا نہیں۔ یہ کلام میرے ایک دوست روحانی کا ہے اور فقیر اپنے دوستوں کے کلام کو معرض اصلاح میں یہ نظر دشمن دیکھتا ہے۔ پس جب غلطی نہیں، مدارا نہیں تو جو مجھ کو نظر آیا ہے، اے حبیب و میل کہوں گا۔ نثر میں نعمت خان عالی (۱) کی طرز کا احیا کیا ہے، مگر برا یہ کہچہ اس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری (۲) کا چربہ اٹھایا ہے، مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انجاز، عاشقانہ سوز و گداز۔ منشی حبیب اللہ ذکا، مستور ہمدان پکتا، لفظ ماراز، معنی آفریں، آفریں، حد آفریں، حد ہزار آفریں۔

(۱) عہد عالمگیر کا مشہور اور شاعر نثر نگار۔

(۲) فارسی کا مشہور قصیدہ گو شاعر۔



## دیباچہ دیوان سخن

(۱)

میرالدین حسین سخن بن جلال الدین حسین عرف حضرت صاحب  
(بن ابوالقاسم نظام الدین احمد رضوی معروف بہ خواجہ قلندر جشتی  
مردودی) اس خاندان کا اصل وطن سندھ تھا ۔ سخن دہلی میں  
پیدا ہوئے ۔ ان کے والد لکھنؤ میں تھے ۔ دس گیارہ سال کی عمر

میں یہ بھی لکھنؤ چلے گئے ۔ ۱۸۶۰ء میں ان کے بہو بھیا  
مرزا محمد ابراہیم صدر اسن سارن (شاہ آباد ، بہار) اپنے وطن  
لے گئے اور اپنی بیٹی سے شادی کر دی ۔ سخن مدت تک آ رہے ہیں  
وکیل رہے ۔ پھر منصف اور آخر میں صدر اعلیٰ (سب جج) ہو  
گئے ۔ ۱۹۰۰ء میں یہ مقام کلکتہ انتقال کیا ۔

قانع برہان کے سلسلے میں جو منظوم بحث شروع ہوئی تھی ۔ اس میں  
سخن نے تین قطعے لکھے ۔ دیوان اردو ، ایک الماسہ ”سروش سخن“ ،  
ان سے یادگار ہیں ۔

نام خدا ، سلطان قلندرو سخن ، دیوان خاص میں رونق افزا ہوا ہے  
اور ”لکھ روپرو“ ”بادشاہ سلامت“ کا شور ہر طرف بپا ہے ۔ اعلیٰ قلندر بادشاہ  
کا حسن و جمال اور بارگاہ کی عز و شان دیکھیں ، سخنوروں کے ہزاروں دیوان  
دیکھتے ہوں گے ، اب سخن کا دیوان دیکھیں زہے شاعر یکتا و نامی کہ جس  
کا بہارا نام سخن ہے ، یعنی حمد تن سخن اور کام سخن ہے ۔ قرۃ العین خواجہ



سید محمد فیض الدین حسین کو اگر سطنور سے عدیل کہوں تو بجا ہے ، کیونکہ اس کا حسین کلام میرے دعوے پر دلیل اہول ہے ۔ اس سحرکار جادو نگار نے پوری زادانہ معنی کو الفاظ کے شینوں میں اس طرح اتارا ہے ، جیسے ”آہکینہ“ سے رنگہ مئے نظر آئے ، لفظ سے جلوۂ معنی آشکار رہے میں مغلوب دھر ، شائب نام جو بازار ہستی میں متاع کساد ہوں ، ہم حسب اصطلاح فقہا اس سید زائدہ قدسی نہاد کا چہ فاسد (۱) ہوں چشم بد دور هنوز آغاز جوانی اور نو بہار باغ زندگانی ہے ۔ عمر کے لیے دفتر قضا و قدر میں حکم دوام لکھا گیا ہے ۔ پس اگر جو مدت فکر طبیعت کی روانی ہے ، الحلب ہے ذوق شعر اور شغل تحریر اشعار چلا جائے گا ، پھر تو یہ دیوان اوراق افلاک میں نہ بہائے گا ۔



## دیباچہ انتخاب غالب

(۱۰)

ڈونلڈ میکلوڈ فائنشل کمشنر پنجاب (بعد میں لٹنٹ گورنر) نے ایک کتاب مرزا غالب سے اردو میں مرتب کرائی تھی تاکہ نووارد انگریز اسے پڑھ کر اردو سیکھ لیا کریں۔ یہ اس کتاب کا دیباچہ ہے۔

یہ کتاب جو دو باب کی ہے، حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میرے لکھے ہوئے نہ ہوتے تو میں کہتا، بیٹ خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اس خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے ان اشعار میں سے شعر محل و مقام کی مناسبت سے درج کیا جائے۔ یہ مجموعہ نذر جناب رفیع ماب کی ہے، جس سے عزت و نولیر فائنشل کمشنری پنجاب کی ہے۔ صاحب والا مناتب عالی شان، علم و اہل قلم کے قدردان، "مکانہ" روزکار، جن کا مطبع و محکوم ہونا اہل ہند کو سرمایہ، عز و افتخار، والا پایہ، حالی ربیعہ معلی القاب، حضرت قلم رفعت میکلوڈ صاحب بہادر فائنشل کمشنر پنجاب۔

اس یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی جائے گی تو صاحبان نازہ وارد ولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا جو اپنی نذر کے قبول ہونے کا طالب ہے، نصر اللہ بیگ خاں بہادر رئیس سولک و سولسا کا بھتیجا، موسوم بہ اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب ہے۔ میرے چچا کی



سرداری اور ریاست کا حال اور گورنمنٹ بہادر اعلیٰ سے خاص میری ملازمت اور نشر اور خلعت کی کیفیت گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میرے نصیدے کا جناب مستطاب لارڈ الن برا بہادر کے ذریعے سے وزیر اعظم کے پاس پہنچا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بھر و بر ملکہ معظمہ و محضنہ کے حضور پہنچا۔ گزرتا از روئے مشاہدہ خطوط آمدہ ولایت، جو بہ سبیل ڈاک مجھ کو ولایت سے آئے ہیں، گورنمنٹ بہادر ہندوستان کو معلوم ہے۔ البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہ "کوئینس پوٹ" (۱) گیا جاؤں اور اس علاقے سے ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں۔ اگر زنبہ بڑھایا نہ جائے، قدیم عزت میں تو فرق نہ آئے پائے۔

اے جہاں آفریں خدائے کریم      صانعِ ہفت جرخ و ہفت اقلیم  
نامِ میکلوڈ جن کا ہے منہور      یہ ہمیشہ بہ صد نشاط و سرور  
عمر و دولت سے شادمان رہیں  
اور غالب پہ مہربان رہیں (۲)

(۱) شاعر دربارِ ملکہ۔

(۲) مجموعہ نثر غالب اردو (ص ۲۶۳-۲۶۵)۔



## خاتمہ انتخاب غالب

(۱۱)

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ مجموعہ "مختصر تمام ہوا" اب خدا سے  
 یہ دعا مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میرے مری اور حسن کے بسند آئے۔  
 تم نے جانا کہ میرے مری و اور حسن کون ہیں؟ وہ جن کی ہدایت  
 کا شکر گزار اور عنایت کا امیدوار ہوں۔ جب نام نامی ان کا دیباچہ  
 کتاب میں مرقوم اور عالم میں مشہور ہے تو بار بار حضرت کا نام اپنا  
 ادب سے دور ہے، مگر ہاں خاتمے میں یہ شعر لکھ دینا ضرور ہے :  
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری، چو تو راضی ہوا  
 مجھ پہ گویا اک زمانہ سپہاں ہو جائے گا



## دیباچہ نکات و رقعات

(۱۲)

میرزا نے یہ کتاب مہجر فرما ڈاکٹر تعلیات اور ڈونلڈ مکلوڈ  
لفٹنٹ گورنر پنجاب کے ایٹا پر مرتب کی تھی۔ اس کے دو حصے  
تھے۔ پہلے حصے میں قواعد صرف فارسی بہ صورت نکات لکھے تھے۔  
دوسرے میں اپنے منتخب رقعات فارسی درج کیے تھے۔ یہ کتاب  
۱۸۶۷ء میں پیرسے لال آشوب کے زیر اہتمام چھپ گئی تھی۔ جیسا کہ ان  
شعروں سے ظاہر ہے جو بظاہر میرزا کے ہیں :

ہزار و ہشت صد و نہشت و طبع سال مسیح  
کہ ماہ عید و ماہ قمری بہ بود است  
کہ اس نکات گراہماہہ درخندہ  
ز الطباع خود الوار مطبع افزود دست

دیباچے کا صرف ابتدائی حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے :

آہاں و زمین کے پیدا کرنے والے خدا کو سجود اور خدا کی راہ بتانے والے  
انبیا کو درود۔ پھر اکہتر برس کا ناتوان آدمی دنیا میں عزت اور مقبول  
میں نجات کا طالب، ترک سلطوق اسدائقہ خان غالب کہتا ہے کہ میں کہہ سکتا  
ہوں کہ یہ درویش دلربا فقیر پاکرامت ہے، گرفت یہ کہ روح تعالیٰ  
ہو گئی لہو جسم سلامت ہے۔ اپنا ایک شعر فارسی مع ترجمہ لکھتا ہے : ۱۰۵۰

در کشاکش نعم نگشت روان از تن  
ای کہ من بھی میرم ہم ز ناتوانی حالت



یعنی کثرت ضعف ہے روح میں اتنی طاقت نہیں کہ جسم سے ٹوٹ کر نکل جائے واقعی ناتوان آدمی کچھ کام کر نہیں سکتا۔ میں اتنا ناتوان ہو گیا ہوں کہ مر نہیں سکتا۔

اس زمانے سے تیس برس پہلے میں نے اپنی نثریں جمع کیں اور اس کا پنج آہنگ نام رکھا۔ ”آہنگ“ لغت فارسی ہے اور اس کے دو معنی ہیں : قصد و آواز۔ چونکہ وہ مجموعہ پنج باب کا ہے، یعنی باب کو آہنگ قرار دیا ہے۔ یہ لغت دونوں معنوں کی رو سے بھلے باب سزاوار اور بجا ہے۔ چالیس برس کی عمر میں وہ رسالہ لکھا ہے اور اب اکتیس برس کے بعد یہ ارادہ کیا ہے کہ پنج آہنگ کی چوتھی آہنگ، جس میں فارسی صرف کا بیان ہے، اس کا اردو میں ترجمہ کیا جائے (۱) تاکہ وہ اوراق حضور انور فیلہ، حاجات عوام اور کعبہ، آمال انام، نائب مسیح علیہ السلام، جامع دانش و داد، امرا کے مری اور علیا کے استاد، جناب معلی القاب منکلوٹ صاحب بہادر، فرمانروائے ممالک و سیمہ، پنجاب، بلظاہر نواب لغشٹ گورنر بہادران کا خطاب، فی الحقیقت سلطان فلک بخش، ہلال رکاب کے نذر کیے جائیں۔ خدا کرے مجھ ترک جاہل کا بیان حضرت کے ہستہ آئے اور یہ رسالہ ان کی زبان سے ”نکات غالب“ نام پائے۔

---

(۱) پنج آہنگ کی موجودہ ترتیب کے مطابق میرزا کی بیان کردہ آہنگ چوتھی نہیں دوسری ہے اور اس کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ نکات جن جن کر سلسلے اردو میں لکھوا لیے ہیں۔ کتاب ”نکات و رقعات، محمد سعادت علی خاں کے مطبع سراجیہ میں چھپی تھی۔ اب نایاب ہے۔



## صوفی منیری کی مثنوی لواء الحمد

تین شعروں پر اصلاح

صوفی منیری کی مثنوی لواء الحمد کے تین شعروں پر میرزا غالب کی اصلاح ذیل میں درج ہے :

۱۔ اک مقام ادنیٰ ما اس کا توسین  
عرش و کرسی نہ پا جوں تعلین

میرزا فرماتے ہیں :

”یہ شعر دو سبب سے کٹا : ایک تو یہ کہ ”توسین“ اور تعلین دونوں جگہ تشبیہ کا ”نوں“ ہے ، یہ قافیہ جائز نہیں ۔ دوسرے یہ کہ عرش کی توہین ہے ۔“۔ غالب

۲۔ پاؤں کی جا سر تعلیم سے پاں  
سر کے بل جلتے ہیں شاہان جہاں

میرزا فرماتے ہیں :

”پانوں، قافیہ ”جہانوں، اور ”کانوں“ کا ہے (۱)۔ آگے اس کے نون

(۱) خود میرزا نے ”پانوں، ردیف والی غزل ردیف ”وہ“ میں رکھی ہے نہ کہ ”نوں“ میں مگر اب پاؤں ، کڑوں اور عیانوں کو اسی طرح لکھتے ہیں ، جس طرح صوفی منیری نے ”پاؤں، کو لکھا تھا۔ یہ ٹکڑا مولوی خلیل الرحمان داؤدی کے مرتبہ ”مجموعہ نثر غالب“ سے لیا گیا ہے ۔



لکھنا غلط ہے مگر ہاں یہ صیغہ جمع ہوں لکھنا چاہئے  
ہانوں۔ غالب،،

۳۔ خضر کو خدمت شریعت داری  
اور موسیٰ کو عصا برداری

میرزا :

”شریت داری“ لفظ غریب ہے۔ ”آبداری“ کا مرادف نہیں  
ہو سکتا۔



# میرزا غالب کی ایک تحریر

(”غدر“ سے متعلق)

میرزا غالب نے یہ تحریر بعض واقعات غدر کے سلسلے میں مرتب کی تھی جو پہلی مرتبہ ”انتخاب غالب“ میں چھپی۔ ”انتخاب غالب“ ڈونلڈ میکلوڈ، فنانشل کمشنر (بعد میں لفٹنٹ گورنر) پنجاب نے مرتب کرائی تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ نو وارد انگریزوں کو اردو سیکھنے میں مدد ملے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب ۱۳۳۵ھ / ۱۹۲۷ء میں پھر چھپ گئی تھی، لیکن اس کا کوئی نسخہ دیکھا نہیں آیا۔ یہ تحریر خلیل الرحمان صاحب داؤدی نے ”ہادکار غالب“ کے نئے ایڈیشن میں شامل کر دی۔

”غدر“ کے دنوں میں نہ شہر سے نکلا، نہ پکڑا گیا، نہ میری رویکاری ہوئی۔ جس مکان میں رہتا تھا، وہیں بدستور بیٹھا رہا، ہلی ماروں کے حملے میں میرا گھر تھا۔ ناکہ ایک دن آٹھ سات گورے دیوار پر چڑھ کر اس خاص کوچے میں اترا آئے، جہاں میں رہتا تھا (۱)۔ اس کوچے میں بہ عمد جہت پچاس یا ساٹھ آدمی کی ہستی ہوئی۔ سب کو گھیر لیا اور ساتھ لے چلے۔ مگر گرفتار نہیں کیا۔ کسی کو بے حرمت نہیں کیا۔

(۱) گویا اس کوچے میں کوچہ بندی کی غرض سے دیوار بنا لی گئی تھی، جس پر چڑھ کر گورے اندر آ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے کلیات نثر فارسی ص ۲۹۶)۔



نرسی سے لیے چلے راہ میں سارجن (۱) بھی آملے۔ اس نے مجھ سے صاحب سلامت کے بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا کہ میں آدھا مسلمان ہوں۔ اس نے کہا: ”اول صاحب! آدھا مسلمان کیسا؟“ میں نے کہا: شراب پیتا ہوں، ہم (۲) نہیں کھاتا۔“

غرض کہ وہ مجھے کرنل برون (۳) کے پاس لے گیا۔ وہ چاندنی چوک میں حافظہ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہوئے تھے۔ باہر نکلی آئے اور میرا صرف نام پوچھا۔ اوروں سے نام بھی پوچھا اور بیشہ بھی پوچھا۔ نام میرا سن کر فرمایا: ”اسد اللہ خاں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ باؤئے (۴) میں نے کہا: ”آپ سب تو کہہ دو۔“ کہا: ”کہو“ میں نے کہا کہ تلنگی دروازے کے باہر آدمی کو نکلنے نہیں دیتے تھے، میں کیوں کر آنا؟ اگر کوئی قریب کر کے، کوئی بات بنا کر نکل جانا۔ جب باؤئے کے قریب گول کی زد پر پہنچتا۔ پھرے والا گورا مجھے گول

(۱) سارجنٹ۔

(۲) سور کے گوشت کی ران جو نمک لگا کر یہاں سے پکائی گئی ہو مراد ہے سور کا گوشت۔

(۳) اس کا نام Burn تھا جو ۲۱-ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر دہلی کا فوجی گورنر مقرر ہوا تھا اور جو واقعہ میرزا نے بیان کیا ہے وہ ۵-اکتوبر کا ہے گویا برون کے تقرر سے پندرہ روز بعد کا، جیسا کہ میرزا نے خود ”دستنبوہ“ میں لکھا ہے (کلیات نثر فارسی ص ۳۹۶-۳۹۷)۔

(۴) باؤئے سے مراد ہے جھنڈا یا پرچم۔ شہر دہلی سے باہر شمال مشرق میں ایک مقام جو دوران محاصرہ (۱۸۵۷ء) میں انگریزی فوج کا مرکز رہا۔ انگریز اسے ”فلگ سٹاف“ کہتے تھے اور ہندوستانیوں میں یہ ”باؤئے“ کے نام سے مشہور تھا۔ کرنل کا مطلب یہ تھا فتح دہلی کے بعد وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ میرزا نے معقول عذر پیش کیے، جنہیں کرنل نے بے تامل قبول کر لیا۔



سار دیتا۔ یہ بھی مانا کہ تلکے باہر جانے دیئے ، گورے گولی نہ مارے۔ میری صورت کو دیکھے ، میرا حال معلوم کیجئے۔ بوڑھا ہوں ، ہاتھ پاؤں سے اباہج ، کانوں سے ہیرا ، نہ اڑائی کے لائق ، نہ مشورت کے قابل۔ دعا کرتا ، سو یہاں بھی دعا کرتا رہا۔

کرنل صاحب ہنسے اور فرمایا : اچھا تم اپنے گھر جاؤ۔ باقی اہل محلہ سے غرض نہ رکھو۔ میں خدا کا شکر چھا لایا اور کرنل بیرون کو دعا دیتا ہوا اپنے گھر آیا۔



## میرزا غالب کے خود نوشت سوانح

میرزا غالب نے اپنے حالات اردو اور فارسی میں کئی جگہ لکھے ہیں سوانح کا یہ خاکہ خود ان کے قلم سے ہے۔ میرزا کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ خاکہ مولانا احتشام الدین دہلوی کے بیان کے مطابق ان کے والد مولانا انوار الحق نے، ڈاکٹر عبدالرحمان مرحوم بجنوری کو دیا تھا وہ ان سے کام نہ لے سکے تو یہ خاکہ مولانا عبدالحق مرحوم بابائے اردو کے پاس پہنچ گیا۔ ساتھ میرزا غالب کی ایک تصویر بھی تھی۔

ابداً اللہ خان غالب تخلص، قوم کا ترک سلجوقی سلطان برکاتوق (۱) سلجوقی کی اولاد میں ہے۔ اس کا دادا قوتان بیگ خان شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے دلی میں آیا۔ پچاس گھوڑے اور نقارہ نشان سے بادشاہ کا فوکر ہوا (۲)۔ پچاس (۳) کا برگنہ، جو اب سرو کی بیگم کو سرکار سے ملا تھا۔ وہ اس کی جاداد مقرر تھا (۴)۔

(۱) برکاتوق بن ملک شاہ بن الپ ارسلان ۶۱۰۹۳ سے ۶۱۱۰۳ تک سلجوقی سلطنت کا فرمانروا رہا۔

(۲) بعض بیانات میں بتایا گیا ہے کہ دادا پہلے معین الملک عرف میرمنو کے پاس لاہور میں رہا۔ یہ زیر غور بیان کے مطابق نہیں، احوال و فیصل کا فرق ہے۔ (۳) خلیع بلند شہر (ہو پی ہندوستان)۔

(۴) یعنی جب تک دادا بادشاہ کا غلام رہا۔ پچاس اس کی جاگیر تھا بعد میں یہ بیگم سرو کو مل گیا۔



باب اسد اللہ خان مذکورہ کا عبداللہ بیگ خان (رفیق) ہوا راؤ راجہ بخاور سنگھ راجہ، الور کا اور وہاں ایک لڑائی میں مارا گیا (۱)۔ دہلی کی ریاست چھوڑ کر، اکبر آباد میں جا رہا۔ اسد اللہ خان اکبر آباد میں پیدا ہوا۔ سال ولادت ۸۔ رجب ۱۲۱۲ ہجری یکشنبہ (۲)۔

عبداللہ بیگ خان الور میں راؤ راجہ بخاور سنگھ کا نوکر ہوا اور وہاں ایک لڑائی میں بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا، جس حال میں کہ اسد اللہ خان مذکور ہانچ چہ بروس کا تھا۔ اس کا حقیقی چچا نصر اللہ بیگ خان مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا۔ ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیگ صاحب اکبر آباد پر آئے تو نصر اللہ بیگ خان نے شہر سرحد کر دیا اور اطاعت کی۔ جرنیل صاحب نے چار صد سوار کا برگلبر مقرر کیا (۳) اور ایک ہزار سات سو کی تنخواہ مقرر کی۔ پھر جب اس نے اپنے زور بازو سے سونک سولسا (۴) دو پر گئے بھرت پور کے قریب ہولکر کے سواروں سے جہین لے، جرنیل صاحب نے وہ دونوں پر گئے پادار موصوف کو یہ طریق استمرار عطا فرمائے۔ مگر خان موصوف جاگیر مقرر ہونے کے دس مہینے بعد یہ مرگ ناگہ ہاتھی سے گر کر مر گیا۔ جاگیر سرکار میں باز یافت ہوئی اور اس کے عوض نقدی مقرر ہو گئی۔ اور شرکا کو دے دلا کر ساڑھے سات سو روپے سال اس شخص کی ذات کو اس زرمعاق میں سے ملتے ہیں۔

اوس نے شاعری میں بڑا کمال پیدا کیا۔ نہ فقط شعر بلکہ نثر نگاری میں بھی دستگاہ رکھتا ہے۔ نثر کی تین کتابیں ”ہانچ آہنگ“، ”سہر نمروزہ“ اور

- (۱) جو عبارت توسین میں ہے وہ لکھ کر قلم زد کر دی گئی۔
- (۲) پہلے حاشیے پر صرف سال ولادت لکھا تھا یعنی ۱۲۱۲ ہجری خفی قلم سے ابتدا میں ”۸۔ رجب“، آخر میں ”یک شنبہ“ کا اضافہ کیا گیا۔
- (۳) یعنی نصر اللہ بیگ خان کو۔
- (۴) اب سونک اور سولسا ضلع متھرا میں شامل ہیں۔



”دستبوس“ ، فارسی نظم کا کلیات دس ہزار بیت کا بالفعل اودہ اخبار لکھنؤ میں چھاپا ہوا۔ گورنمنٹ میں اس کی بڑی عزت تھی۔ انگریزوں کے عوض قصیدہ مدح نذر دیتا ہے (۱) اور سات ہارچے ، جیفہ ، سر پیچ ، مونہوں کی مالا خلعت پاتا ہے ۔

اب کے بار جو لاہور میں لائٹ صاحب کا دربار ہوا (۲) تو موالی سابق کے دو چار دیہاداروں کی شہرست کے صاحب کمشنر چادر حصار نے کہہ دیں ولا قائمقام صاحب کمشنر دہلی بھی ہیں مثل ، اور رئیسوں کے اور رئیس زادوں کے ، اس کو بھی (م) خط لکھا ۔ بیچارہ نہ سبب تھی دستی اور بے مشوری کے لاہور نہ جا سکا ۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ستر برس کا آدمی ، کانوں سے بھرا ہوں اور اکثر بیمار رہتا ہوں ، لیکن اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو ان عوارض کو نہ مانتا اور بے شک لارڈ صاحب کے دربار میں حاضر ہوتا (۳)۔

خیر آخری عمر میں یہ ایک داغ حسرت رہا ۔ حق بات کو ظاہر نہ کرنا خدا پرستی و حق شناسی کے خلاف ہے۔ اس شخص نے ۱۸۵۵ء کے آخر میں قصیدہ مدح ملکہ معقلہ ولایت کو بہ سبیل ڈاک لارڈ الن برا گورنر سابق کی معرفت بھیجا ہے اور اوائل ۱۸۵۶ء میں قین خط انگریزی کے واسطہ انڈیا گورنمنٹ ولایت سے اس کو ڈاک میں آئے

(۱) مطلب یہ کہ جاگہدار تو انگریز یا روسی حاکم اعلیٰ کو بطور نذر دیتے تھے ۔ میرزا کے لیے صرف قصیدہ مدح نذر ملتا ہے ۔

(۲) بتایا گیا ہے کہ یہ دربار ۱۸۶۳ء میں ہوا تھا ۔

(۳) یعنی میرزا کو بھی ۔

(۴) اپنے حالات خود بہ سرفہ خائب لکھتے ہو ۔



ہیں (۱)۔ اب ہم تینوں خطوں کے خلاصے لکھ کر اس ذکر کو ختم کرتے ہیں۔ (۲)

میر

نجم الدولہ دیوالملک نظام جنگ

(۱) معلوم ہوا ہے کہ میرزا نے ملکہ وکٹوریہ کی مبلغ میں پہلا قصیدہ ۱۸۵۵ء میں لکھا تھا، جسے کلیات فارسی میں ”ہست نہیں“ قرار دیا گیا ہے اور یہ لارڈ اینن برآ شاہی وائسرائے کی معرفت بھیجا گیا تھا۔ اس کے آخر میں لکھتے ہیں :

آں باد و زود باد کہ کلک دیو خاص  
آواز نوازش من در جہاں دہد  
آں باد و درخورد است کہ فرمان دہی کنم  
بر یک دو دہ کہ گنگ بہ ہندوستان دہد

یہ قصیدہ جس پر ولایت سے ایک خط میرزا کے نام آیا کہ خطاب، خامت اور بخش کی تہویز منظور ہے۔ یہ خط جنوری ۱۸۵۷ء میں ملا۔ تین مہینے اس انتظار میں گزر گئے کہ کیا کچھ ملتا ہے۔ یکایک ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہو گیا اور وہ دور میں باقی نہ رہا، جس میں امیدوں اور آرزوؤں کی ایک دنیا بسائی گئی تھی۔ (۲) خطوں کے خلاصے نہیں دے گئے۔

جہاں خط پر مہر کٹی گئی تھی، میرزا نے اس کے سامنے خطی نام ہے ایک عبارت لکھی تھی جو پوری پڑھی نہیں جاتی۔ جو حصہ پڑھا گیا وہ یہ ہے :

اور ایک مثنوی غزوات رسالت مآب میں بہت عمدہ اور بہت طویل لکھ چکے . . . . . حد سے زیادہ ہوں گئے۔



## نامہ غالب

### بنام مرزا رحیم بیگ

مرزا رحیم بیگ کے والد بیرنگ دلی میں رہتے تھے ، پھر ترک وطن کر کے سردھنہ ضلع میرٹھ میں منیم ہو گئے ۔ رحیم بیگ سردھنہ میں پیدا ہوئے ، پھر میرٹھ چلے آئے اور حکیم بوعلی خاں سے علوم ضروری حاصل کیے ۔ مولانا مرتضیٰ حسین نے لکھا ہے کہ حکیم صاحب نے رحیم بیگ کو متنبی کر لیا تھا ۔ شاعری میں مولوی محمد بخش نادان بریلوی کے شاگرد ہوئے ۔ ابتدا میں شرر تخلص کرتے تھے ۔ پھر استاد کے مشورے سے رحیم تخلص اختیار کر لیا ۔ ("ادبی خطوط غالب" و "سخن شعراء") حکیم احسن اللہ خاں کی فرمائش پر قصص الانبیاء کو نظم کیا ۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ ایک مثنوی "دعوت حاتم" کے نام سے اردو میں لکھی تھی ، جو ۱۲۶۶ھ میں چھپی ۔ اس کے کل ایک سو گیارہ شعر تھے ۔ میں نے طبع دوم کا ایک نسخہ دیکھا ہے ۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی تھی ۔ میرٹھ میں معلمی ذریعہ کسب معاش تھا ۔ رحیم بیگ نے "طالع برہان" کے جواب میں "ساطع برہان" لکھی تھی ، جو ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ء) میں مطبع ہائسی نے چھاپی ۔ اس کی ضخامت ۱۷۰ صفحات ہے ۔ اسی کے جواب میں میرزا نے "نامہ غالب" لکھا تھا ، جس کے تین سو نسخے مطبع ہمدانی دہلی میں چھپوا کر اپنے دوستوں میں تقسیم کیے تھے ، بعد ازاں یہ نامہ "اودھ اخبار" ،



کی دو اشاعتوں (۱۰۔ اکتوبر اور ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۶۹ء) میں سن و عن شائع ہو گیا۔

پسند منطقی مکرسی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ علیہ، بالاسرار، عینہ بالانوار  
سخنے چند گفتہ میشود :

نہ در منطقی پارسی و ذری

همی هندی سادہ و سرسری

جس طرح توحید میں نفی ما سوائے اللہ دستور ہے، مجھ کو تحریر میں خلاف  
زوائد منظور ہے۔ عزم مقابلہ نہیں، قصد مجادلہ نہیں۔ سر تا سر دوستانہ حکایت  
ہے، خاکبے میں ایک شکایت ہے۔ شکوۂ دردمندانہ منافی شیوۂ ادب نہیں۔  
معہذا اظہار درد دل مراد ہے، کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسان مند ہوں  
آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی (۱) کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔  
ان کے حسن ظن کے مطابق مجھ کو معشوق میرے استاد (۲) کا نہ لکھا اور  
اور اگر ایک جگہ یہ الفاظ کہ بقول غالب ”باکدام خرس در جوال  
شدہ ام (۳)“ بہم کہے یا اور دو چار جگہ کلمہ ”نورین رقم کہے“ میں نے  
اپنے لطف طبع اور حسن عقیدت سے چلے فترے کا مفہوم ہوں ارے دانشمیں  
کیا کہ حضرت نے محمد حسین دکنی جامع ”برہان“ کو موافق میرے قول  
کے ”خرس“ یقین کیا یا ”خرس در جوال شدن“ عبارت ہے صحیح ہے، خواہی

(۱) مولف ”بحر فاطمہ“، جو محرم الحرام ۱۲۸۱ھ / جون ۱۸۶۳ء میں مکمل ہوئی۔  
اس میں میرزا کو جابجا ”مرزا السداتہ غالب“ لکھا گیا تھا حالانکہ میرزا کا  
پورا نام ”اسد اللہ بیگ خان غالب“ تھا۔ خطابات شاہی یعنی ”انجم الدولہ  
دیورالملک نظام جنگ بہادر“ اس کے علاوہ تھے۔ غالباً اسی بنا پر میرزا نے  
آدھا نام لکھنے کا شکوہ کیا۔

سید سعادت علی راجپوتانہ ریڈنسی میں میر منشی تھے بنشن لے کر  
دہلی آ گئے تھے۔

(۲) مولانا عبدالصمد باویں جن کا نام اسلام لانے سے پیشتر ہرمزد تھا۔

(۳) عبارت ”اساطع برہان“ (ص ۱۷)۔



مداقت کے واسطے ہو ، خواہی محبت ہے ۔ مجھ کو اس کا ، قرب بسپیل  
 آویزش ہے ، تم کو اس کا قرب از روئے آمیزش ہے ۔ دوسرے فرقے کے  
 معنی یہ لٹھرائے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں آئے کہ خرس کو مدد  
 دینے سے نکوت حاصل ہوئی اور وہ نکوت باعث درد دل ہوئی ۔ شکت درد میں  
 آدمی چپخٹا ہے ، چلاتا ہے ، ہائے وائے کرتا ہے ، غل بھاتا ہے ، جیسا  
 کہ سعدی بوستان کی اس حکایت میں جس کا پہلا مصرع یہ ہے :

شے زہت نکوت صمی سوختم

فرمانا ہے :

کہ ناچار فریاد مزید ز درد

جناب میرزا صاحب ! کیا تم نہیں جانتے ؟ بے شبہ جانتے ہو گئے کہ اکابر است  
 کو امور دہنی میں کیا کیا مناوہتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ نوبت یہ تکفیر  
 تک دیگر پہنچی ہے ۔ اگر فن لغت میں ایک شخص دوسرے شخص کا  
 معتقد نہ ہوا ، یہاں تک کہ اس کی تحقیق (۱) بھی کی تو اور مدعیان علم و  
 عقل اس مسکین کے جگر تشنہ خون کیوں ہو جائیں ؟ اور جب تک  
 اس کا نقش حسنی صلیحہ دھر سے نہ مٹائیں ، آرام نہ پائیں ۔ ظلم تو یہ ہے کہ  
 جو کچھ میں نے ” قاطع برہان “ میں لکھا ہے ، نہ اس کو سمجھتے ہیں  
 اور جو کچھ آپ لکھتے ہیں ، نہ اس کے معنی سمجھتے ہیں ۔ ” سوال دیگر  
 جواب دیگر “ پر مدار ہے ۔ خارج از بحث الوال کی تکرار ہے ۔ ” برہان قاطع “ والے  
 کی محبت سے دل بے قرار ہے ۔ فرط غیظ و غضب سے بدن وعشہ دار ہے ۔  
 منشی سعادت علی نہ ناظم ہے ، نہ نثار ہے ۔ بموجب اس مصرع کے :

ملتطم طبعش این است

ناچار تم کو معرض تحریر میں غفل و نامل چاہیے ، نہ سخن پیروزی و جانب داری  
 میں توغل چاہیے ۔ بحسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو مگر پہلے یہ نو جانو  
 کہ غالب سوختہ اختر کا فرہنگ نویسوں کے باب میں عقیدہ کیا ہے ۔

(۱) احق قرار دینا ۔



فرہنگ نگاران زبان فارسی | اگرچہ ”اقامع برغان“ میں جا بجا لکھنا

آیا ہوں مگر اب ہندی کی چندی کر کے (۱) لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ میرا ہے کہ فرہنگ لکھنے والے جتنے کڑے ہیں ، سب ہندی نژاد ہیں ۔ ہاں علم صرف و نحو عربی میں بقدر تحصیل مسلم اور استاد ہیں ۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں ۔ جس نے چاہا ہے ، اس نے استاد سے ان کتب کو پڑھ لیا ہے ۔ فارسی کے جو فرہنگ ان حضرات نے لکھے ہیں ، مطالب مندرجہ کسی اصول پر منضبط کہے ہیں اور اس کا علم کسی استاد سے حاصل کیا ہے ؟ آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالے ہیں ۔ پہلے تعلیم و تعلم ہے ، پھر کتب و قواعد کے جا بجا حوالے ہیں ۔ قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے کسی نے لکھا ہے اور ان ہوس پشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کسی فاضل عجم سے پڑھا ہے ؟

شیدائے (۲) ہندی سیکروی نے حاجی محمد جان (۳) قنسی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے ۔ مرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۃ نے شیدا کو خط لکھا ہے ۔ سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں ”محرا“ و ”دیوا“ ، قالیہ اور ”برساند“ ردیف ہے ۔ شعر اخیر کا مصروع ثانی یاد رہ گیا ہے :

یعنی بسما دیو مقوی برساند

(۱) ہندی کی چندی کرنا : خوب سمجھانا ۔ سہل کو اور زیادہ سہل بنا کر پیش کرنا ۔

(۲) ملا شیدا کا والد یقیناً ایرانی تھا ، لیکن خود شیدا فتح پور سیکری میں پیدا ہوا اس وجہ سے غالب نے اسے سیکروی لکھا ( وفات ۱۰۵۲ھ - ۱۰۶۴ھ ) ۔

(۳) محمد جان قنسی ، عہد شاہ جہانی کا شاعر ، جس نے شاہ نامہ بھی نظم کیا تھا ۔ ۱۰۶۴ھ میں یہ عارضہ اسپہال لاہور میں اوت ہوا ۔ اقربا میت مشہد لے گئے ۔



خلاصہ مضمون خط یہ کہ تو صاحب زبان نہیں ہے ، زبان دان ہے ، یعنی مقلد اور کاسہ پس اہل ایران ہے ۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند بکڑ ، ابھیے کسی نے کہا ہے کہ اس سے لڑ ؟

کیا تو نے سنا نہیں جو عربی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور موئمن الدولہ شیخ ابوالفضل کے ویرو ہوئی ہے ؟ لغات فارسی اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا ۔ مولانا جلال الدین عربی رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے جب عوش سنبھالا ہے اور لطف آشنا ہوا ہوں ، اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات فارسی کی اور ترکیبیں سننا رہا ہوں ۔ فیضی بولا کہ جو کچھ ہم نے اپنے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے ، وہ ہم نے خاقلی و انوری سے اخذ کیا ہے ۔ حضرت عربی نے فرمایا کہ تقصیر معافی ، خاقلی و انوری کا ماحظ بھی تو منطقی گھر کی پیرزادوں کا ہے ۔

ہائے گمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھے کہ یہ حال قلعرو ہند کے صاحب کمالوں کا ہے فیاں مع الفارق کی بہار دیکھو ۔ مجرد تقدم زمانہ کا اعتبار دیکھو ۔ مانا کہ تحصیل علوم عربیہ میں ان سے کمتر ہے ، صاحب زبان اور ایرانی ہونے میں برابر ہے ۔ کیا عربی ، کیا انوری ، کیا خاقلی ، ایک شیرازی ، ایک خاوری ، ایک شروانی ۔ اگر مجھ سے کوئی کہے کہ غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے :

میری طرف سے جواب یہ ہے :

ہر چہ از دستگاہ پارس بہ یفا بردند  
تا بنالم ہم از ان جملہ زبانم دادند

زبان دانی فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص منجانب اللہ ہے ۔ فارسی زبان کا مالکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے ۔ عشق کا کمال میں نے استاد سے حاصل کیا ہے ۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوش گو اور معنی مآتب ہیں ، لیکن یہ کون احسن کہے گا کہ یہ لوگ دعوائے



زبانِ دلی کے باب (۱) ہیں ؟ رہے فرہنگ لکھنے والے ، خدا ان کے بیچ سے نکالے ، اشعار قلم آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دیے۔ وہ بھی نہ کوئی مقدم ، نہ کوئی عہدہ ، بلکہ سو سو براکتہ و تباہ ۔ رہنا ہو تو راہ بتائے ، استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی ، نہ استاد اصفہانی۔ زہے رگ گردن و خیمے دعویٰ زبانِ دلی۔ میرا یہ قول خاص ہے ، نہ عام ہے۔ مجموعہ فرہنگ نگاروں کے بھائی ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع ”برہان“ کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے۔ عبدالرشید (۲) کی کیا شیخی اور میاں انجو (۳) میں کیا پیری ہے ؟ قطب شاہ (۴) و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر منشاء برتری ہے تو بے جا وہ جعفر زلی بھی فرخ سیری (۵) ہے۔

**ایک لطیفہ** | ایک لطیفہ لکھتا ہوں ، اگر حقا نہ ہو جاؤ گے تو خدا اتھاؤ گے۔ جہنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں ، یہ سب

(۱) باب عربی میں دروازے کو کہتے ہیں لیکن فارسی و ترکی میں یہ لفظ شایان ، درخور ، اور لائق کے معنی میں مستعمل ہے۔ بارے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً میرزا غالب :

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب ٹبر نہ تھا

یہ معنی بارے:

یہ سو ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

(۲) سید عبدالرشید ٹنڈی صاحب منتخب اللغات و فرہنگ رشیدی وغیرہ (وفات ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء)

(۳) جمال الدین حسین بن شاہ حسین انجو شیرازی صاحب فرہنگ جہانگیری (وفات ۱۰۳۵ھ / ۱۶۳۲ء)۔

(۴) محمد قلی قطب شاہ والی گولکنڈہ (وفات ۱۰۷۰ھ / ۱۶۶۱ء)۔

(۵) جعفر زلی عالمگیر کے زمانے میں بھی تھا۔ عالمگیر کا مرثیہ اس نے لکھا ہے۔ البتہ وہ فرخ سیر کے عہد میں مرا یا مارا گیا۔ غالباً اس سے لیے ”فرخ سیری“ کہا۔



کتابیں اور یہ سب جامع مانند نیاز ہیں، توتو اور لباس در لباس۔  
 وہم در وہم اور قیاس در قیاس۔ نیاز کے جھلکے جس قدر اتارنے جاؤ گے،  
 جھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا، سفر نہ پاؤ گے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے  
 پردے کھولنے چلے جاؤ، لباس ہی لباس دیکھو گے، شخص معدوم۔ فرہنگوں  
 کی ورق گردانی کرتے رہو، ورق ہی نظر آئیں گے، معنی موہوم۔  
 ظرافت پر مدار تحقیق نہیں ہے۔ آپ کے خاطر نشین کرتا ہوں جو میرے  
 دلشیں ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ سراسر غلط  
 ہے، البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ خصوصاً دکنی (۱) تو عجیب  
 جانا ہے، لغو ہے، بوج ہے، باگل ہے، دیوانہ ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں  
 جانتا کہ بامے اصلی کیا ہے اور بامے زائدہ کیا ہے۔ حیران ہوں کہ اس کی  
 جانب داری میں فائدہ کیا ہے؟ خدا جانتا ہے؟ کہ میں یک رنگ ہوں،  
 مگر دکنی کے جانب داروں کا چورنگ (۲) ہوں۔ مجھے جو چاہو سو  
 کہو، اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو؟ کہیں جامع ”لطائف غیبی“ (۳) کو برا  
 کہتے ہو، کہیں نگارۃ ”دائع ہذیان“ (۴) سے جھگڑتے ہو۔ جانتا ہوں  
 کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اس کی رائے کی کجی، اس کے قیاس کی  
 غلطی، اگر نہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جاتے ہو، مگر یہ میں  
 نہیں جانتا کہ اتنی سخت کفری اور اس کے رفع غلطیہ (۵) کے واسطے  
 توجیہات بارہ ڈھونڈنی کس واسطے؟ ایسا اس کو کیا مانتے ہو؟ مجھ پر

(۱) محمد حسین مولف ”برہان قاطع“

(۲) چورنگ بہ معنی مقبول یا مجروح، هدف شمشیر۔

(۳) ”لطائف غیبی“ میرزا نے خود لکھی تھی، لیکن میاں داد خان سیاح  
 کے نام سے چھپی اور اسی کتاب پر میرزا نے سیاح کو ”رفد الحق“ خطاب  
 دیا تھا۔

(۴) مولوی نجف علی صاحب ساکنی جھجھڑ، ضلع رھتک

(۵) خطاؤں اور غلطیوں کو رفع کرنا۔



جدا نہ آئے ہو۔ مولوی ایف علی اور میان داد خان سے جدا پکڑتے ہو۔ بھائی صاحب ، مفلحہ بن پر آگئے ، کوہار (۱) لڑتے ہو۔

**اپنی غلطیوں کا اعتراف** سچ ہے غالب آگندہ گوش (۲) ہے کسی کی نہیں سنتا۔ اسی آپ کے مقرر کیے ہوئے قاعدہ کے موافق جلف کہنا ہوں کہ ہم نے "قاطع برہان" و "دافع ہڈیان" و "لطائف غیبی" کو ہرگز نہیں دیکھا۔ "اویزہ" و "الموس" کے بیان میں عجب سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اس کا اقرار اور میرا دوست میان داد خان شرمسار (۳) ہے۔ جو کچھ اس مصنف نے اس باب میں لکھا ، وہ قول فیصل اور کافی ہے۔ ماہیں یا نہ ماہیں ، ناظرین کو اختیار ہے۔

گہری ہکف فارسی مکسورہ یوزن البہری ، لغت ہندی الاصل ، اس کی شرح میں جداگانہ ایک فصل۔ کف فارسی مکسورہ کی جگہ کف عربی منسوح ، اعراب کا یوزن تشریح و منسوح۔ مجھے اور میرے دوست سیف الحق کو دو سہو طبعی پر استغفار (۴) ، ہوا خواہان بوہرہ دکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار۔ قاعید و ابواب اولی الاہصار !

خرہ ہے واؤ بہ معنی نور اور خورہ مع الواؤ بہ معنی جذام ، ویزہ بہ معنی ہاکہ اور اویزہ بہ معنی ناباکہ ، ایک یہ اور ہزار ایسے اغلاط سند اور منہول اور مطلوبہ گویا یہ مصرع جو حید میں ہے :

کنند ہر چہ خواہد برو حکم نیست

(۱) ایک آدمی کا بہت سے آدمیوں سے لڑنا۔

(۲) آگندہ کے معنی ہیں "بھرا ہوا"۔ آگندہ گوش : وہ شخص جو کسی کی نصیحت نہ سنے۔

(۳) ملاحظہ ہو "لطائف غیبی" ص ۱۲۔

(۴) غدر طلبی۔



اس کی شان میں صادق سمجھ لیا ہے۔ چشم بہ دور اب چاہیے کہ اس کو بوجھنے والے اس کے نام کے بعد جل جلالہ لکھیں اور اگر اتنی جرأت نہ کریں تو نظر بالائدہ و استفادہ ہم نوالہ لکھیں۔ ستر برس کی عمر، کانوں سے پیرا، جمعیت کم، تفرقہ زیادہ اور پھر خود داری اور کمر نفس اور اسفنا خدا داد۔ یہودہ بگتے میں اوقات کیوں صرف کروں؟ پاسخ نگاری کیوں لفظ بلفظ و حرف بحرف کروں؟ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے خوردہ گیری و عیب جوئی ہے۔ مجھ کو نفرت ہے اور حیا آئی ہے زیادہ گوئی ہے۔ آپ کے حسن کتاب طبابت سے قطع نظر کر کے ناظرین منصف کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہوں اور شکایت موعودہ سے پہلے آپ امر ضروری لکھ لیتا ہوں۔

**لفظ صیغہ** | ”صیغہ بہ معنی آواز اسب زینہار نیست“، اس کے سچ ہونے میں کیا کلام ہے؟ جو صیغہ ہے آواز اسب مراد رکھئے، وہ ناقص ہے اور خام ہے۔ کیا عربی کا شعر عربی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سن کر تمہارا ذہن وقاد و نقاد وہاں جا لڑا؟ لغت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور پھر عربی جیسا شاعر دہندہ و باز پرس میں پکڑا جائے؟ تمہارا محبوب بوجہ دکنی شین منقوط مع التحانی کے بیان میں شبہ کو گھوڑے کے ہتھانے کی لاری بناتا ہے۔ عربی میں گھوڑے کے ہتھانے کو صہیل بوزن دہلی کہتے ہیں۔ صیغہ بوزن بیضہ عموماً بہ معنی ہر صدائے ہولناک و مہیب آتا ہے۔ میں کیوں کر فرھنگ نگاروں کے اور ان کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھوں؟ اور کیوں کر کاتبوں کے املا کو مصحف مجید کی طرح سر پر دھروں؟ یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کو جہاد اور نہایت فرض کر لوں۔ ”جرم و خطائے یوغ بر گردن ہندگن جناب است (۱)“ میں آپ کو غلام

(۱) یہ مرزا رحیم بیگ کا قلم ہے (ساطع برہان ص ۷۰) غلام نے لکھا تھا کہ ”یوغ“ کو ”جوع“ بھی لکھا گیا ہے۔ مرزا رحیم بیگ نے کہا کہ ”ی“ ”ج“ سے بدل جاتی ہے۔



بالفحش ٹھہرا کر بھی فقرہ پڑھ کر چپ رہتا ہوں۔ بعد اس کے تبدیل جسم بہ تختائی کو نا مسوع کہتا ہوں۔ یعقوب کو بہ تغیر لہجہ انگریزی زبان میں جاکوب کہتے ہیں۔ کہاں بدل منہ، کہاں تغیر لہجہ۔ حضرت آپ جو کہتے ہیں، خوب کہتے ہیں۔ ”رہد“ کو اور ”کود“ کو ترجمہ ”طلل“ نہیں جانتے اور پھر خاتمہ میں ”ریدگان“، بقیہ جمع لکھواتے ہو۔ واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نیروے بصر نہیں بلکہ از روئے سمع لکھواتے ہو (مطالع برہان صفحہ ۱۷۳)۔

### استغاثہ

خط تمام ہوا اب مستفیث کی عرضی کی ساعت ہو، لیکن ساعت از روئے انصاف بالائے طاعت ہو۔ عرضی گزرائے سے چلے مستفیث بوجہنا ہے کہ آپ کے حکمہ عالیہ کا سررشتہ دار دیانتدار ہے یا نہیں؟ سخن نہم و ہوشیار ہے یا نہیں؟ میں تو گواہ کرتا ہوں کہ امین نہ ہو۔ دلیل سن لیجئے، اگر یقین نہ ہو۔ صبحہ بہ معنی آواز اس زبان نرسٹ اس کے ماقبل اور بھی عبارت ہے، سنائے والے نے نہ پڑھی ہو، کتنا بعید ہے۔ کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ نہ رکھنا اور محمد اکرم (۱) پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں، مگر حال الدین عرف شیرازی رحمہ اللہ علیہ کا شعر بہ نتیجہ کاتب غلط لکھوا دینا، ہم سے سمجھا بعید ہے۔ انشا میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو، املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ قائل ہو؟ اتنا املا و لفظ و معنی میں تقلید جیوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہوا؟ تقصیر معاف یہ نہ استناد بکلام عرفی عالی مراتب ہے، بلکہ پیروی خامہ کج رفتار کاتب ہے۔

اپنی حالت کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرے کا دماغ، نہ هجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے فراخ۔ آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقع مددگاری نہیں تو یہ اپنا شعر اردو میرے ورد زبان اور اس ہنجار سے میں زمرہ سنج لقاں رہنا تھا :

(۱) مولانا غنیمت صاحب لیرنگ عشق۔



رات دن گردش میں ہیں سات آہاں  
ہورے گا کچھ نہ کچھ گھیرائیں کیا

اب جو اصلاح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے تو طبیعت اسی غزل  
کی اس بیت کے نرم سے مانوس ہے :

عمر بھر دیکھا کیے مرے کی راہ  
مر گئے ہر دیکھے دکھلائی کیا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ اڑا دینا رزق کا ہے ۔ جب معاش مقرر ہو تو پھر  
نیم کیا ہے ؟ نہ صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا ،  
باتی پی لیا اور چین سے سو رہے ۔ آدمی عموماً اور صاحبانِ ننگ و ناموس  
خصوصاً باوجود فراغ معاش ایسی جاں گذار بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ  
کوئی کیا کہے ۔ یہ حال تو یا صاحب واقعہ جانے یا خدا جانے ۔ دوسرے  
سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا کیا جانے ؟ مناظرے کا تو ہرگز  
ارادہ نہیں ، اگر مردہ دل نہ ہوتا تو باتیں کہتا ، زیادہ نہیں ، وہ بھی نہ از روئے  
بحث و تکرار ، نہ یہ انداز استفسار ۔ اظہار سے مقصود نفس اظہار ۔

**مولانا صہبائی** | یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب  
دیا ہے ، کتنے محققین نے آپ کو "بنا امام مان لیا ہے ؟ جب تک کہ  
اجماع محققین کا ہوگا یہ خطاب یا جامع اہل عقل ناجائز و ناواروا ہوگا ۔  
وہ فرمائو اسے عہد ، شہنشاہ کہلائے گا ، کئی بادشاہ جس کے فرمان پذیر  
ہو جائیں گے ۔ ایک سد نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا ،  
یہ میر "شہنشاہ صاحب" کیوں کر شاہجہاں و جہانگیر ہو جائیں گے ؟  
اگر حضرت بہ فتح کاف ثانی تصیفہ" تکیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم  
آپ ہونے اور نرائی داس اتبولی دوسرا ہوتا ۔

**ساطع برہان کی غلطیاں** | "ساطع برہان" کے تیرھویں صفحہ کی نویں  
سطر میں آپ لکھتے ہیں : "وہ محققین ہر اقراط و نظریۃ توضیح را کار بند



نشہ اند کہ ہدان حرف گیری توانہ کردہ۔۔ توانہ توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد غائب ہے۔ فاعل چاہتا ہے، خواہی معرفہ جیسے احمد، محمود، خواہی نکرہ جیسے یہاں، کسی یا شخصے، مردے یا زنے اور اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اس صورت میں ”توانہ کردہ“ چاہیے کہ توان مالم بسم فاعلہ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں، ہاں از روی حسن عقیدت کہتا ہوں کہ یا آپ نے یوں لکھا ہے کہ کسی ہدان حرف گیری توانہ کرد ”ہا،“ ”توانہ“ کی جگہ ”توان“ رقم نوما یا ہے۔ دیکھیے آپ نے ییل کے جوئے کا بوجہ مبری گردن پر رکھ دیا اور میں نے ایک ییل کا بوجہ پشت مبارک سے اٹھا لیا۔

**آپ دہ دست** | ”او اسد اللہ داد خواہ جلد آ اور اپنی عرضی لا۔۔“ حضرت آیا اور عرضی لایا۔۔ ”پہلے پانچ کاشنوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں پھر سرورشتہ دار صاحب بکال امانت و دیانت عرضی مناویں۔“

**۱۔ عبارت برہان قاطع** | ”آپ دہ دست، ہکمر دال ابجد و ہائے ہوز، اشارہ بھضرت رسول صلوٰۃ اللہ علیہ است خصوصاً و شخصے را نیز گویند کہ بزرگ مجلس بود۔ آرایش صدر و زینت ازو باشد عموماً۔“

**عبارت قاطع برہان** | از خامی عبارت چشم می پوشم و می خروشم کہ آپ دہ دست، مرکب از ”آپ، و ”دہ، کہ صیغہ امر است از دادن و ”دست، کہ باوجود معانی دیگر مستند را نیز گویند، معنی ترکیبی ”روانی دہندہ مستند،۔ ہر آئینہ تا مستند را بطرف نبوت یا رسالت یا ہدایت مضاف نگردانند بمقام لغت فرو یارند، بلکہ در مدح اکابر و صدور نیز بے اضافہ“ لفظ امارت و شوکت و امثال اینہا نہ نگارند کہ نہا آپ دہ دست الادۃ معنی شوہانانہ دست میکند و آن خود اہائے ست قبیح۔ بیچارہ در نظام و اثر لغت آپ دہ دست رسالت دہدہ است و نیمہ“ مضمون را لغت اندیشیدہ است۔

**عبارت ساطع برہان** | ”آپ دہ دست خدا نکند کہ ای اعتراض از جانب میرزاے من باشد۔ کور سوائے همچو من گفتہ باشد، بخاطر داشت



بطریق استعارہ بالکنایہ کہ سخنور بسا خون چکر خورده باشد تا در نظام و تیر خویش آورده باشد۔ جیسی ہر کہہ این را در گفتار خویش آرد، سرقہ خواہد بود۔ از لغات مستقلہ و کنایہ عالم مشہورہ نیست کہ بکار دہران روزگار آید۔ شیر خدا کہ ترجمہ "اسد اللہ" است کوئی بکنے از ناسہائے جناب ولایت پناہ است۔ صد ہزار کس در کلام خویش آورده باشد و سرقہ نیست۔ دکنی در بہت شین مع الیا "شیر شروۃ غالب"، اسم حضرت امیر علیہ السلام نوشتہ و آن مضمونے ست کہ خاقانی در قصیدہ قسمیہ بہر سائلہ۔ "شیر شروۃ، خود صفتست عام کہ ہر ہر مرد شجاع و بہرنگ جنگ جو اطلاق توان کردہ "غالب" بہ معنی پیشہ و نیستان است۔ ہر آئینہ این صفت نہ سزاوار شان اسد اللہی باشد خاقانی خود بطریق تزلزل گفتہ است۔ ای چنی صفت اسم کسے کہ بعد از خدا و رسول اورا بہ بزرگی توان ستود، چگونہ روا تواند بود؟ ہمچنین آب دہ دست در باب الف معلومہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ علیہ قرار دادہ است و این لفظیست در غایت رکاکت (صفت لفظ : پس غالب منع کرنا ہے برہان دکنی کو کہ لفظ رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نہ کر) چنان کہ ہمدان لصل فصل فوتتہ اجم۔ مقصود ما اینست کہ ای چنی مضامین لغت مستقل و کنایہ مقبول چرا قرار باید و جز در شرح اشعارے کہ حاوی این کلمات باشد، چرا نگارش بیزید؟ آموذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

"آب"، ترجمہ "ما" کا، ہندی جس کی پانی اور بمعنی رونی لطف بھی آتا ہے اور اسلحہ کی تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں۔ "دست"، ترجمہ "ہد" ہے۔ جس کی ہندی ہانہ اور یہ معنی لسم و نوع اور یہ معنی مسند بھی مستعمل ہے۔ ہم کو اس مقام میں آب بمعنی پانی اور دست بہ معنی ہاتھ اور اس کی ترکیب بمعنی آب دست اور اس کے مقلوب یعنی دست آب کے باب میں کلام ہے۔ آب دست بحرکت و سکون موجدہ عموماً ترجمہ "سائلہ" ہد ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں۔ نعیم کی سند استاد کا شعر :

مے نکلف رو بساقی کن اگر دل خستہ

کابلست او شفا بخش ہمہ بیمار ہلست



آن درج کتاب کرد، ورنه این کتابه قابل اعتراض نیست. چه "آب ده دست"، چه "ترکیبی دست" - "دست"، که در عربی و فارسی یعنی مستند است، مضایق و مضایق الیه مخدول باید دانست بلکه کلامیت مستقل مترادف بالا دست که معنی صدر و مستند و بزرگ قوم باشد. صاحب موبد الفضلا در لغت فارسیه این لغت را بسند دو کتاب که ادات (۱) وثیقه (م) باشد، یعنی صورت و صحت پدید معنی نگاشت و در "مدار"، (م) نیز صاحب رشیدی آورده که آب ده دست به معنی بزرگ مجلس و معنی ترکیبی آن روزی و صدر و مستند.

قوله "بچاه در نظم و ثرا لغت آب ده دست رسالت دیده وثیقه" مضمون را لغت افدشیده است انشی، اقول جامع این کتابه را در نظم و ثرا که اضافه رسالت دیده است و همچنان در نوشته "تحریر کشیده است - خاتمی گوید :

دست آب ده مجاورانشی اوزن ده برج کو توانشی

**تفسیر** پس گردان جناب اگر فراموشی نکنند در شرح کتابه " ماهی چشمه" خضر، در باب الهم جویند که میگویند که آب ده دست استعاره برای آنحضرت از خاتمی خالی از رکاکت نیست - وای برین عقیدت که او را به یحیی برداشته و باز به نسبت رکاکت سرنگون انداختند.

۲- عبارت **برهان قاطع** | ماهوچی شده" خضر کتابه از زبان و دهان معشوق است -

**قاطع برهان** | یارب ماهوچی شده" خضر کدام لغت است من در کتاب مطبوعه بدین صورت دیده ام :

قلند هر چه گوید دیده گوید

در ضمیر میگرد که ماهی چشمه" خضر خواهد بود و آن خود مضبوط است

(۱) "ادب الفضلا"، لغت کی ایک کتاب -

(۲) "نفیہ الطالبین"، لغت کی ایک کتاب -

(۳) مدار الفضلا -



تخصیص کی سند ”نام حق“ کی بہت :

آہستہ و مجاز باید کرد دل مقام گداز باید کرد

عرف میں آہستہ کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں ؟ ہم تو اتنا ہوشیار کر چپ ہو رہے ہیں ۔ پس ”آب دہ دست“ اور ”دست آب دہ“ کے معنی وضو کرانے والا ، حائض دھلانے والا ۔ آب یہ معنی رونق اور دست یہ معنی مسند کا یہاں اشغال محض جہل اور صرف اہمال ۔ یہ تو میرا قول ہے کہ ”آب دہ دست“ رسالت ، رسول کو کہہ سکتے ہیں ۔ ایک بے ادب فقط ”آب دہ دست“ کہتا ہے اور ہم منہ نہ تکتے ہیں ۔ منشی سعادت علی کو نہ علم ، نہ فہم ۔ اس نے اس قیامت کو نہ جانا ۔ میرزا رحیم بیگ صاحب ! ابوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں ”فالمع یرعان“ والے کے قول کو کیوں کر مانا ؟ ہے ہے سراسر بے پردہ اشرف الالباب علیہ و آلہ السلام کی تذلیل اور توہین ہے اور جو پیہر کو ایسا کہے ، وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد اور مردود و بے دین ہے ۔ بلکہ مخالفین بھی ، جو مسلمان اپنے پیہر کو برا کہے ، اس کو برا جانیں گے ، یقین ہے ۔ پس پیہر کا ”آب دہ دست“ نام رکھنے والا مورد لعنہ اللہ و ملائکہ و الناس اجمعین ہے ۔

**اشعار خاقانی کی شرح |** خاقانی کے شعر کے اکھنڈے سے آب کی کیا مراد

ہے ؟ یہ شعر طبع بند اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے ۔ پہلے پوچھنا ہوں کہ دست آبدہ کا قائل اور شین کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان اس میں بطریق مذکور یا مقدور کہاں پایا ؟ جب اس مصرع کی رو سے :

دست آب دہ مجاورانش

”دست آب دہ“ پیہر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق :

ارژن دہ برج کوترا نش

”ارژن دہ“ کا خطاب بھی حضرت پر صادق آیا ۔ سبحان اللہ ! جہاں

مصطفیٰ و محبوب رحیمہ کالعالمین و خاتم المرسلین آپ کے اقطاب ہیں وہاں



”آب دہ دست“، بھی آب کا لقب لہرایا۔ میروا جی میں ترک جاہل ہوں ، بجا ہے۔ اگر مجھ کو گایاں از روئے عتاب دوگرے ، خدا کے واسطے یہ میر کو کیا جواب دوگرے ؟ بلند رور خالق کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے :

روح از بنے آبروے خود را      خلد از بنے رنگ و بوے خود را  
دست آب دہ مجاورانش      ارزن دہ برج کونراش

اوپر کے دونوں مصرعوں میں را لفظ زائد ، پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے۔ ”روح از بنے آبروے خود دست آب دہ مجاوران اوست و خلد از بنے رنگ و بوے خود ارزن دہ کیوتران اوست“۔ یہ دونوں شعر کعبہ معطلہ کی تعریف میں اور دونوں شیلوں کی ضمیر ہطرف کعبہ راجع۔

اس الشہار کی تصدیق ”نظم العرائین“ سے کیجیے اور ہندی کی چندی غالب سے من لیجیے۔ روح اپنی افزائش آبرو کے واسطے وضو کا ہانی دہتی ہے کعبہ کے مجاوروں کو اور خلد اخذ رنگ و بو کے واسطے دانہ کھلاتا ہے کعبہ کے کیوتروں کو۔ وضو کا ہانی دہنا اور کیوتروں کو دانہ کھلاتا ادنیٰ خدمت ہے۔ خدا کے واسطے مخدوم کوئیں کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت ہے ؟ معہذا خاتانی کے مصرع سے دست آہنہ پیغمبر کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ہے۔ خاتانی نے روح کو آہنس دہ کا فاعل مانا ، ہم نے پیغمبر کو معاً اس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیوں کر جائز جانا ؟

”قالہ شد“، یعنی ”قالہ رفت“، یعنی ”قالہ سالار رفت“، یعنی ”رسول مقبول رحلت کرد“، یہ قاف مع الالف میں کلام اسی مستہین رسول ص کا ہے۔ ”نست آہنہ“ کی شرح میں نظیر اور ”قالہ شد“ میں استہزا ہے۔ ”برہان قاطع“ والا اگر یہ قیاحتیں نہیں سمجھا ہے تو احمق ہے اور اگر



سمجھ کر لکھتا ہے نو کافر مطلق ہے ۔ اب میرے خونابہ' زخم دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشان دیکھئے ۔

تبصرہ مندرجہ حاشیہ "ساطع برہان" کے حق میں کیا فرمائے ہو اور اس فقرہ اخیر کو "ہاز در نشیب رکاکت سرانداختند" کسی کا لکھنا بتائے ہو ۔ ؟

**مولوی فضل حق خیر آبادی کا بیان** ۔ سنو ، فخرالفضلا و عثم الہما امیرالدولہ

مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے رد عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علمائے کی اس پر سپرین ہیں ۔ اس رسالے میں جناب مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت بیامعت بہت تھی ، حالانکہ یہ امر واقعی ہے یا یہ کہے کہ آپ کی ردا میلی تھی ، اگرچہ اس وقت میں ہو ، لیکن چونکہ ایک گونہ سواندب اور آہانت ہے ۔ حاکم اہل اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم واجب ہے اور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ دارالحرب ہے ۔ پس موجب فتوایں علماے اسلام فقرہ مذکورہ کا لکھنے والا کفر میں شاد ہے اشد اور کذب میں مسیلمہ کذاب ہے سوا ہے ۔

خیر ، عقبی میں خالق کا مقہور اور دنیا میں اہل خلق کا مطعون ہوگا ، عجب کو کیا ؟ مجھے تم پر ہنسی آتی ہے ، بعض بات سمجھی نہیں جاتی ہے ۔ مخالفی روح کو آہستہ دہ مجاوران حرم کہتا ہے ، تم کہتے ہو کہ خاقانی "دست آبد" اسم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے ۔ مولوی اسام بخش نے تم کو بہت کچھ پڑھایا ، مگر طریقہ استنباط معنی نہ بتایا ۔ میرے حق میں جو کہتے ہو خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا کہتے ہو ۔ میں نے اس کے سوا کہ "خاقانی بطریق تنزل گفتہ است" اور کیا کہا ہے ، جو مجھے برا کہتے ہو ؟ وہ بھی ذکر "شیر شروء علیہ" میں نہ "دست آبد" کے باب میں ۔ اس نے جناب امیرالمومنین کے واسطے ایک نفظ سہل سرسری



لکھا، میں نے قبول نہ کیا اور اس کے قول کا نزول ظاہر کر دیا۔ آنحضرت ص کو اس نے ”آپ دہ دست“ یا ”دست آپ دہ“ کہیں لکھا اور کیوں لکھتا؟ نہ الحق تھا، نہ بے ادب۔ جب اس نے نہیں لکھا تو میں اس سے کیوں الجھوں اور کب الجھا؟ نہ کج فہم ہوں نہ مغلوب الغضب۔ آپ دہ دست کے پردے کھل گئے۔ بے لبتانہ لفظ آخر ”دست“ بمعنی ”مسند“ نہ آئے گا۔ ”آپ دہ دست“ ہاتھ دھلانے والا کہلانے کا۔

ہاں ایک طور ہے۔ ہم نے اس کو اور طور سے لکھا ہے۔ میں بطریق اہلح و احسن لکھتا ہوں، یعنی تخت اور اورنگ سلامین کے جلوں کے واسطے اور وسادہ و مسند امرا کے جلوں کے واسطے موضوع ہے۔ نظر اس اصل پر سلطان کو زیب افزے اورنگ سے اضافہ لفظ سلطنت اور امیر کو زینت بخش مسند سے افزائش لفظ امارت لکھو۔ انیا خصوصاً سیدال انبیا مسند پر کب بیٹھے تھے؟ ان کے غلاموں کو امارت تنگ ہے اور زمزمہ ”القدر و الفری“، پشت آہنگ ہے۔ میرے خداوند کا فرش حصیر، کد، گلم، رداے صحابہ، سطح خاک۔ میں مومن ہجرم اپنے اس خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگرچہ مدح بحمل ہے :

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن قول فیصل ہے، آبدہ دست و زینت بخش مسند کیوں کر مسجدوں؟ بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح و طبع سلیم گوارا نہ کریں گے کہ وہ صفت عام جو دنیا داروں کے واسطے ہے، قبلہ دین و دنیا پر صادق آئے۔ دکنی اور اس کے فضلہ خوار قابل خطاب نہیں۔

ایہا الاخ المکرم! ”فضلہ خوار“ جواب ہے ”ہی گردان“، جناب کا یہ کلمہ مستوجب عتاب نہیں۔ یقین کہہ آپ نے اب تو از روئے دلالت لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر یہ قومیت ترک ویشہ آہائی سہل گری عسی المحققین خطاب دیا ہوگا۔ چائنا اس امر کا کہ ”آپ دہ



دست، میں اگر ”آپ“ سے اپنی اور ”دست“ سے ہاتھ مراد لیں تو اس کو اسم پیغمبرؐ سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر ”آپ“ کو بمعنی ”روفق“ اور ”دست“ کو بمعنی ”مسند“ مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ہدایت حضرت ﷺ کو اس ترکیب کا مشارٌ الیہ سمجھنا کیسی یوالعجبی ہے۔

”آبدہ دست“، ”روفق بخش مسند“ صفت ہے عموماً متعین مالدار کی، یہاں تک اس اصطلاح سے تعریف کر سکتے ہیں صرافان و ساہوکارانِ بلاد و امصار کی۔

**ختم کلام** | میں اب قطع کلام کرتا ہوں اور آپ کو بکمال تعظیم سلام کرتا ہوں۔ پیغمبرؐ کی تحقیر کو مسلم رکھتے ہو، تم جانو اور سید ابراہیم، خالقی ہر جہان کرتے ہو، تم جانو اور وہ میدان معنی کا شہسوار۔ مجھ کو جس قدر تم نے لکھا ہے یا کوئی اور لکھ رہا ہے اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ ہے، معقول اور راست نہیں، لیکن واثق مجھ کو عرصہٴ محشر میں اس کی بازخواست نہیں:

زمن عشق بکوائیں صلح کل کر دیم  
تو خصم باش و زما دوستی مانا کن